

جدید ایڈیشن

سیرتِ مصطفیٰ



از افادات

حضرت علامہ

مولانا محمد ادریس صاحب

کانڈھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ ظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

www.ahlehaq.org

جلد یک کیسے اور زندگی نصیحتیں
سیرت رسول ﷺ



سیرت رسول ﷺ پر قابل قدر اور عظیم تالیف
امت کے اکابر مورخین اور ارباب سیر کے علوم کا جوہر

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

حصہ سوم

افادات

حضرت علامہ مولانا محمد اویس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

www.ahlehaq.org

ناشر

کتاب خانہ مطہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

فون: ۳۹۹۲۱۷۶



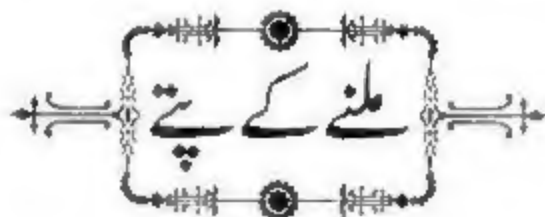
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ————— سیرتِ مصطفیٰ ﷺ (حصہ سوم)

مصنف: ————— حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بالہتمام: ————— ابراہیم برادران سلمہم الرحمن

ناشر: ————— کتب خانہ مظہری



- ❖ قدیمی کتب خانہ.... (کراچی)
- ❖ زمزم پبلشرز..... (اردو بازار کراچی)
- ❖ علمی کتاب گھر.... (کراچی)
- ❖ بک لینڈ..... (لاہور)
- ❖ مکتبہ رحمانیہ..... (لاہور)
- ❖ مکتبہ رشیدیہ..... (کوئٹہ)
- ❖ مکتبہ عمر فاروق.... (شاہ فیصل کالونی کراچی)
- ❖ دارالاشاعت..... (اردو بازار کراچی)

فہرست مضامین سیرۃ المصطفیٰ ﷺ (حصہ سوم)

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۶	اسلام صفوان بن امیہ	۱۱	فتح مکہ مکرمہ (فتح اعظم)
۵۷	اسلام سہیل بن عمرو	۱۳	تجدید معاہدہ کے لئے ابوسفیان کی روانگی
۵۹	اسلام عقبہ و عقبہ پسران ابی لہب	۱۷	قصۃ حاطب بن ابی بلتعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ
۶۰	اسلام معاویہ	۲۱	حاطب کے خط کا مضمون
۶۰	بت خانوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی	۲۲	مدینہ منورہ سے روانگی
۶۰	ہدم غزی و ہدم سواع	۲۶	مقام مر القظہ ان میں پڑاؤ
۶۱	ہدم منات	۲۸	ابوسفیان کا اسلام
۶۲	غزوہ حنین و اوطاس و طائف	۳۱	مکہ معظمہ میں داخلہ
۶۸	محاصرۃ طائف	۳۵	مسجد حرام میں حضور پر نور کا داخلہ
۷۰	تقسیم غنائم حنین	۳۶	حجابت و سقایت
۷۳	عمرۃ بعرانہ	۳۶	باب کعبہ پر خطبہ
۷۳	تحریم متعہ	۳۶	بام کعبہ پر اذان
۷۴	اطائف و معارف	۴۱	مردوں اور عورتوں سے بیعت
۷۸	تقرر عمال	۴۳	باب کعبہ پر دوسرا خطبہ
۷۸	۹ھ کا آغاز	۴۵	مہاجرین کے متروکہ مکانات کی واپسی کا مسئلہ
۷۹	سریہ عیینہ بن حصن	۴۶	عفو عام کے بعد مجرمان خاص کے متعلق احکام
۸۰	خطبہ عطار بن حاجب	۴۸	الی اصل
۸۱	خطبہ ثابت بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ		فتح مکہ کے دن پندرہ آدمیوں کے قتل کا حکم اور اُن کے قتل اور تائب ہونے کے واقعات
۸۳	بعث ولید بن عقبہ بسوئے بنی المصطلق	۴۸	اسلام ابی قحافہ یعنی ابو بکر صدیق کے والد کے مسلمان ہونے کا واقعہ
۸۴	سریہ عبداللہ بن عوجہ		
۸۵	سریہ قطیبہ بن عامر	۵۶	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۱۳	وفد عبدالقیس	۸۵	سریہ ضحاک بن سفيان
۱۱۴	وفد بنی حنیفہ اور مسلمہ کذاب کی حاضری	۸۵	سریہ علقمہ بن مجزز بسوئے حبشہ
۱۱۶	وفد طیبہ	۸۶	سریہ علی بن ابی اطالب برائے بت شکنی
۱۱۷	وفد کندہ	۸۷	و ذکر اسلام فرزند حاتم طائی
۱۱۷	وفد اشعریین	۹۰	اسلام کعب بن زہیر
۱۱۸	وفد ازاد	۹۲	غزوہ تبوک
۱۱۹	وفد بنی الحارث	۹۳	حضرت علی کو اہل و عیال کی حفاظت کیلئے مدینہ چھوڑنا۔
۱۲۰	وفد ہمدان	۹۳	حدیث انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کی شرح
۱۲۰	وفد مزینہ	۹۵	دیار شہود پر سے گزر اور وہاں کے پانی کے متعلق حکم اور اس کے اسرار و حکم
۱۲۱	وفد دوس	۹۸	مسجد ضرار
۱۲۱	وفد نصارائے نجران جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور اہیت کے بارے میں مکالمہ	۹۹	متخلفین کا ذکر
۱۲۵	مباحلہ	۱۰۱	کعب بن مالک اور مرارة بن رزیح اور ہلال ابن امیہ سے پچاس دن تک ترک کلام و سلام کا قصہ۔
۱۲۷	ایک ضروری تنبیہ	۱۰۳	صدیق اکبر کا امیر حج مقرر ہونا
۱۲۸	فروہ بن عمرو کی سفارت کا ذکر	۱۰۵	واقعات متفرقہ ۹ھ
۱۲۸	قدوم خنساء بنت الخلیفہ	۱۰۶	۱۰ھ اور عام الوفود
۱۲۹	وفد طارق بن عبداللہ بخاری	۱۰۷	وفد ہوازن
۱۳۱	وفد نجیب	۱۰۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب
۱۳۲	وفد ہذیم	۱۱۰	وفد ثقیف
۱۳۳	وفد بنی فزارہ	۱۱۲	وفد بنی عامر
۱۳۳	وفد بنی اسد		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۴	سفر آخرت کی تیاری	۱۳۴	وفد بہراء
۱۵۶	علامت کی ابتداء	۱۳۴	وفد عذرہ
۱۵۷	حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء کا رونا اور ہنسنا	۱۳۵	وفد بلی
۱۵۸	واقعہ قرطاس	۱۳۵	وفد بنی مرہ
۱۶۰	آخری خطبہ	۱۳۵	وفد خوالان
۱۶۳	صدیق اکبر کو نماز پڑھانے کا حکم	۱۳۶	وفد محارب
۱۶۶	یوم الوصال	۱۳۷	وفد صداء
۱۶۸	عالم نزع	۱۳۷	وفد غسان
۱۶۹	تاریخ وفات	۱۳۷	وفد سلمان
۱۷۰	عمر شریف	۱۳۸	وفد بنی عباس
۱۷۰	صحابہ کا اضطراب	۱۳۸	وفد غامد
۱۷۲	صدیق اکبر کا خطبہ	۱۳۸	وفد ازد
۱۷۶	بقیہ خطبہ صدیق	۱۴۰	وفد بنی المشرق
۱۸۰	سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع	۱۴۰	وفد نخع
۱۸۳	تجہیز و تکفین اور غسل	۱۴۱	یمن میں تعلیم اسلام
۱۸۴	نماز جنازہ	۱۴۱	سریہ خالد بن ولید بسوئے نجران
۱۸۶	تدفین	۱۴۶	سریہ علی کرم اللہ وجہہ بسوئے یمن
۱۸۶	لطائف و معارف	۱۴۷	حجۃ الوداع
	واقعہ قرطاس کے متعلق شیعوں کے اعتراض	۱۵۰	خطبہ غدیر خم
۱۸۸	کا جواب	۱۵۱	حجۃ الوداع سے واپسی
۱۸۹	امامت صدیق اکبر	۱۵۱	جبریل امین کی آمد
۱۹۲	مذمت امامت ابو بکر	۱۵۲	آخری فوج ظفر مویج یعنی سریہ اسامہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳۸	ایک شبہ اور اس کا ازالہ یعنی حضرت سیدہ کی ناراضگی اور اس کا جواب	۱۹۳	تاریخ وفات نبوی (فائدہ علیہ)
۲۳۹	اہل سنت کا جواب	۱۹۴	سفینہ نبی ساعدہ اور بیعت خلافت
۲۴۱	ایک ضروری تنبیہ	۱۹۵	سعد بن عبادہ کی تقریر
۲۴۲	میراث نبوی یعنی انبیاء کرام کے مال میں میراث جاری نہ ہونے کی حکمتیں	۱۹۷	صدیق اکبر کی تقریر
۲۴۳	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰۲	سعد بن عبادہ کا اعتراف
۲۵۳	ایک شبہ کا ازالہ	۲۰۵	صدیق اکبر کی فضیلت پر فاروق اعظم کی تقریر
۲۵۶	حیات نبوی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اس بارے میں حضرات محدثین اور متکلمین کے مسلک کی توضیح حیات نبوی کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کلام معرفت التیام	۲۰۶	صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت
۲۶۹	ازواج مطہرات اور اُن کے فضائل اور خصوصیات	۲۰۷	بیعت خاصہ کے بعد بیعت عامہ
۲۷۰	فوائد و لطائف	۲۰۸	بیعت عامہ سے پہلے مسجد نبوی میں حضرت عمر کا خطبہ
۲۷۳	ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کی ترتیب نکاح	۲۰۹	صدیق اکبر سے بیعت لینے کی درخواست
۲۷۳	ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۲۰۹	بیعت عامہ کے بعد صدیق اکبر کا پہلا خطبہ
۲۷۷	ولیمہ	۲۱۲	حضرت علی کی بیعت
۲۷۷	الحیصل	۲۱۸	سعد بن عبادہ کی بیعت
		۲۱۸	صدیق اکبر کا خلافت سے دستبرداری کا ارادہ
		۲۲۲	مسئلہ وصایت
		۲۲۷	مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور اہل تشیع کے منشا اختلاف کی مختصر تشریح
		۲۲۹	مترکات نبوی
		۲۳۶	باغ فدک کی حقیقت

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	حکایت از مشنوی مولانا عیسیٰ روم ابلیس لعین کا	۲۷۹	اولاد، وفات، خصائل و ضاحک
	لوگوں کو پھسانے کے لئے حق تعالیٰ سے	۲۸۱	ام المؤمنین حضرت سوہ بنت زمعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
	ایک مضبوط جال کی درخواست کرنا اور حق	۲۸۳	ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
	تعالیٰ کی طرف سے مختلف جالوں کا اس کے	۲۸۹	ام المؤمنین حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ عنہا
	سامنے پیش ہونا اور اخیر میں عورتوں کا جال	۲۹۰	ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
	پیش ہونا اور شیطان کا اس کو دیکھ کر خوش ہونا	۲۹۰	ام المؤمنین ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
۳۱۰	اور جوش مسرت میں اس کا اچھل جانا اور ناچنا	۲۹۲	وفات
	اور رقص کرنا	۲۹۲	فضل و کمال
۳۱۶	حکایت مذکورہ کی اردو نظم	۲۹۳	ام المؤمنین زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
۳۱۸	ام المؤمنین جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۳	حضرت زید سے نکاح اور اُن کی طلاق کا قصہ
۳۱۹	ام المؤمنین ام حبیبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۳	اور خلیفین کا آنحضرت پر طعن اور اس کا مفصل
۳۲۳	ام المؤمنین صفیہ بنت حی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۷	جواب
۳۲۵	ام المؤمنین میمونہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۸	اور آیت تحفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ کی تفسیر
۳۲۶	سراری یعنی کنیزیں	۳۰۰	تاریخ نکاح، مہر، ولیمہ
۳۲۶	ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۳۰۲	ورع
۳۲۷	ریحانہ بنت شمعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۳۰۳	عبادت
۳۲۷	نفسیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۳۰۳	زہد
۳۲۷	تعداد از دواج	۳۰۵	وفات
۳۳۰	توسب سے پہلے	۳۰۷	مسئلہ حجاب پر ایک اجمالی نظر
۳۳۱	حکایت	۳۰۹	حدیث نبوی
۳۳۳	افسوس اور صدا ہزار افسوس	۳۰۹	حجاب کے فوائد اور بے حجابی کے مفساد
۳۳۳	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح		
۳۳۳	کیوں فرمائے		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	التبہ علی مافی التبہ یعنی مسئلہ تشبیہ بالکفار پر ایک	۳۳۵	انسانی زندگی کے پہلو
۳۵۸	اجمالی نظر اور تشبیہ بالکفار کی خرابیوں پر تشبیہ	۳۳۶	اولاد کرام
۳۶۳	آدم برسر مطلب	۳۳۷	حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۶۳	تسمیہ کی حقیقت	۳۳۷	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۳۶۳	اختلاف اقوام و امم	۳۳۸	حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۳۶۵	تسمیہ کی تعریف	۳۳۹	حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۳۶۶	تسمیہ بالکفار کا حکم	۳۴۰	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۳۶۹	تسمیہ بالکفار کی ممانعت کی وجہ	۳۴۱	فضائل و مناقب
۳۷۰	خلاصہ کلام	۳۴۲	حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۷۲	تسمیہ بالاغیار کے مفاسد	۳۴۲	حلیہ مبارک
۳۷۶	ترقی کار از اور مدار	۳۴۳	مہر نبوت
۳۷۸	انگریزی لباس کے اقتصادی نتائج	۳۴۳	ریش مبارک
۳۸۰	تسمیہ بالکفار کے مفاسد اور مضرتوں پر فاروق اعظم کا منہ	۳۴۶	مردوں کی داڑھی اور عورتوں کی چوٹی
۳۸۰	مسلمانوں کے نام فاروق اعظم کا فرمان	۳۴۹	طریقہ امتحان
۳۸۱	کافروں کے متعلق فاروق اعظم کا فرمان	۳۴۹	لباس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۳۸۲	ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۵۲	نعلین مبارکین
۳۸۶	اسلامی لباس کی تعریف	۳۵۲	نقشہ نعل مبارک
	حصہ چہارم	۳۵۳	خرقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۳۸۹	دلائل نبوت و براہین رسالت یعنی معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۵۴	لباس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لباس ابراہیمی و اسماعیلی تھا معاذ اللہ معاذ اللہ تعالیٰ اور وطنی لباس نہ تھا
۳۹۲	تعداد معجزات		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۱۵	پانچواں معجزہ	۳۹۳	اقسام معجزات
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں	۳۹۳	معجزات عقلیہ پہلا
۳۱۶	تہبیدی امور (امراول)	۳۹۴	دوسرا عقلی جائزہ
۳۱۸	تہبیدی امور (امردوم)	۳۹۵	قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں موجود ہیں
۳۱۹	تہبیدی امور (امرسوم)	۳۹۶	تیسرا عقلی معجزہ
۳۲۰	تہبیدی امور (امر چہارم)	۳۹۷	چوتھا عقلی معجزہ
۳۲۱	بشارت اول از توریت سفر استثناء	۳۹۸	پانچواں عقلی معجزہ
۳۲۳	اہل کتاب کی ایک تحریف کا ذکر	۳۹۹	دنیا میں مذہب اسلام کی آمد
۳۲۵	خلاصہ کلام یہ ہے	۴۰۰	چھٹا معجزہ
۳۲۶	کوئی مانے یا نہ مانے	۴۰۱	ساتواں عقلی معجزہ
۳۳۱	بشارت دوم از کتاب پیدائش	۴۰۱	معجزات حسیہ
۳۳۲	فائدہ جلیلہ	۴۰۳	معجزات نبوی کی تفصیل
۳۳۶	بشارت سوم از سفر استثناء	۴۰۳	معجزہ کی تعریف
۳۳۹	بشارت چہارم از سفر استثناء	۴۰۴	معجزات علمیہ و عملیہ
۳۴۲	بشارت پنجم از سفر پیدائش	۴۰۴	قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے
۳۴۴	بشارت ششم از زبور باب ۴۵	۴۰۵	اعجاز قرآن کی پہلی وجہ
۳۴۷	بشارت ہفتم از زبور باب ۱۳۹	۴۰۶	ایک شبہ اور اس کا جواب
۳۵۹	بشارت ہشتم از زبور باب ۷۲	۴۰۸	اعجاز کی دوسری وجہ
۳۶۰	بشارت نهم از صحیفہ ملاکی باب ۳	۴۰۹	اعجاز کی تیسری وجہ
۳۶۳	بشارت دہم از صحیفہ حبثوق باب ۳	۴۱۰	دوسرا معجزہ حدیث نبوی یعنی شریعت اسلام
۳۶۳	بشارت یازدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۲۱	۴۱۳	تیسرا معجزہ علماء اہل سنت محمدیہ ہیں
۳۶۴		۴۱۴	چوتھا معجزہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۰	غلبہ اسلام کی پیشین گوئی	۴۶۵	بشارت دوازدہم از صحیفہ یسعیاہ
۵۱۱	غلبہ روم کی پیشین گوئی	۴۶۵	بشارت سیزدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۲۳
۵۱۲	خداقت راشدہ کی پیشین گوئی	۴۶۶	بشارت چہار دہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۲۸
۵۱۳	فتح خیبر کی پیشین گوئی	۴۶۶	بشارت پانزدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۳۲
۵۱۳	فتح فارس و روم کی پیشین گوئی	۴۷۳	بشارت شانزدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۵۲
۵۱۵	قبائل عرب کی شکست کی پیشین گوئی	۴۷۵	بشارت سترہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۶۰
۵۱۵	فتح مکہ کی پیشین گوئی	۴۷۹	بشارت ہشتم از کتاب ایسایا باب ۲
۵۱۶	غزوہ حاراب میں کامیابی کی پیشین گوئی	۴۸۰	عائکہ بنت عبدالمصعب کا خواب
۵۱۶	یہود کے متعلق پیشین گوئی	۴۸۲	بشارت نوزدہم از انجیل متی باب ۳
۵۱۷	القائد عرب کی پیشین گوئی	۴۸۲	بشارت ہستم از انجیل متی باب ۲۱
۵۱۷	فتنہ ارتداد اور اس کے سدھار کی پیشین گوئی	۴۸۳	بشارت ہستم و عظیم از انجیل یوحنا باب ۱۸
۵۱۸	وفات نبوی کی پیشین گوئی	۴۸۶	لفظ فراقیہ کی تحقیق
۵۱۸	احادیث مذکورہ ۳۶ پیشین گوئیاں	۴۹۸	نصاری کے چند شبہات اور اس کے جوابات
۵۲۲	معجزات یس و برکت	۵۰۰	بشارت ہستم و دوم از انجیل متی باب ۱۳
۵۲۳	استجاب دعا	۵۰۱	بشارت ہستم و سوم از انجیل متی
۵۲۳	معجزات شفاء امراض	۵۰۳	بشارت ہستم و چہارم و ہستم و پنجم
۵۲۶	معجزات حیات موتی		انباء الغیب یعنی آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں۔
۵۳۰	معجزات عیسوی	۵۰۶	
۵۳۱	مقصد نبوت	۵۰۸	محمدی پیش گوئی کا امتیاز
۵۳۲	نصاری کی گمراہی کا سبب	۵۰۹	حفاظت قرآن کی پیشین گوئی۔
۵۳۲	دین کے تین بنیادی اصول	۵۰۹	اعجاز قرآن کی پیشین گوئی
۵۳۸	خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۵۱۰	حفاظت نبوی کی پیشین گوئی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

غزوة الفتح الاعظم

یعنی

فتح مکہ مکرمہ زاد ہا اللہ تشریفاً و تکریماً۔ رمضان المبارک ۸ھ

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین، حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد میں اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شامل ہو گئے۔

ان دونوں قبیلوں میں زمانہ جاہلیت سے اُن بن چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر خزاعہ کی سر زمین میں داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب اور سلمیٰ اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

زمانہ جاہلیت سے زمانہ بعثت تک یہی سلسلہ رہا ظہور اسلام کے بعد اسلامی معاملات میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ رک گیا۔

حدیبیہ میں ایک میعاد صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے بنو بکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ بنو بکر میں سے نوفل بن معاویہ دہلی نے مع اپنے ہمراہیوں کے خزاعہ پر شب خون مارا رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سو رہے تھے جس کا نام وتیر تھا۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو اور حوہیط بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنو بکر کی امداد کی۔ خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ان کو بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

قریش نے بنو بکر کی ہر طرح سے امداد کی ہتھیار بھی دیئے اور لڑنے کے لئے آدمی بھی۔ خزاعہ کے لوگ مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے۔ مگر بنو بکر اور رؤسہ قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور موتا اور یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہوگی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور یہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا اس کو ہم نے اپنی غلطی سے توڑ ڈالا۔

عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آں حضرت ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر یہ عرض کیا۔

يَا رَبِّ اِنِّي نَاشِدُ مُحَمَّدًا حَلْفَ اَبِنَا وَاَبِيهِ اَلَا تُلَدَا
اے پروردگار میں محمد ﷺ کو اپنے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دہانے آیا ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں خزاعہ حضرت عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح ہم آپ کے حلیف ہیں اسی طرح ہمارے باپ دادا آپ کے باپ دادا کے حلیف تھے۔

فائدہ: اور بعض روایات میں یارب انی ناشد کی جگہ اللہم انی ناشد آیا ہے اور بعض روایات میں یارب کی جگہ لاہم انی ناشد محمددا آیا ہے لاہم معنی میں اللہم کے ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ لاہم لولا انت ما اہتدینا۔ اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ۱/۳۶ میں لاہم کو لاہم سمجھ کر یہ ترجمہ کر دیا۔
کچھ غم نہیں۔ میں محمد کو وہ عہد یاد دہانگا۔ ”کچھ غم نہیں“ رسم خط کے اشتراک سے علامہ شبلی کو اشتباہ ہو گیا۔

اِنَّ قُرَيْشًا اخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمَوْكِدَا
تحقیق قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد اور پیمان کو توڑ ڈالا۔
هُم يَتَّبِعُونَنا بِالْوَتِيْرِ هُجَّجًا وَقَتُّوْنا رُكْعًا وَسُجَّجًا

ان لوگوں نے چشمہ و تیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے۔

وَجْعَلُوا لِي فِي كِدَاءِ رُصْدًا وَزَعَمُوا أَن لَسْتُ أَدْعُو أَحَدًا
اور مقام کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھادیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کیلئے نہ بلاؤں گا۔

وَهُمْ أَذِلُّ وَأَقْلُّ عَدَدًا
اور وہ سب ذلیل ہیں اور شمار میں بھی بہت کم ہیں۔ قَدْ كُنْتُمْ وُلْدًا وَكَمَا وَالِدَا
وَوَالِدَا كُنَّا وَكُنْتُ الْوَلَدَا ثَمَّتْ أَسْلَمْنَا وَلَمْ نَنْزِعْ يَدًا
اور ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ بمنزلہ اولاد کے اس لئے کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ کی تھی اور اسی طرح قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بھی قبیلہ خزاعہ کی تھی۔ اس تعلق کی بناء پر ہماری نصرت اور اعانت آپ پر لازم ہے اور اس کے علاوہ ہم ہمیشہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہے کبھی آپ کی اطاعت سے دستکش نہیں ہوئے اس لئے آپ سے امید ہے کہ اپنے جان نثاروں اور وفا شعاروں کی مدد فرمائیں گے۔

فَانْصُرْ هَذَاكَ اللَّهُ نَصْرًا اعْتَدَا وَادْعُ عِبَادَ اللَّهِ يَأْتُوا مَدَدًا
پس ہماری فوری مدد فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اللہ کے خاص بندوں یعنی اپنے صحابہ کو حکم دیجئے۔ وہ ضروری ہماری مدد کو آئیں گے، اور ایک نسخہ میں ہے۔ فَاَنْصُرْ
رسول اللہ نصرًا اعتدا۔

اے اللہ کے رسول ہماری فوری مدد فرمائیے۔

فِيهِمْ رَسُولُ اللَّهِ قَدْ تَجَرَّدَا إِنْ سِيَمَ خُسْفًا وَجْهَهُ تَرَبَّدَا
اور جب عباد اللہ کا لشکر ہماری مدد کو آئے تو اس میں اللہ کا رسول ضرور ہو جو ظالموں سے جنگ کیلئے تیار ہو۔ یعنی فقط سریہ بھیجنے پر استغناء فرمائیں بلکہ اس لشکر کے ساتھ خود بھی بنفس نفیس تشریف لائیں اور اگر وہ خام آپ کو کوئی ذلت پہنچنا چاہیں تو آپ کا چہرہ مبارک غیرت و حمیت سے تہمتانے لگے۔ بعض نسخوں میں قَدْ تَحَرَّدَا جاء مہملہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی غضبناک ہونے کے ہیں۔

فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبِداً

اور ایسے لشکر کو ساتھ لے کر آئے کہ جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو۔

یہ تمام تفصیل امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور سیرۃ ابن ہشام اور روض الانف اور زرقانی شرح مواہب میں مذکور ہے اور ذرا کسی قدر اجمال کے ساتھ فتح الباری میں بھی مذکور ہے۔

مغازی ابن عائد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سن کر نصرت یا عمرو بن سالم اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ فرمایا نہ مدد کیا جاؤں میں۔ اگر میں تیری مدد نہ کروں بعد ازاں یہ دریافت فرمایا کہ کیا کل بنو بکر اس میں شریک تھے عمرو بن سالم نے کہا سب نہیں بلکہ بنو بکر میں سے صرف بنو نفاشہ اور ان کا سردار نوفل اس میں شریک تھا۔ آپ نے ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا اس کے بعد یہ وفد واپس ہو گیا اور آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا، کہ ان کو یہ پیام پہنچادے کہ تین باتوں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

(۱)۔ مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

(۲)۔ یا بنو نفاشہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

(۳)۔ یا معاہدہ حدیبیہ کے نسخہ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرظہ بن عمرو نے یہ جواب دیا۔ کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنو نفاشہ سے اپنے تعلقات کو منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے نسخہ پر ہم راضی ہیں لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابوسفیان کو تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔

تجدید معاہدہ کے لئے مکہ سے ابوسفیان کی روانگی

ابوسفیان تجدید صلح کے لئے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خبر دی کہ ابوسفیان مکہ سے مدت صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کیلئے آ رہا

ہے، چنانچہ ابوسفیان مکہ سے روانہ ہوا اور مقام عسفان میں پہنچ کر ابوسفیان کی بدیل بن ورقا خزاعی سے ملاقات ہوئی، ابوسفیان نے بدیل سے دریافت کیا کہ کہاں سے آرہا ہے۔ بدیل نے کہا میں اسی قریب کی وادی سے آرہا ہوں، بدیل یہ کہہ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان کو خیال آیا کہ بدیل ضرور مدینہ سے واپس آرہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان نے اس جگہ کو جا کر دیکھا جہاں بدیل نے اونٹ بٹھلایا تھا۔ بدیل کی اونٹنی کی مینٹنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم بدیل ضرور مدینہ ہی سے آرہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے، ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اول اپنی بیٹی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا ابوسفیان نے کہا اے بیٹی تو نے فرش کو لپیٹ دیا کیا فرش کو میرے قابل نہ سمجھایا مجھے فرش کے قابل نہ سمجھا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اس پر ایک مشرک کہ جو شرک کی نجاست سے ملوث اور آلودہ ہو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھل کر کہا اے بیٹی خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوئی۔ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا شر میں نہیں۔ بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہو گئی۔ آپ سے تعجب ہے کہ آپ سردار قریش ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بارگاہ رسالت سے جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو ابوسفیان ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے سفارش کی درخواست کی ابوبکر نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ عمر بن الخطاب نے یہ فرمایا اللہ اکبر میں تیری سفارش کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دنیا میں اگر کوئی ساتھی مجھ کو میسر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی چپکا حضرت علی کے پاس آیا اُس وقت اُن کے پاس ان کی بیوی فاطمہ الزہراء اور حسن رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہ اے ابوالحسن آپ ہم سے قرابت میں

سب سے قریب ہیں میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ ہوں لہذا آپ میری رسول اللہ ﷺ سے سفارش فرمائیے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کچھ قصد فرمایا ہے لہذا اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہہ سکے ابوسفیان یہ سن کر حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بنت محمد (ﷺ) اگر آپ اس بچہ یعنی امام حسن کو یہ حکم دیں کہ وہ یہ پکار دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار مان لیا جائے، حضرت فاطمہ نے فرمایا اول تو یہ کس سے ہے (یعنی پناہ دینا بڑوں کا کام ہے) دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی خلاف مرضی کون پناہ دے سکتا ہے۔ ابوسفیان نے حضرت علی سے مخی طبع ہو کر کہا معاملہ سخت ہو گیا آخر مجھ کو کوئی تدبیر بتلائیے۔ حضرت علی نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ صرف اتنا خیال میں آتا ہے اگر اس کو تو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے تو کر گزر۔ وہ یہ کہ مسجد میں جا کر یہ پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں اور یہ کہہ کر تو اپنے شہر واپس چلا جا۔ چنانچہ ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور ہوا ز بلند پکار کر یہ کہا کہ میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھاتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ کو چل کھڑا ہوا۔

ابوسفیان جب مدہ پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا تو قریش نے یہ کہا کہ کیا محمد (ﷺ) نے بھی تمہارے اس اعلان کو جائز رکھا ابوسفیان نے کہا نہیں۔ قریش نے کہا کہ محمد کے بغیر رضامندی اور اجازت سے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے محض لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ دشوار نہیں اور خدا کی قسم علی نے تیرے ساتھ مسخرہ پن کیا۔ تو نہ صلح کی خبر لے کر آیا جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری سامان سفر اور آلات حرب درست کرنے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا اظہار و اعلان نہ کیا جائے اور اس پاس کے قبائل میں بھی کہا بھیجا کہ تیار ہو جائیں۔

قصہ حاطب بن ابی بلتعہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

صحیح بخاری میں ہے کہ اسی اثناء میں حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ اے حضرت ﷺ مکہ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اور مخفی طور پر ایک عورت کے ہاتھ اس خط کو مکہ روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے اس سے اطلاع دی آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا کہ تم برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ میں تم کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی اُس کے ساتھ مشرکین مکہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے۔ وہ اس سے لے آؤ، چنانچہ روضہ خاخ میں پہنچ کر ہم کو ایک عورت ملی اونٹ بٹھلا کر اُس کی تلاشی لی کہیں خط نہ ملا۔ ہم نے کہا خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے اُس عورت سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تو وہ خط ہم کو دیدے ورنہ ہم برہنہ کر کے تیری تلاشی لیں گے، اس وقت اُس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر ہم کو دیا ہم وہ خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مواخذ میں عجلت نہ فرمائیں یا رسول اللہ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں فقط حلیفانہ تعلقات ہیں، میرے اہل و عیال آج کل مکہ میں ہیں جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں بخلاف مہاجرین کے کہ مکہ میں اُن کی قرابتیں ہیں۔ قرابتوں کی وجہ سے اُن کے اہل و عیال محفوظ ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی قرابت نہیں تو اُن کے ساتھ کوئی احسان کروں جس کے صلہ میں وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے دین سے مرتد ہو کر اور اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر ہرگز یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض فقط وہی تھی جو میں نے عرض کی۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ابن عباس حضرت عمر سے راوی ہیں۔ فکتبت کتابا لا یضر اللہ ورسولہ۔ پس میں نے ایک خط لکھا (کہ جس میں میرا یہ نفع ہے) اور اللہ اور اُس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے سن کر یہ فرمایا:

أَمَّا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ ۝ آگاہ ہو جاؤ یقیناً اس نے تم سے سچ بیان کیا

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گروں اڑا دوں آپ نے فرمایا۔

انہ قد شہد بدرًا وما یدریک تحقیق حاطب بدر میں حاضر ہوا ہے اور اے عمر
لعل اللہ اطلع علی اہل بدر تجھکو کیا معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نے نظر
فقال اعملوا ما شئتم فقد رحمت سے اہل بدر کو یہ فرمادیا ہو کہ جو چاہے کرو
غفرت لکم۔ بداشبہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللہ و
رسولہ اعلم۔ اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

یعنی جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ
جان بازی اور سرفروشی دکھائی کہ حامین عرش اور ملائکہ مقررین بھی ان پر عشق کرنے لگے اور
جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا۔ خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ
اُس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے چور اور مخمور
ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب
لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے رضی اللہ عنہم و
رضوا عنہ اور اُولَئِکَ کُتِبَ فِی قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ کا زرین تمغہ اُن کو عطا ہوا۔ اور
آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان تھا۔ اُن کی معافی کو صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی
فقد غفرت لکم بصیغہ ماضی فرمایا اور سا غفر لکم بصیغہ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہل
بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ ان کی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق
اور یقینی ہے اور اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ
اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں، مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت
سے باہر نہ جائیں گے، اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے
لئے نہ تھا ایسا خطاب انہیں مجبین اور مخلصین کو ہو سکتا کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت
ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنه ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے۔ لہذا اگر بدر میں شرکت کر نیوالے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگزاشت ہو جائے تو وہ رَضِيَ اللہ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اور اُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ ہے خارج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اُس عظیم و خیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اُن سے یہ فروگزاشت ہوگی مگر باوجود اس علم ازلی اور ابدی کے پھر اُن کو رَضِيَ اللہ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنه کے بعد اُن سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے۔ بلکہ یہ عظیم الشان حسنه ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ کما قال تعالیٰ۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۖ تَحْقِيقَ نِکَیَاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔
اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَإِذَا الْحَبِيبُ أَتَىٰ بِذَنْبٍ وَاحِدٍ ۖ جَاءَتْ مَحَاسِنُهُ بِالْفِ شَفِيعِ
اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اُس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لاکر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہو جاتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ
عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ
اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔
جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا۔ تو خداوند ذوالجلال نے اُس کے سیئات کو حسنات سے اور اُس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

مرکبِ توبہ عجیبِ مرکبت برفک تازو بہ یک لحظہ زیست
چون برارند ز پشیمانیِ انین عرش لرزد از انینِ المذنبین
یہ آیت عامہ مؤمنین کے حق میں ہے اہل بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور
جس کے قلب میں کوئی زہریلہ اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار طاعت و عبادت بھی اس کے
لئے مفید نہیں جیسے ابیس لعین اور جعیم بن باعوراء۔ خوارج و روافض ہزار نماز اور روزہ اور رکھ
عبادت کریں مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک
کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دیدی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء
مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہو جائے گی۔ کما قال تعالیٰ۔
فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ ۖ اِنْ كَيْدُكَ يَبْهَتُكَ اِنَّ كَيْدَكَ يَبْهَتُكَ اِنَّ كَيْدَكَ يَبْهَتُكَ
مَرَضًا۔ لے

صحیح المزاج و صحیح القوی اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لئے کسی خاص
علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حاطب کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے
نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیل اطباء روحانی فداہ روحی و جسمانی ﷺ نے
جواب دیا کہ اے عمر حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ
غفلت سے غلطی ہو گئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے۔ بدر کی شرکت نے اس کو کندہ بنا دیا
ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی ہے۔ صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش
آ جاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آں حضرت ﷺ کا حاطب کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا (ما ہذا یا حاطب) اے
حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لئے یہی کافی جوشاندہ تھا پیتے ہی بد
پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ
وارضہ۔ چنانچہ آں حضرت ﷺ نے شاہ اسکندر یہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہیں

حاطب کو سفیر بنا کر بھیجا جیسا کہ نذر اسحاق اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطب کو جو شاندار پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمر تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطب کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذ باللہ نفاق نہ تھا۔ وہ خط یہ تھا:

اما بعد یا معشر قریش فان رسول الله صلى الله عليه وآله جاءكم بجيش كالليل يسير كالسيل فوالله لو جاءكم وحده لنصره الله وانجز له وعده فانظروا لانفسكم والسلام۔

اے گروہ قریش۔ رسول اللہ ﷺ رات کے مانند تم پر ایک ہونک لشکر لیکر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہت ہوگا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بلا لشکر کے خود تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ خدا نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔

(یعنی آپ کی کامیابی لشکر پر موقوف نہیں) پس تم اپنے انجام کو سوچ لو والسلام۔

یہ خط حکمی بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اور فتح ابیاری باب غزوۃ الفتح میں بھی مذکور ہے۔ اور البدلیۃ والنہایہ میں بھی ہے۔

اس خط کا مضمون حاطب بن ابی بلتعہ کے اس عذر کی صاف تصدیق اور تائید کر رہا ہے جو پہلے گزر چکا ہے فکتبت کتابا لا یضر الله ورسوله۔ میں نے ایسا خط لکھا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو مضر نہیں۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کے نام تھا۔ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور ایک روایت میں ہے کہ خط کا مضمون یہ تھا:

ان محمدا قد نفر فاما اليكم : تحقيق محمد ﷺ غزوہ کے لئے نکلنے والے
واما الي غيركم فعليكم : ہیں معلوم نہیں کہ کس طرف کا قصد ہے
الحذر (زرقاتی ص ۲۹۸ ج ۲) تمہاری طرف یا کسی اور طرف تم اپنی فکر کرو۔

حق جل شانہ نے حاطب کے اس واقعہ میں سورہ ممتحنہ نازل فرمائی یعنی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ تَتَّقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ جس میں
حق جل شانہ نے کافروں سے دوستانہ تعلقات کے احکام بیان فرمائے اس سورت کی تفسیر کو
دیکھ لیا جائے۔

مدینہ منورہ سے روانگی

القصہ آل حضرت ﷺ دسویں رمضان المبارک کو دس ہزار قدسیوں کی جمعیت ہمراہ لے
کر بعد نماز عصر مدینہ منورہ سے بقصد فتح مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، (بخاری وفتح الباری ص
۸ ج ۲) اور ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔

جب آپ مقام ذی الحلیفہ یا مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت عباس مع اہل و عیال مکہ سے
ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ملے، آپ کے ارشاد سے سامان تو مدینہ بھیج دیا اور خود
آپ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر بغرض جہاد پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئے، حضرت عباس
اسلام تو پہلے ہی سے لاپچکے تھے، مگر قریش سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے اور یہ فرمایا اے عباس
یہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے اور حضرت عجل کا مکہ میں
قیام آپ کے حکم سے تھا کہ مکہ ہی میں رہیں اور قریش کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہیں۔

مسند ابی یعلیٰ اور معجم طبرانی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں عباس نے حضرت رسول
اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی آپ نے ان کو جواب لکھوایا کہ اے چچا آپ اپنی ہی
جگہ قیام فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا جیسا کہ مجھ پر نبوت کو ختم کیا
(زرقاتی ص ۳۰۰ ج ۲)

اور مقام ابواء میں ابوسفیان بن حارثؓ اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مکہ سے مدینہ آتے ہوئے ملے جو ہجرت کر کے مدینہ جا رہے تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبوت سے پیشتر آپ کے دوست تھے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے نبوت اور بعثت کے بعد محبت منقلب بہ عداوت ہو گئی اور آپ کی بجو میں شعر بھی کہے جن کا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ ابوسفیان بن حارث کے ساتھ ان کا بیٹا جعفر بھی تھا۔

اور عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یعنی آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، یہ بھی آپ کے شدید مخی لفوں میں سے تھے۔ دونوں نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی مگر چونکہ حضور پر نور کو ان دونوں سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور حاضری کی اجازت نہیں دی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں ابن عم نے میری آبروریزی کی اور پھوپھی کا بیٹا وہی شخص ہے جس نے مکہ میں یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا یہاں تک کہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں پچشم خود تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور پھر تو ایک دستاویز سے آترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور یہ گواہی دیں گے تجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے مکارم اخلاق سے یہ اُمید ہے کہ آپ کے خوانِ نعمت سے آپ کا چچا زاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی۔ سب سے زیادہ محروم اور بد نصیب نہ رہے گا جب آپ کا ترحم اور غفو عام ہے تو پھر یہی کیوں محروم رہیں۔

اقربا راکجا کنی محروم ! تو کہ بادشمنان نظر داری

ادھر ابوسفیان بن حارث نے یہ کہا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر کو لے کر کسی صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہیں بھوکا اور پیاسا مر

جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین کی شفاعت اور ان دونوں کی اس درجہ خجالت و ندامت کو سن کر حاضری کی اجازت دی۔ حاضر ہوتے ہی دونوں مشرف باسلام ہوئے اور مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبر اور محبت طبری راوی ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا، یعنی۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ۔ ۱
قسم ہے اللہ کی بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم قصور وار ہیں۔

حضرت علی نے سامنے سے آنے کا مشورہ اس لئے دیا کہ چہرہ انور کی حیا اور چشمہائے شریکوں آپ کے اور عتاب کے درمیان حائل بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رحمت عالم اور حیا مجسم ﷺ کی زبان سے یہ جواب نکلا۔

لَا تَشْرِيْبَ عَلَيْنَكُمُ الْيَوْمَ ۖ اَللّٰهُ يَغْفِرُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ ۲
آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں
اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ سب
مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

ابوسفیان کی معذرت قبول ہوئی اور حسب ارشاد نبوی الاسلام یہدم ما کان قبلہ اسلام کی کہدال نے ابوسفیان بن حارث کے قلب کو کھود کر ایسا صاف کر دیا کہ اب اس میں آپ کی خاطر عاطف کی کدورت کا کوئی ریزہ باقی نہ چھوڑا اور ایمان و احسان اور اخلاص و ایقان کو کوٹ کوٹ کر ان کے دل میں ایسا بھر دیا کہ باہر سے کفر کا کوئی غبار اور ذرہ اڑ کر ان کے دل میں نہ پہنچ سکے اور اسی وقت سے اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جان بڑی اور سرفروشی کے لئے آپ کے ہمراہ ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے حیا کی وجہ سے مدۃ العمر آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آنحضرت ﷺ اُن کے لئے جنت کی شہادت دیتے تھے۔

(رزقانی ص ۳۰۰ ج ۲ ص ۳۰۲ ج ۲)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

اور گزشتہ قصور کی معذرت میں کچھ اشعار کہے۔

لعمرك انی يوم احمل رایة لتغلب خیل اللات خیل مُحَمَّد
قسم ہے آپ کی زندگی کی تحقیق جس دن میں نے جھنڈا اس لئے اٹھایا تھا کہ
لات کا لشکر محمد (ﷺ) کے لشکر پر غالب آجائے۔

لکا المدلج الحیران اظلم لیله فهذا اوانی حین اهلای واهتدی
تو اس دن میں اندھیری رات میں چلنے والے کی طرح حیران و پریشان تھا اور
بجھ اللہ اب یہ وقت ہے کہ من جانب اللہ ہدایت دیا جا رہا ہوں اور ہدایت پا
رہا ہوں۔

اور اس کے علاوہ اور بھی معذرت میں اشعار کہے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام ص ۴۳ ج ۴)
اور عبد اللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کے بعد یہ حال رہا کہ حیاء کی وجہ سے
حضور پر نور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

آں حضرت ﷺ جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اس وقت آپ اور
صحابہ روزہ سے تھے۔ مقام کدیدا میں پہنچ کر صحابہ کی مشقت کے خیال سے آپ نے روزہ
افطار فرمایا صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں روزہ توڑ دیا۔ (بخاری شریف)

اول تو سفر فی نفسہ تعب اور مشقت ہے اور پھر وہ بھی جہاد کے لئے اور موسم گرما میں اس
لئے افطار فرمایا کہ ایسی حالت میں اگر روزہ رکھا گیا۔ تو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے جہاد فی
سبیل اللہ کا فریضہ ادا نہیں ہو سکے گا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے لیس من البر الصیام فی
السفر۔ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی اور نیکی نہیں۔ ہاں اگر سفر جہاد نہ ہو اور سفر میں کوئی خاص
مشقت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔ رمضان کے روزہ کی اگرچہ قضاء ممکن ہے لیکن
رمضان کے انوار و تجلیات اور فرشتوں کے ہر وقت عروج و نزول کی برکات شیطین کے پیروں
میں بیڑیاں پڑ جانا جنت اور رحمت کے دروازوں کا کھل جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند ہو جانا
اور حفظ کتاب اللہ کا لیل و نہار کلام اللہ کی تلاوت میں سرشار رہنا اور فرشتوں کا حلقہ ہائے ذکر
ایہ مقام مکہ مکرمہ سے بہتر میل کے فاصلہ پر ہے۔

اور مجالس تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن کی محفلوں کو تلاش کرتے پھرنا یہ باتیں رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں کہاں میسر آسکتی ہیں۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ يَٰٓمُرِيضٍ ۖ وَأَنتُمْ سَاهُونَ

اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے فتح مکہ کے ارادہ سے جو دس ہزار قدوسیوں کا لشکر ظفر پیکر سفر کر رہا تھا وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے تھا، اس کے لئے نماز کو بھی مؤخر کیا جاسکتا ہے جو روزہ سے بلاشبہ افضل ہے۔ اور دین کا ستون ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل اور بہتر عمل ہے۔ لہذا سفر جہاد میں روزہ کا افطار ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ خداوند والجلال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے نکل کھڑا ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس پر آسمان اور زمین کے فرشتے رشک کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے سے اگرچہ تسبیح و تہلیل اور تحمید و تمجید اور نزول ملائکہ کی برکات سے زیادہ مستفید نہ ہو سکا۔ لیکن خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے والہانہ اور عاشقانہ صبح اور شام کے صحنے میں قرب الہی کی ہزاروں اور لاکھوں ایسی منزلیں طے ہو گئیں کہ اگر ہزار سال بھی مسلسل تسبیح و تہلیل کرتا تو قرب خداوندی کے یہ منازل و مراحل اُس کو طے نہ ہوتے جو جہاد کے چند قدموں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر میں سات میل کی منزل قطع کی لیکن حقیقت میں سبع سموات سے اوپر پہنچی۔ یہ تو پراگندہ سر۔ اور پراگندہ بال۔ برہنہ سر اور برہنہ پا اپنی وہ جان عزیز جس کو بمعاضہ جنت خداوند والجلال کے ہاتھ بیچ کر چکا ہے خدا کو دینے اور سپرد کرنے جا رہا ہے تاکہ جلد از جلد اس کو اُس کے مشتری (خداوندی تعالیٰ) کے حوالہ کر کے اپنی قیمت (یعنی جنت) وصول کرے مبادا کوئی قزاق اور رہزن (یعنی کوئی شیطان) اس بیع کو کوئی نقصان نہ پہنچ دے کہ خداوند والجلال سے کیا کرایا سودا نہ بگڑ جائے اور بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے اور آسمان و زمین کے فرشتے ٹمکنگی باندھے ہوئے رشک کی نگاہوں سے اس کو دیکھ رہے ہیں۔

مقام مرّ النظر ان میں پڑاؤ

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپ مَرَّ الظُّهْر ان میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے سامنے آگ سلگائے۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ شکروں

میں آگ روشن کیا کرتے تھے، اسی کے موافق آپ نے یہ حکم دیا قریش کو اپنی بد عہدی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم رسول اللہ ﷺ کس وقت ہم پر چڑھائی کر بیٹھیں۔ چنانچہ ابو سفیان بن حرب اور بدیل بن ورقاء اور حکیم خبر لینے کی غرض سے ملہ سے نکلے جب مر الظهران کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا۔ گھبرا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے، بدیل نے کہا یہ آگ قبیلہ خزاعہ کی ہے ابوسفیان نے کہا خزاعہ کے پاس اتنا لشکر کہاں سے آیا وہ بہت قلیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کر لیا، ان لوگوں نے چوکیداروں سے دریافت کیا تم میں یہ کون ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم آپ کے اصحاب ہیں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر گشت لگاتے ہوئے ادھر آنکھ اٹھا اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا۔ افسوس اے ابوسفیان یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم اگر تجھ پر فتح یاب ہو گئے تو تیری گردن اڑا دیں گے اور قریش کی اس میں بہتری ہے کہ آپ سے امن کے خواستگار ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آواز سن کر اسی سمت میں ڈھونڈھتا ہوا حضرت عباس تک پہنچا اور کہا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں پھر رہائی اور مخلصی کی کیا صورت ہے، عباس نے کہا میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر جھکو حاضر ہوتا ہوں تاکہ تیرے لئے امن حاصل کروں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر اسلام دکھلاتے ہوئے روانہ ہوئے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے گزرنے لگے تو حضرت عمر دیکھتے ہی پیچھے جھپٹے اور کہا یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمد للہ بغیر کسی عہد اور اقرار کے ہاتھ آگیا ہے حضرت عمر پیادہ پاتھے اور حضرت عباس ابوسفیان کو ہمراہ لئے ہوئے خچر پر سوار تھے نہایت تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمد للہ بغیر کسی عہد اور پیمان کے آج ہاتھ آگیا ہے، مجھکو اجازت دیجئے کہ ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضرت عمر تلوار لئے کھڑے ہیں اور بار بار وہی عرض کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کے قتل کے لئے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ حضرت عباس نے جھلا کر

کہا اے عمرؓ راٹھروا اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس کے قتل پر اس درجہ اصرار نہ کرتے چونکہ تم جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف میں سے ہیں، اس لئے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو حضرت عمرؓ نے کہا اے عباسؓ خدا کی قسم تمہارا اسلام مجھے اپنے باپ خطابؓ کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا اور میرا باپ اگر اسلام لاتا تو مجھکو اتنی مسرت نہ ہوتی جتنی کہ تمہارے اسلام سے ہوئی اس لئے کہ میں خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تمہارا اسلام خطابؓ کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ تمہاری نسبت میرا تو یہ خیال ہے تم جو چاہے سمجھو۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لانا ابوسفیانؓ تو شب بھر حضرت عباسؓ کے خیمہ میں رہے اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اسی وقت بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے کچھ دیر تک رسول اللہ ﷺ ان سے مکہ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ دونوں مکہ واپس ہو گئے تاکہ اہل مکہ کو آپؐ کی آمد سے مطلع کریں۔

ابوسفیانؓ کا اسلام

صبح ہوتے ہی حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حضرت ابوسفیانؓ نے ابوسفیانؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، افسوس اے ابوسفیانؓ کیا وقت نہیں آگیا کہ تو یقین کرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ابوسفیانؓ) میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپؐ نہایت ہی حلیم و کریم اور نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو آج ہمارے کچھ کام آتا۔ اور آپؐ کے مقابلہ میں اس سے مدد چاہتا۔

(رسول اللہ ﷺ) افسوس اے ابوسفیانؓ کیا تیرے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مجھکو اللہ کا رسول جانے۔

(ابوسفیانؓ) میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں بے شک آپؐ نہایت حلیم و کریم اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ابھی تک مہربانی کر رہے ہیں کہ باوجود میری اس عداوت کے مجھ پر مہربانی ہے مجھے اسی میں ذرا تردد ہے آپؐ نبی ہیں یا نہیں۔

بعد ازاں حضرت عباس کے سمجھانے سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ابوسفیان کے مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ ابوسفیان سردارانِ مملکت سے ہے فخر کو پسند کرتا ہے لہذا آپ اُس کے لئے کوئی ایسی شئی مقرر کر دیں جو اس کے لئے باعثِ عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اعدن کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ میرے گھر میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔

ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ مسجد بھی کافی نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا اچھا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون ہے، ابوسفیان نے کہا ہاں اس میں بہت وسعت اور گنجائش ہے۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ جب مر الظہر ان سے روانہ ہونے لگے تو حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہو جائیں تاکہ شکر اسلام کو بخوبی دیکھ سکے۔ چنانچہ یکے بعد دیگر جب قبائل جو درجہ گزر رہے تھے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ اور یہ کہا تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہو گیا۔ حضرت عباس نے کہا یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ (یعنی جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت ظاہر اور صورت کے لحاظ سے عظمت تھی۔ مگر معنی اور حقیقت کے لحاظ سے نبوت تھی اس لئے کہ وہ خارقِ عادت تھی، ظاہری اسباب اور مادیات پر مبنی نہ تھی ہوائی جہاز مادیات اور صنعت کے زور سے اڑتا ہے اور تختِ سلیمان۔ بلا کسی مادی اور بلا کسی ظاہری سبب کے بطور خرقِ عادت اڑتا تھا۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی بطور معجزہ اُن کو یہ شان و شوکت دی گئی تھی تاکہ سلاطینِ عالم اپنی مادی طاقت کو اس غیبی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں اور خدا کے نبی کے سامنے گردن تسیم خم کر دیں)۔ اسی طرح آں حضرت ﷺ کی اس شان و شوکت کو سمجھو کہ ظاہر میں بادشاہت معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت نبوت و پیغمبری ہے۔

جو قبیلہ سامنے سے گذرتا تھا۔ ابوسفیان پوچھتا جاتا تھا کہ یہ کون قبیلہ ہے سب سے پہلے خالد بن ولید ایک ہزار یا نو سو کے دستہ کو لے کر گزرے۔ بعد ازاں اور مختلف دستے گزرے تا آنکہ اخیر میں کوکبہ نبوی ظاہری اور باطنی حال اور شکوہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے جلو میں جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم حضرت زبیر کے ہاتھ میں

تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ سعد بن عبادہ جب ادھر سے گزرے تو ابو سفیان کو دیکھ کر جوش آگیا اور جوش یہ کہہ بیٹھے۔

اليوم يوم الملحمة اليوم
تستحل الكعبة
آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہوگا۔

ابو سفیان نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں حضرت عباس نے کہا کہ یہ مہاجرین و انصار کا لشکر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

سامنے سے جب رسول اللہ ﷺ گزرے تو ابو سفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپؐ نے سعد بن عبادہ کو اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے اور سعد کا قول نقل کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپؐ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیتا ہوں نیکی اور صلہ رحمی میں آپؐ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

يا ابا سفیان اليوم يوم المرحمة
يعز الله فيه قريشا
اے ابو سفیان آج کا دن مہربانی کا دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ ارشاد فرمایا۔

كذب سعد ولكن هذا يوم
يعظم الله فيه الكعبة و يوم
تكسى فيه الكعبة
سعد نے غلط کہا آج خانہ کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

اور یہ حکم دیا کہ علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جب آل حضرت ﷺ سامنے سے گزرے تو قریش کی ایک خاتون نے یہ شعر پڑھے۔

يَا نَبِيَّ الْهَدَى إِلَيْكَ لَجَأُ حَيِّ قَرِيْشٍ وَ لَاتِ حَمِيْنِ الْجَوَاءِ
اے نبی ہدایت قریش نے آپؐ کی طرف پناہ لی ہے حالانکہ یہ وقت پناہ کا نہیں ہے۔

حضرت سعد سے جوش اور غلبہ اس میں ایک غلط زبان سے نکل گیا جو منہ سب نہ تھا اس لئے آپؐ نے جھنڈ ان کے ہاتھ سے لے لیا مگر ان کے دل تنگی۔ خیال سے ان کے بیٹے کو دیا صورت تو لے لیا مگر معنی انہیں کے پاس رہا۔ جس درجہ کی لغزش تھی اسی درجہ کی تنبیہ فرمائی۔ کل سے سے یا در جز کو دید یا اور جز کل کے مغایر نہیں ہوتا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

حين ضاقت عليهم سعة الارض و عاذاهم اله السماء
جس وقت وسیع زمین ان پر تنگ ہو گئی و اللہ ان کا دشمن ہو گیا۔

ان سعد ابرید قاصمة الظهر باهل الحجون والبطحاء
تحقیق سعد بن عبادہ اہل حجون و اہل بطحاء کی کمر توڑ دینا چاہتا ہے۔

بعد ازاں ابوسفیانؑ آپ سے رخصت ہوا۔ اور عجلت کر کے مکہ واپس آ گیا اور باواز بلند یہ اعلان کیا کہ محمد (ﷺ) لشکر کے ساتھ آرہے ہیں۔ میری رائے میں کسی کو یہ طاقت نہیں کہ ان سے مقاومت کر سکے اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ البتہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اُس کو بھی امن ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کی مونچھ پکڑ لی اور یہ کہا اے بنی کنانہ یہ پیر فرتوت بیوقوف ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت گالیاں دیں لوگ جمع ہو گئے ابوسفیان نے کہا اس وقت ان باتوں سے کچھ نہ ہوگا اے لوگو تم اس عورت کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔

کوئی شخص محمد (ﷺ) کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اُس کو امن ہے اور جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن، لوگوں نے کہا ارے کبخت خدا تجھے ہلاک کرے تیرے گھر میں کتنے آدمی آسکیں گے ابوسفیان نے کہا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اُس کو بھی امن ہے۔

اور ابوسفیان نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ تو اسلام لے آو ورنہ ماری جائے گی۔ جا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لوگ اس اعلان کو سنتے ہی بھاگے کوئی مسجد حرام کی طرف اور کوئی اپنے گھر کی طرف۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

اس کے بعد آں حضرت ﷺ کداء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مکہ

میں داخل ہوتے وقت اُس حضرت ﷺ نے کعبۃ اللہ کے ادب اور احترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھا۔ تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے شاہانہ شان سے داخل نہیں ہوئے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن مغفل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ناقہ پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ سورۃ انا فتحنا پڑھ رہے ہیں۔

اس عظیم الشان فتح کے وقت مسرت اور نشاط فرحت اور انبساط کے آثار کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں تشعشع اور تضرع تذلّل اور تمسکین کے آثار بھی چہرہ انور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ناقہ پر سوار تھے تواضع سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کر رہی تھی (رواہ ابن اسحاق مرسلًا) اور آپ کے خادم اور خادم زادہ اسلمۃ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ (رواہ الحاکم ہندجید) معجم طبرانی میں ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (زرقانی ص ۳۲۰)

اُس حضرت ﷺ کی نظر مبارک اس پر تھی کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں نے اسی شہر سے کس بے کسی اور کس بے بسی کے ساتھ ہجرت کی تھی اور دشمنوں سے گریزاں اور تنہا یہاں سے نکلا تھا۔ اب وہ وقت آیا کہ حق تعالیٰ کی اعانت و نصرت سے اُسی شہر میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ فاتحانہ داخل ہو رہا ہے۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ اس لئے حضور پر نور کا سر مبارک تواضع سے خم تھا اور پالان شتر پر سر رکھے ہوئے سجدۂ شکر بجالا رہے تھے اور جوش مسرت میں ترنم اور خوش الحانی کے ساتھ انا فتحنا اور اذا جاء نصر اللہ پڑھ رہے تھے کہ بے شک یہ فتح مسبین اور یہ نصرت سرِ اُپا شوکت و عظمت، محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کہ حق کو حکومت عطا ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا اسلام اور ایمان کا نور چمکا اور کفر کی ظلمتیں دور ہوئیں اور سرزمین حرم کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہوئی۔

آں حضرت ﷺ کداء میں سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن ولید کو اسفل مکہ مقام کدی ۲ سے داخل ہونے کا اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کداء میں سے داخل ہونے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود ابتداء بالقتال نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا۔ بعد ازاں آپ نہایت ادب و احترام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اول ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ (بخاری)

اصطلاح علماء میں اس نماز کو صلاۃ الفتح کہتے ہیں۔ اور امراء اسلام کا یہ طریق رہا ہے کہ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو فتح کے شکر یہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو آٹھ رکعت نماز ایک سلام سے ادا فرمائی۔ (روض الانف ص ۲۷۳ ج ۲)

غالباً اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے ام ہانی نے آں حضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے

کداء فتح کاف والف محدودہ مکہ کی بالائی جانب کو کہتے ہیں اور کدی ضم کاف اور الف مقصورہ کے ساتھ مکہ کی جانب اسفل کو کہتے ہیں۔ مقام کداء وہ مقام ہے کہ جس جگہ برہیم علیہ سلام نے کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کے لئے پکارا تھا۔ کہ قل تعالیٰ۔

ور لوگوں میں حج کی منادی کر دے آویں گے تیرے پاس پاپیادہ اور بے اذنوں پر ہر دور و دراز راہ سے اور اسی مقام پر اپنی ذریت کے لئے یہ دعا فرمائی ہے جو قبول ہوئی۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (آیہ ۲۷)

اے پروردگار میں نے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں بسایا ہے جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں۔ تیرے محترم گھر کے قریب اے پروردگار غرض یہ ہے کہ نماز کا خاص اہتمام رکھیں سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کے لئے بھلا کر تاکہ تیری امتوں کا شکر کریں۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم آیہ ۳۷)

اس لئے آں حضرت ﷺ مکہ میں اس مقام سے داخل ہوئے کہ جہاں اس کے بانی نے صدقوں سے دعا کی تھی (روض الانف ص ۲۷۰ ج ۲) حضرت خالد و اسفل مکہ سے داخل ہوئے کا حکم اس سے دیا کہ متجدد اور مقاتلہ کیسے تمام اوباش کی جانب میں جمع تھے۔ (زرقانی ص ۳۰۹ ج ۲)

شوہر کے دورشتہ دار بھگ کر میرے گھر میں آ گئے ہیں جن کو میں نے پناہ دی اور میرا بھائی علی ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جس کو ام ہانی نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی، علی کو چاہئے کہ ان دو آدمیوں کو نہ مارے۔

نماز سے فارغ ہو کر شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے جہاں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، صحابہ نے مکہ میں داخل ہونے سے ایک روز پیشتر ہی آپ سے دریافت کر لیا تھا کہ آپ مکہ میں کہاں قیام فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا جہاں قریش اور کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو محصور کیا تھا۔ اور آپس میں یہ عہد اور حلف کیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب سے خرید و فروخت شادی اور بیاہ کے تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں جب تک محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ شعب ابی طالب اسی مقام کا نام ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ قریش نے کچھ اوباش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کیے ہیں وہ اگر مقابلہ پر آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا۔

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جبل اور سہیل بن عمرو نے مقام خندمہ میں بقصد مقابلہ کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ خالد بن ولید سے مقابلہ ہوا مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے۔ خمیس بن خالد بن ربیعہ اور کرز بن جابر فہری اور مشرکین میں سے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ اٹھے۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔

اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن ولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناة اور کچھ لوگ قبیلہ ہذیل کے اور کچھ اوباش قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے۔ حضرت خالد کے پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہلکے بول دیے۔ خالد بن ولید نے جب

البدلیۃ والنبلیۃ، ج ۲، ص ۲۹۹، ۳۰۰۔ الزرقانی، ج ۲، ص ۳۴۳، فتح الباری ج ۸، ص ۱۶۔

اس روایت کی بنا پر مشرکین میں سے صرف بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد اور واقدی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خمیس یا چوہیں آدمی مارے گئے۔ اور یہی روایت زیادہ مستند ہے اور اقل۔ اکثر کے منافی نہیں اور ممکن ہے کہ متذکرین کی مجموعی تعداد چوہیں ہو اور صرف مقام خندمہ میں بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے ہوں۔ اور باقی دوسرے مقام پر یا بعد اس وقت مارے گئے ہوں۔

ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لاسکے شکست کھا کر بھاگے۔ بنو بکر میں کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ اشخاص میں بھگی پڑ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا، ابوسفیان نے چلا کر کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن سے ہے اور جو شخص اپنا ہاتھ روک لے وہ امن سے ہے۔ آں حضرت ﷺ کی نظر تلواروں کی چمک پر پڑی تو خالد بن ولید کو بلا کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا جرا ہے میں نے تم کو قتال سے منع کیا تھا۔ خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابتداء بالقتال نہیں کی۔ میں نے برابر اپنا ہاتھ روک رکھا، جب میں مجبور ہو گیا اور تلواریں ہم پر چلنے لگیں اس وقت مقابلہ کیا، آپ نے فرمایا (تعا اللہ خیر) اللہ تعالیٰ نے جو مقدور کیا اس میں خیر ہے۔

اس کے بعد امن قائم ہو گیا اور لوگوں کو امن دے دیا اور لوگ مطمئن ہوئے اور فتح مکمل ہو گئی تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

مسجد حرام میں داخلہ

فتح کے بعد آں حضرت ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا دلائل بیہی اور دلائل ابی نعیم میں عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حرم محترم میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اور بت منہ کے بل اوندھے گر جاتے تھے۔

اہم یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن ابن عباس کی حدیث اس کی مؤید ہے۔^۲

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔^۳ حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث کو ضرائی نے روایت کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کو بزار نے بھی مختصر روایت کیا ہے۔^۴

۱ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۹۔ ۲ خصائص الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۲۶۳۔ ۳ فتح الباری، ج: ۱۳، ص: ۸۔

۴ مجمع الزوائد، ج: ۶، ص: ۷۶۔

ابن اسحق اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ بت سیسے سے چپکے ہوئے تھے۔ اسی بارے میں تمیم بن اسد خزاعی نے کہا۔

و فی الاصنام معتبر و علم لمن یرجو الثواب او العقاب ۱

جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اسی حالت میں طواف فرمایا طواف سے فارغ ہو کر عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ کو کھلوا یا۔ دیکھا کہ اس میں تصویریں ہیں ان سب کے منہ کا حکم دیا جب تمام تصویریں مٹا دی گئیں اور آب زمزم سے ان کو دھو دیا۔ اُس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ ۳ اور بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر کر توحید و تکبیر کی آوازوں سے اُس کو منور کیا۔ اس وقت بلال اور اسامہ آپ کے ہمراہ تھے۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے دیکھا کہ مسجد حرام لوگوں سے کھچی کھچ بھری ہوئی ہے نیچے سب منتظر ہیں کہ مجرموں اور دشمنوں کے متعلق کیا حکم دیا جاتا ہے یہ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ تھی، باب کعبہ پر آپ کھڑے ہوئے اور کلید آپ کے ہاتھ میں تھی اس وقت آپ نے یہ خطبہ دیا۔

باب کعبہ پر خطبہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَق وَعْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ الْأَكْلَ مَأْثَرَةُ أَوْدَمٍ أَوْ مَا يَدْعَىٰ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمِي هَاتِيں الْأَسْدَانَةُ الْبَيْتِ وَسُقَايَةِ الْحَاجِّ الْوَقْتِيلِ الْخَطَاءِ شَبَّهَ الْعَمَدَ بِالسُّوْطِ وَالْعَصَافِيهِ الدِّيَةِ مَغْلَظَةً مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَعُونَ مِنْهَا

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی آگاہ ہو جاؤ جو خصلت و عادت خواہ جانی ہو یا نہ ہو جس کا دعویٰ کیا جاسکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ (سب لغو اور باطل ہیں) مگر بیت اللہ کی درباری اور حاجیوں کو زمزم کا پانی پینا یہ خصوصیتیں حسب دستور برقرار ہیں آگاہ ہو جاؤ جو شخص خطبہ قتل کیا

فی بطونها اولادھایا معشر قریش ان اللہ قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیة و تعظمها بالآباء الناس من آدم وادم من تراب ثم تلا هذه الآية یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ ان اللہ علیہم خیرٌ ۝ ثم قال یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم قالوا خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لاختوته لا تشرب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء

(زاد المعاد سیرۃ ابن ہشام و ذرقانی و البدلیہ و النہلیہ ص ۳۰۰ ج ۳ و ص ۳۰۱ ج ۴)

جائے کوڑے یا داٹھی سے اس کی دیت (خون بہا) مغلط ہے سواونٹ ہوں گے جس میں چاہیں حامد اوشتیاں ہوں گی۔ اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اُس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخوں اور خاندانوں پر تقسیم کیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے پھر یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا۔ بھلائی کا۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

عرب میں جو حسب و نسب پر فخر کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا۔ آپ نے اس خطبہ میں

ایہ کہنے والے سہیل بن عمرو تھے جن سے آپ نے سلح حدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں بعد میں چل کر مشرف باسدم ہوئے۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے سہیل بن عمرو نے فی ابد یہ کہہ نقول خیر اظن خیر اخ کریم و ابن اخ کریم و قد قدرت۔ خیر ہی کہتے ہیں اور خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے اور انتقام پر ہر طرح قادر ہیں۔ (اصدہ ترجمہ سہیل بن عمرو)

اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اسلامی مساوات کا جھنڈا نصب کر دیا اور یہ بتلا دیا کہ شرف اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ آں حضرت ﷺ رحمۃ اللعالمین بنا کر ہدایت عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے، آپ کا مقصود ہدایت تھا۔ دشمنوں سے انتقام لینا بادشاہوں کا کام ہے۔

حجابت و سقایت

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کنجی ہم کو عطا فرما دیجئے، تاکہ سقایت زمزم کے ساتھ حجابت بیت اللہ یعنی بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (نساء: ۵۸) امانت والوں کو۔

آپ نے عثمان بن طلحہؓ کو بلا کر کنجی مرحمت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو۔۔ (یعنی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی)

میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔ ۳

بامِ کعبہ پر اذان

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ دین حق کی فتح میں کا یہ عجیب و غریب منظر پہاڑوں کی چوٹیوں سے دیکھ رہے تھے۔

۱۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت عباسؓ نے بھی اس کی بہت کوشش کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا (زاوالعاد: ۱۲)۔
 ۲۔ یعنی موسم حج میں حبیہوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خدمت حضرت عباسؓ اور سوہا شمس کے سپرد تھی۔ ۱۲۔ فتح الباری ج ۸، ص ۱۵، ازرقانی ج ۲، ص ۳۳۷-۳۳۸

اور جو سرداران قریش کفر و شرک کی ذلت اور دین برحق کی عزت کا یہ منظر نہ دیکھ سکے وہ روپوش ہو گئے ابوسفیان اور عتاب و خالد پسران اسید اور حارث بن ہشام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اور دیگر سرداران قریش کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی ان کو دنیا سے اٹھالیا۔ حارث نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ یقین ہو جاتا کہ آپ حق پر ہیں تو ضرور آپ کا اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا میں نہیں کہتا۔ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ سنگریزے آپ کو خبر دیدیں گے۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی جب آپ ادھر سے گزرے تو ان لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے اس کی اطلاع ہو گئی ہے اور انہوں نے جو گفتگو کی تھی وہ سب بیان فرمادی۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لئے کہ ہم میں سے تو کسی نے آپ کو اس امر کی اطلاع نہیں دی (معلوم ہوا کہ اللہ ہی نے بذریعہ وحی اپنے رسول کو ہماری ان باتوں کی خبر دی ہے) (رواہ ابو یعلیٰ عن ابن عباس وابن ابی شیبہ عن ابی سلمۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ)

آں حضرت ﷺ نے عتاب بن اسید کو مسلمان ہو جانے کے بعد مکہ کا والی مقرر فرمایا، عتاب کی عمر اُس وقت اکیس سال کی تھی اور بطور روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا۔ اس پر عتاب نے یہ کہا۔

اَیْہَا النَّاسُ اِجَاعَ اللّٰہُ کَبِدَ مَنْ جَاعَ ۝ اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو علی درہم (روض الانف ص ۶۶ ج ۲) ۝ ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات تک برابر مکہ کے امیر رہے صدیق اکبر جب خیفہ ہوئے تو اُن کو برقرار رکھا جس دن صدیق اکبر کی وفات ہوئی اسی روز عتاب کی وفات ہوئی (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ عتاب بن اسید)

حضرت بلال نے جس وقت باہم کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو ابو محذورہ جی اور چند نوجوان جو اُن کے ساتھ تھے بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔

ابو محذورہ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے ان کی آواز گوش مبارک میں پہنچ گئی حکم ہوا

کہ حاضر کیے جائیں۔ دریافت فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ جس کی آواز میرے کان میں پہنچی ہے سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے سب کو چھوڑ دینے اور ان کے روک لینے کا حکم دیا۔

ابو محذورہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور دل میں یہ گمان غالب تھا کہ میں قتل کیا جاؤں گا آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ اذان دو، بادل نا خواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد آپ نے تھلی عطا کی جس میں کچھ درہم تھے۔ اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور جگر اور شکم پر ناف تک ہاتھ پھیرا اور یہ دُعای باریک اللہ فیک و باریک اللہ علیک۔

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ دست مبارک کا پھیرنا تھا کہ آپ کی تمام غرت یکخت مبدل بہ اُلفت ہوگئی۔ اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اب میں نے خود عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر کیا۔ میں نے آکر عتاب بن اسید امیر مکہ کو اس کی اطلاع دی۔ اور آپ کے حکم کے مطابق اذان دینے لگا۔ مدۃ العمر مکہ میں مقیم رہے اور اذان دیتے رہے ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ)

سہیلی فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ جس وقت مؤذن مقرر ہوئے اس وقت اُن کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وفات تک مکہ کے مؤذن رہے اور وفات کے بعد اُن کی اولاد نسلاً بعد نسل ان کی اذان کی وارث ہوتی رہی۔

ایک شاعر ابو محذورہ کی اذان کے بارے میں کہتا ہے۔

اما ورب الکعبة المستورة وما تلا محمد من سورة

قسم ہے رب کعبہ کی جس پر غلاف پڑا ہوا ہے اور قسم ہے قرآن کی سورتوں کی جن کی محمد ﷺ نے تلاوت کی۔

والنعمات من ابی محذورہ لافعلن فعلة مذکورة

اور قسم ہے ابو محذورہ کے نعمہائے اذان کی میں فلاں کام ضرور کروں گا۔ ۲

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو محذورہ فتح مکہ کے بعد مؤذن مقرر ہوئے وراثت روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبین سے واپسی کے حد آپ نے ان کو مؤذن مقرر فرمایا۔ واللہ اعلم۔ ۲روض الاف، ج ۲ ص ۲۷۷

آں حضرت ﷺ طواف سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کیئے ہوئے دست بدعاء اور مشغول حمد و ثناء رہے، دامن میں انصار کا مجمع تھا اسی اثناء میں بعض انصار کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور آپ کی زمین فتح کر دی ہے، مبادا ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں اور مکہ میں رہ پڑیں اور مدینہ تشریف نہ لیجائیں اور آپس میں کچھ کہنے سننے لگے اسی وقت آپ پر وحی کے آثار نمودار ہو گئے۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ نزول وحی کے دوران کوئی شخص آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا۔ اے گروہ انصار تم نے یہ کہا ہے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خوب سمجھ لو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے تمہاری زندگی میری زندگی ہے اور تمہاری موت میری موت ہے۔ یہ سن کر انصار جاں نثار کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ نصیب دشمنان جس شمع کے ہم پر دانے ہیں وہ شمع ہماری محفل سے نہ اٹھالی جائے۔ ہم غلامانِ جاں نثار اور خادمانِ وفا شعار ہر قسم کے ایثار کیلئے تیار ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں انتہائی بخیل ہیں۔

باسایہ ترانمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی
آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کا رسول تم کو معذور اور سچا سمجھتے ہیں۔ (رواہ مسلم و احمد وغیرہما عن ابی ہریرۃ) زرقانی ص ۳۳۳ ج ۲۔ البدیۃ والنہیۃ ص ۳۰۶ ج ۴ تا ص ۳۰۷ ج ۴۔

مردوں اور عورتوں سے بیعت

دعاء سے فارغ ہونے کے بعد آں حضرت ﷺ کوہ صفا پر بیٹھ گئے لوگ بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ اسلام پر اور خدا اور رسول کی اطاعت پر بیعت لینے لگے۔ مردوں سے فقط اسلام پر اور حسب استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے اور بعض روایات میں ہے کہ مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے مردوں کی بیعت سے جب

فراغت پائی تو عورتوں سے بیعت لینے لگے۔ عورتوں سے ان امور پر بیعت لی کہ جو بیعت النساء کی آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۤءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَا يَعْهَدْنَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

آں حضرت ﷺ عورتوں سے جو بیعت فرماتے وہ محض زبان سے ہوتی تھی آپ کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا اور نہ کسی عورت سے کبھی آپ نے مصافحہ فرمایا بلکہ کپڑے کے ذریعہ بیعت کرتے تھے کہ کپڑے کا ایک کونہ حضور پر نور کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کپڑے کا دوسرا کونہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگالیتے اور اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر نکال لیتے اور پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ تم بھی اس پیالہ میں اپنے ہاتھ ڈال لو تو عورتیں بھی اپنا ہاتھ اس پیالہ میں ڈال کر تر کر لیتیں۔ اس طرح بیعت پختہ ہو جاتی۔ تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی سورہ ممتحنہ ص ۷۱ ج ۱۸ کی مراجعت کریں۔ کن کن عورتوں نے بیعت کی۔ تاریخ ابن الاثیر ص ۶۶ ج ۲ کو دیکھیں۔

ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں کی بیعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریش کی جو عورتیں اس وقت بیعت کے لئے حاضر ہوئیں ان میں یہ چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) ام ہانی بنت ابی طالب یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن۔

(۲) ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ زوجہ عمرو بن عبدود ع مری۔

(۳) روئی بنت ابی العیص۔ یعنی عتاب بن اسید کی پھوپھی۔

(۴) عاتکہ بنت ابی العیص۔ یعنی اروی کی بہن۔

(۵) ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان و والدہ امیر معاویہ۔

ہندہ جب بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو چہرہ پر نقاب ڈال کر حاضر ہوئیں چونکہ ہندہ

نے حضرت حمزہ کو قتل کرایا تھا اور اُن کا سینہ چاک کر کے اُن کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس لئے حیا اور ندامت کی بنا پر منہ چھپا کر بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، تاکہ کوئی پہچان نہ سکے اُن کی بیعت کا قصہ حسب ذیل ہے۔

(ہندہ)۔ یا رسول اللہ آپ ہم سے کن چیزوں کا عہد اور میثاق لیتے ہیں۔

(رسول اللہ ﷺ) خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

(ہندہ)۔ یا رسول اللہ۔ آپ ہم سے ان باتوں کا عہد لیتے ہیں کہ جن کا آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ لیکن ہم کو یہ منظور ہے۔

(رسول اللہ ﷺ) اور یہ کہ چوری نہ کریں۔

(ہندہ)۔ میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں معلوم نہیں کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں۔ ابوسفیان اس وقت وہیں موجود تھے، ابوسفیان نے کہا کہ جو گزر گیا وہ معاف ہے۔ (رسول اللہ ﷺ) نے فرمایا کہ بقدر ضرورت اور بقدر کفایت شوہر کے مال سے لے سکتی ہے کہ عرف اور دستور میں تجھ کو اور تیرے بچوں کی ضرورت کو کفایت کر سکے۔

(رسول اللہ ﷺ) اور زنا نہ کرنا۔

(ہندہ) کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے۔

(رسول اللہ ﷺ) اولاد کو قتل نہ کرنا۔

(ہندہ) ربینا ہم صغار او قتلنا ہم یوم بلر کبار افاقت و ہم اعلم ہم نے ان کو بچپن میں پالا اور آپ نے ان کو جب بدمر میں مارا پس آپ اور وہ جانیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر ہنس پڑے۔

(رسول اللہ ﷺ) اور کسی پر بہتان نہ لگانا۔

(ہندہ)۔ وَاللّٰہ ان اتیان البہتان لقیح وَمَا نَا مَرْنَا الا بِالرشد و مکارم الاخلاق خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی برا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور سوائے مکارم اخلاق کسی چیز کا حکم نہیں دیتے۔

(رسول اللہ ﷺ) نے حضرت عمر سے فرمایا کہ ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے

بعد آپ نے اُن کے لئے دعاء مغفرت کی۔

ہندہ نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ اسدم سے پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔

دوسرا خطبہ

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن ایک خزانے نے ایک ہذلی مشرک کو مار ڈالا۔ اس حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

یا ایہا الناس ان الله حرم مكة
يوم خلق السموات والارض
فهى حرام الى يوم القيامة فلا
يحل لامرى يؤمن بالله
واليوم الاخر ان يسفك فيها
دما ولا يعضد فيها شجراً ولم
تحلل لاحد كان قبلى ولا
تحل لاحد يكون بعدى ولم
تحلل لى الا هذه الساعة
غضبنا على اهلها الا ثم قد
رجعت كحرمتها بالامس
فليبلغ الشاهد منكم الغائب
فمن قال لكم ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قاتل
فيها فقولوا ان الله قد احلها
لرسوله ولم يحللها لكم يا

اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے جس روز
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام
اور محترم پیدا کیا پس وہ قیامت تک حرام اور
محترم رہے گا پس کسی شخص کیلئے جو اللہ اور روز
قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں
کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی
درخت کا کاٹنا جائز ہے، مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی
کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے
لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف اسی
ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال کیا گیا۔
اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور
آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی
ہوگئی جیسا کہ کل تھی۔ پس تم میں سے جو حاضر
ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو
غائب ہیں پس تم میں سے جو شخص یہ کہے

معشر خزاعة ارفعوا ايديكم
عن القتل فلقد كثر القتل لقد
قتلتم قتيلا لا دينه فمن قتل
بعد مقامى هذا فاهله بخير
النظرين ان شاؤ اقدم قاتله وان
شاء وافعله

کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قتال کیا تو تم
اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے
صرف اپنے رسول کے لئے مکہ کو کچھ وقت
کے لئے حلال کر دیا اور تمہارے لئے حلال
نہیں کیا اے گروہ خزاعہ قتل سے اپنے ہاتھوں
کو اٹھاؤ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا جس کی
دیت (خونبہا) میں دوں گا جو شخص آج کے
بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھرولوں
کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا یا
تو خون کے بدلے قتل کا خون لے لیں یا
مقتول کی دیت (خونبہا) لے لیں۔

بعد ازاں آپ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس سے سوانٹ اس شخص کی دیت ادا فرمائی
جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔

مہاجرین کے متروکہ مکانات کی واپسی کا مسئلہ

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانات اور جائیداد اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب
آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے، ہنوز باب کعبہ پر کھڑے ہوئے تھے کہ ابو احمد بن جحش اٹھے اور
اپنے اس مکان کی واپسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہا جس کو ابوسفیان نے ان کی ہجرت کے
بعد چار سو دینار میں فروخت کر لیا تھا۔ آپ نے ان کو بلا کر کچھ آہستہ سے فرمایا، سنتے ہی ابو
احمد بن جحش خاموش ہو گئے اس کے بعد جب ابو جحش سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ
ﷺ نے تم سے کیا کہا تھا۔ ابو احمد نے کہا آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا اگر تو صبر کرے تو
تیرے لئے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضہ میں تجھ کو بخت میں ایک مکان مل جائے گا، میں نے
عرض کیا میں صبر کروں گا۔

ان کے علاوہ اور بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ اُن کے مکانات ان کو دلائے جائیں آپ نے فرمایا تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے اور جو گھر اللہ اور اُس کے رسول کے لئے چھوڑ چکے تھے پھر اُس کی واپسی کا کوئی حرف زبان پر نہیں آیا اور جس مکان میں آں حضرت ﷺ پیدا ہوئے اور جس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی آپ نے اس کا ذکر تک نہیں فرمایا۔

عفو عام کے بعد مجرمان خاص کے متعلق احکام

فتح مکہ کے دن آپ نے عفو عام کا اعلان کر دیا۔ جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے اور جنہوں نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور جو ہمیشہ آپ سے برسرِ پیکار رہے اور جنہوں نے آپ کی ایڑیوں کو بولہبان کیا تھا سب کو معافی دے دی گئی۔ مگر چند اشخاص جو بارگاہِ نبوی میں غایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے اُن کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیئے جائیں ایسے لوگوں کے متعلق خداوند ذوالجلال کا یہی حکم ہے۔

مَلْعُونِينَ اَيْنَمَا يَفْقُوهَا اخِذُوا
وَقَتِلُوا تَقْتِيلًا سُنَّةَ اللَّهِ فِي
الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

یہ ملعون جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسا کہ گزشتہ مفسدین کے بارے میں اللہ کی سنت ہے اور اللہ کے آئین اور عادت میں کوئی تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔

پیغمبر خدا کی توقیر و تعظیم اور اس کی نصرت و حمایت تمام اُمت پر فرض ہے، اس کی بے حرمتی دین الہی کی بے حرمتی ہے، قال تعالیٰ۔ اِنْ شَاءَ تَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

وقال تعالى 'وَاِنْ نَكُثُوْا اَيْمَانَهُمْ
مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اَيُّمَةَ الْكُفْرِ
اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو ان پیشوایان کفر سے قتل کرو ان کی قسمیں چھ نہیں تاکہ اس قسم کی شرارتوں سے باز جائیں کیوں نہیں

يَنْتَهُونَ ۝ اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا ۚ جَنَک کرتے تم ان لوگوں سے جنہوں نے
 نَكُتُوا اِيْمَانَهُمْ وَهُمْ اَوْ يَاخِرَاج ۚ اپنی قسموں کو توڑا اور فکر کی پیغمبر کے نکالنے کی
 الرُّسُوْلُ وَهُمْ بَدُّوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ اور عہد شکنی میں ابتداء کی۔ کیا ان لوگوں سے
 اَتَخْشَوْنَهُمْ جَ فَاِنَّهُ اَحَقُّ اَنْ ۚ ڈرتے ہو صرف خداوند ذوالجلال سے تم کو
 تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۔ ڈرنا چاہئے اگر تم سچے مومن ہو۔

یعنی جن لوگوں نے پیغمبر کے نکالنے کا فقط ارادہ اور قصد ہی کیا اُن کے قتال میں اہل
 ایمان کو ذرہ برابر تامل نہ ہونا چاہیے ان کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی ساز و سامان سے
 خائف نہ ہوں صرف اللہ سے ڈریں اور اُس کے رسول کی نصرت و حمایت میں جان اور مال
 جو کچھ بھی درکار ہو اس سے دریغ نہ کریں اور یہ امر اہل عقل پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ
 سب و شتم استہزاء اور تمسخر گستاخی اور دریدہ دہنی کا جرم نکال دینے کے جرم سے کہیں زیادہ سخت
 ہے۔ حکومت اپنے سخت سے سخت مجرم کو معافی دے سکتی ہے لیکن ملک معظم اور وائسرائے کی
 شان میں گستاخی اور دریدہ دہنی کرنے والے سے ایک لمحہ کے بے اغماض نہیں کر سکتی۔ اس
 میں حکومت کے بے حرمتی اور بے وقعتی ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر کی توہین اور بے حرمتی ساری امت کی توہین اور بے حرمتی ہے۔ لہذا ہر
 امتی کا فرض ہے کہ جب آپ کی شان میں گستاخی سُنے تو فوراً اُس کی جان لے لے یا اپنی
 جان دیدے۔

تَشْتُم اِيْدِيْنَا وَيَحْلُم رَاٰیْنَا ۚ وَنَشْتُم بِالْاَفْعَالِ لَا بِالْتَكْلَمِ
 ہمارے ہاتھ گالیاں دیتے ہیں اور ہماری رائے اور عقل صدم اور بردباری کرتا ہے۔ ہم عمل سے
 گالیاں دیتے ہیں زبان سے نہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالک سے نبی اکرم ﷺ
 کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔

مَا بَقَاءُ الْاُمَّةِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِيِّهَا ۚ اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے پیغمبر کو
 گالیاں دیجائیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانی قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ (آمین) کے زمانہ میں ایک نصرانی نے آں حضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی تو امام موصوف نے چھ سو صفحہ کی ایک ضخیم کتاب فقط اسی موضوع پر تصنیف فرمائی اور الصارم المسلول علی شتم الرسول! اس کا نام رکھا جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ و تابعین اور تعامل خفاء راشدین اور عقلی دلایل و براہین سے شاتم رسول کا واجب القتل ہونا ثابت کیا ہے جزا اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیر آمین۔

الحاصل

جن لوگوں کے متعلق اس حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں تقریباً وہ پندرہ سولہ تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اول: (عبداللہ بن نطل) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے ایک منزل پر پہنچ کر ابن نطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو ابن نطل نے دیکھا کہ اس نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا غصہ میں آ کر اس غلام کو قتل کر ڈالا بعد میں خیال آیا کہ آں حضرت ﷺ ضرور مجھ کو اس کے قصاص میں قتل کریں گے مرتد ہو کر مکہ چلا آیا اور مشرکین میں جا مد اور صدقات کے اونٹ بھی ساتھ لے گیا۔ آپ کی بجو میں شعر کہتا تھا اور باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا حکم دیتا، پس اس کے تین جرم تھے۔ ایک خون ناحق۔ دوسرا مرتد ہو جانا۔ تیسرا جرم یہ کہ آپ کی بجو میں شعر کہنا۔ ابن نطل فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ ابن نطل بیت اللہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا وہیں قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ اسلمی اور سعد بن حریث نے وہیں جا کر قتل کیا۔ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی گردن اڑائی گئی۔

(الصارم المسلول ص ۶۳۳ و زرقانی ص ۳۱۴ ج ۲)

دوم و سوم: فرتی اور قرینہ یہ دونوں ابن نطل کی لونڈیاں تھیں شب و روز آپ کی بجو

گاتی رہتی تھیں۔ مشرکین مکہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور یہ دونوں آپ کی بجو میں اشعار پڑھتی اور گاتی بجاتی۔ ایک ان میں سے ماری گئی اور دوسری نے امن کی درخواست کی اس کو امن دے دیا گیا۔ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

چہارم: (سارہ) بنی المطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی آپ کی بجو گایا کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ قتل کی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام لے آئی اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت تک زندہ رہی اور یہی وہ عورت تھی کہ جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی۔

پنجم: (خویرث بن نفید) یہ شاعر تھا اور رسول اللہ ﷺ کی بجو میں شعر کہتا تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کیا۔

ششم: (مقیس بن صبابہ) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ غزوہ ذی قرد میں ایک انصاری نے اُس کے بھائی ہشام کو دشمنوں میں سے سمجھ کر غلطی سے قتل کر دیا۔ اُس حضرت ﷺ نے دیت دلانے کا حکم دیا۔ مقیس نے دیت لینے کے بعد انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ نے اُس کا خون مباح کیا۔ نمیلہ بن عبد اللہ لیشی نے اس کو قتل کیا۔ ۳۔ مقیس بن صبابہ۔ بازار میں جاتا ہوا گرفتار ہوا مارا گیا۔ ۴۔

ہفتم: (عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح) یہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے کاتب الوحی تھے، مرتد ہو کر کفار سے جا ملے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی تھے فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمان ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ، عبد اللہ حاضر ہے، اس سے بھی بیعت لے لیجئے۔ آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ بالآخر جب حضرت عثمان نے آپ سے کئی بار درخواست کی تو آپ نے ابن ابی سرح سے بیعت لے لی اور اسلام قبول فرمایا۔ اس طرح اُن کی جان بخشی ہوئی بعد میں صحابہ سے فرمایا کہ تم میں کوئی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبد اللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا، اُٹھ کر اس کو قتل کر

ڈالتا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس وقت کوئی اشارہ کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے کہا نبی کے لئے اشارہ بازی زیبا نہیں۔

اس مرتبہ عبداللہ بن ابی سرح نہایت سچائی کے ساتھ اسلام لائے اور کوئی بات بعد میں ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مصر وغیرہ کے والی اور حاکم رہے اور حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت ۲۷ھ تا ۳۵ھ میں افریقہ کی فتح کا سہرا انہیں کے سر رہا اور مال غنیمت جب تقسیم ہوا تو ایک ایک شخص کے حصہ میں تین تین ہزار دینار آئے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل علیحدہ رہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ میں سے کسی کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کی حضرت معاویہ کی اخیر زمانہ امارت میں عسقلان میں وفات پائی وفات کا عجیب واقعہ ہے ایک روز صبح کو اٹھے اور یہ دعا مانگی۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ آخِرَ عَمَلِي ۝ اے اللہ میرا آخری عمل صبح کے وقت ہو۔
الصباح

وضو کی اور نماز پڑھائی، دائیں جانب سلام پھیر کر بائیں جانب سلام پھیرنا چاہتے تھے کہ رُوح عالم بالا کو پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔

ہشتم: (عکرمہ بن ابی جہل) یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے کہ جن کا خون فتح مکہ کے دن آپ نے مباح کیا تھا۔ عکرمہ ابو جہل کے فرزند تھے، باپ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے، عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام اسلم لے آئیں اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے لئے امن کی درخواست کی رحمت عالم اور غفور مجتہد ﷺ نے فرزند ابی جہل کے لئے امان کی درخواست کو فوراً منظور فرمالیا۔

عکرمہ بھاگ کر یمن کے ساحل پر پہنچے کشتی پر سوار ہو گئے کشتی کا چلن تھا کہ تند ہواؤں نے آکر کشتی کو گھیر لیا۔ عکرمہ نے لات اور عزی کو مدد کے لئے پکارا کشتی والوں نے کہا اس وقت لات اور عزی کچھ کام نہ دیں گے۔ ایک خدا کو پکارو۔ عکرمہ نے کہا خدا کی قسم اگر دریا

میں کوئی چیز خدا کے سوا کام نہیں آسکتی تو سمجھ لو کہ خشکی میں بھی سوائے خدا کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اسی وقت سچے دل سے خدا کے ساتھ یہ عہد کر لیا۔

اللّٰهُمَّ لَكَ عَهْدُ اِنْ عَافَيْتَنِي
مَعَا اَنَا فِيهِ اِنْ اَتَى مُحَمَّدًا حَتّٰى
اَضَعَ يَدِيْ فِيْ يَدِهِ فَلَا جِدْنَهٗ
عَفَوْا غَفْوَرًا كَرِيْمًا۔
(رواہ ابوداؤد والنسائی)
اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر
تو نے اس پریشانی سے نجات بخشی تو ضرور محمد
رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ
ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً اُن کو بڑا
معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا اور مہربان
پاؤں گا۔

ادھر سے عکرمہ کی بیوی ام حکیم پہنچ گئیں اور کہا:

يَا اِبْنَ عَمِّ جَسْتِكَ مِنْ عِنْدِ
اِبْرَ النَّاسِ وَ اَوْصِلِ النَّاسِ وَ
خَيْرِ النَّاسِ لَا تَهْلِكْ نَفْسُكَ
اِنِّيْ قَدْ اسْتَأْمَنْتُ لَكَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ﷺ
اے ابن عم میں سب سے زیادہ نیکو کار اور سب
سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب میں
بہتر شخص کے پاس سے آئی ہوں تو اپنے آپ
کو ہلاک مت کر میں نے تیرے لئے رسول
اللہ ﷺ سے امان حاصل کیا ہے۔

یہ سن کر عکرمہ ام حکیم کے ساتھ ساتھ بولیا۔ راستہ میں مباشرت کا ارادہ کیا۔ ام حکیم نے کہا
ابھی تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں عکرمہ نے کہا کسی بڑی شئی نے تجھ کو روکا ہے اور یہ کہہ کر مکہ کا
قصد کیا اور آں حضرت ﷺ نے عکرمہ کے پہنچنے سے پہلے ہی صبح سے منیٰ طیب ہو کر فرمایا:

يَا تَيْكُم عَكْرَمَةُ مُؤْمِنًا فَلَا
تَسْبُوْا اَبَاہٖ فَاِنْ سَبَّ الْحَمِيْتُ
يُوْذِي الْحَيٰ
عکرمہ مؤمن ہو کر آ رہا ہے لہذا اس کے باپ
کو بُرا نہ کہنہ مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف
ہوتی ہے۔

عکرمہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بیوی ساتھ تھی وہ
نقاب ڈالے ہوئے ایک طرف کھڑی ہو گئی اور عرض کیا کہ یہ میری بیوی حاضر ہے۔ اس نے
مجھ کو خبر دی ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اُس نے سچ کہا تجھ کو امان ہے،

عکرمہ نے کہا آپؐ کس چیز کی طرف بدلتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس امر کی شہادت دو کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اس کے علاوہ اور چند خصال اسلام کی تلقین فرمائی۔ عکرمہ نے کہا

قد كنت تدعو الى خير وامر بـ شكـ آپؐ نے خیر اور مستحسن اور پسندیدہ حسن جمیل قد كنت فينا يا امرہی کی طرف دعوت دی ہے اور یا رسول رسول اللہ قبل ان تدعونا اللہ اس دعوت حق سے پیشتر بھی آپؐ ہم میں وانت اصدقنا حديثا وابرنا سب سے زیادہ سچے اور نیکو کار تھے۔

اور اس کے بعد کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ کلمہ شہادت کے بعد عکرمہ نے کہا کہ میں اللہ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میں مسلمان اور مجاہد اور مہاجر ہوں۔

اور یا رسول اللہ آپؐ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپؐ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ آپؐ نے عکرمہ کے لئے دعا، مغفرت فرمائی، عکرمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ قسم ہے خداوند ذوالجلال کی جو خرچ میں نے خدا کی راہ سے روکنے کے لئے کیا اب میں خدا کی راہ میں بلانے کے لئے اس سے دو چند خرچ کروں گا۔ اور جس قدر قتال خدا اور اُس کے رسول کے خلاف میں نے کیا ہے اُس سے دو چند قتال خداوند ذوالجلال کی راہ میں کروں گا اور جس جس مقام پر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہے اُس اُس مقام پر جا کر لوگوں کو اللہ کی طرف بڑاؤں گا۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر روانہ کیئے تو ان میں ایک لشکر کے سردار عکرمہ تھے۔ الغرض باقی ساری عمر خدا اور اُس کے رسول کے دشمنوں سے جہاد اور قتال میں گزاری۔ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار یہ فرمایا کہ میں نے خواب میں بوجہل کے لئے جنت میں ایک خوشہ دیکھا۔ جب عکرمہ مسلمان ہوئے تو آپؐ نے ام سلمہ سے فرمایا اُس خواب کی تعبیر یہ ہے (اصابہ ترجمہ عکرمہ)

عکرمہ کی، مسلمان ہونے کے بعد یہ حالت تھی کہ جب تلاوت کے لئے بیٹھتے اور قرآن کریم کو کھولتے تو روتے اور غشی کی کیفیت ہوتی اور بار بار یہ کہتے تھا کلام ربی یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ میں عکرمہ کے ہاتھ سے ایک مسلمان شہید ہوا جب آپ کو یہ خبر دی گئی تو مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ہی جنت میں ہیں۔^۱ اشارہ اس طرف تھا کہ عکرمہ فی الحال اگرچہ کافر ہیں لیکن عنقریب اسلام میں داخل ہوں گے۔

نہم: (ہبار بن الاسود) اس کا جرم یہ تھا کہ مسلمانوں کو بہت ایذا میں پہنچاتا تھا۔ آپ کی صاحب زادی حضرت زینب زوجہ ابوعاص بن ربیع جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جاری تھیں تو ہبار بن اسود نے مع چند اوباشوں کے جا کر راستہ میں حضرت زینب کے ایک نیزہ مارا جس سے وہ ایک ہتھ پر گر پڑیں۔ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

فتح مکہ کے دن آپ نے ہبار کا خون مباح فرمایا تھا۔ جب آپ جعرانہ سے واپس ہوئے تو ہبار حاضر خدمت ہوئے اور آکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہبار بن اسود ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ہبار کی طرف اٹھنے کا قصد کیا تو آپ نے اشارہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بن اسود نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ ! سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَقَدْ هَرَبْتُ مِنْكَ فِي الْبِلَادِ وَارْدَتِ الْحَقَ بِالْأَعَاجِمِ ثُمَّ ذَكَرْتُ عَائِدَتَكَ وَصَلَتَكَ وَصَفْحَكَ عَمَّنْ جَهِلَ عَلَيْكَ وَكُنَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَهْلَ شِرْكَ فَهَدَانَا اللَّهُ بِكَ وَانْقَذَانَا مِنَ الْهَلَكَةِ فَاصْفَحْ عَنَّا

جہلی وعما کان یبلغک عنی فانی مقر بسوء فعلی معترف
بذنبی فقال رسول اللہ ﷺ قد عفوت عنک وقد احسن اللہ
الیک اذھدک للاسلام والاسلام یجب ما قبلہ ۱

دہم: (وحشی بن حرب) قاتل سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس کا مفصل
قصہ غزوہ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے) بھاگ کر طائف پہنچے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ
حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور قصور کی معافی چاہی۔

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب میلہ کذاب کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ کیا
تو ان میں وحشی بھی تھے، جس حربہ سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا وہ ساتھ تھا، اسی حربہ سے
میلہ کذاب کو واصل جہنم کیا اور یہ کہا کرتے تھے کہ اسی حربہ سے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور
اسی حربہ سے شر الناس کو قتل کیا ہے۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ وحشی بن حرب) ۲

یازدہم: (کعب بن زہیر) مشہور شاعر ہیں، آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔
حاکم کہتے ہیں کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ جن کا خون آپ نے فتح مکہ کے دن ہدر
کیا تھا یہ مکہ سے بھاگ گئے تھے، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور
آپ کی مدح میں قصیدہ کیا جو ”بانت سعاد“ کے نام سے مشہور ہے۔ ۳

آں حضرت یحییٰ بن زکریا ان سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر عنایت فرمائی۔
دوازدهم: (حارث بن ظالم) یہ شخص آں حضرت یحییٰ بن زکریا کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ
کے دن حضرت علی نے اس کو قتل کیا۔ ۴

سیزدهم: (عبداللہ بن زہری) یہ بڑے زبردست شاعر تھے آں حضرت یحییٰ بن زکریا کی
ہجو اور مذمت میں شعر کہا کرتے تھے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فتح مکہ کے دن ابن زہری کے قتل کا حکم دیا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے، بعد میں تائب ہو کر
حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے اور معذرت میں اشعار کہے۔ ۵

یا رسول الملک ان لسانی راتی ما فتئت اذ انا بُور
اے اللہ کے رسول میری زبان اُس نقصان کو جبر کر دیگی جو میں نے اپنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں پہنچایا ہے۔

اَمِنَ اللَّحْمُ وَالْعِظَامُ بِرَبِّي ثُمَّ قَلْبِي الشَّهِيدُ اَنْتَ الْنَذِيرُ
میرا گوشت اور میری ہڈیاں پروردگار پر ایمان لے آئیں، پھر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ خدا کے بشیر و نذیر ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

چہار دہم: (ہمیرۃ بن ابی وہب مخزومی) یہ بھی انہیں شعراء میں سے تھا جو آپ کی جگو میں شعر کہا کرتے تھے فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔ (سیرۃ ابن ہشام۔ اصحابہ ترجمہ ہند بنت ابی طالب جو ام ہانی کی کنیت سے مشہور ہیں ہمیرۃ بن ابی وہب کی بیوی تھیں)!

پانزدہم: (ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان) یہ وہی ہندہ ہے کہ جس نے معرکہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ ہندہ بھی انہیں عورتوں میں داخل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن جن کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ہندہ آں حضرت کو بہت ایذا دیتی تھی۔ ہندہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کیا۔ اور گھر جا کر تمام بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہ کہا خدا کی قسم تمہاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے۔

یہ پندرہ اشخاص ناقابل عفو مجرم تھے، ان کا جرم نہایت سنگین تھا جس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کو امن ملا۔ اور جو اپنی بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا وہ قتل ہوا۔

اب ہم اس کے بعد ان چند معززین قریش کا ذکر کرتے ہیں کہ جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔

اسلام ابی قحافہ

(یعنی ابوبکر صدیقؓ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کے مسلمان ہونے کا واقعہ)
 آں حضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ابوبکر صدیق اپنے بوڑھے باپ کو
 لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے بٹھلا دیا آپ نے فرمایا:
 ہلا ترکت الشیخ فی بیتہ اے ابوبکر تو نے اس بوڑھے کو گھر ہی میں
 حتی اکون انا آتیہ فیہ کیوں نہ رہنے دیا میں خود ہی اس کے پاس
 آجاتا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔
 یا رسول اللہ ہوا حق ان یا رسول اللہ بجائے اس کے کہ آپ چل کر
 یحشی الیک من ان تمشی میرے باپ کے پاس جائیں بہتر یہی ہے
 الیہ انت کہ میرا باپ خود پیادہ چل کر آپ کی
 خدمت میں حاضر ہو۔

بعد ازاں آپ نے ابو قحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور اسلام کی تلقین کی۔ ابو قحافہ
 نے اسلام قبول کیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے تمام چہرہ اور سر سفید تھا۔ آپ نے خضاب کیلئے ارشاد
 فرمایا اور یہ تاکید فرمادی کہ سیاہی سے بالکل دور رکھنا۔ یعنی سیاہ خضاب ہرگز استعمال نہ کرنا۔
 علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ جب ابو قحافہ اسلام لے آئے تو آں حضرت ﷺ
 نے ابوبکر صدیق و مبارک باد دی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اُس
 ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ ابوطالب اگر اسلام لے آتے تو میری
 آنکھیں زیادہ ٹھنڈی ہوتیں۔

اسلام صفوان بن امیہ

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھے جو دو سخا میں مشہور تھے فیاضی اور مہمان
 نوازی میں یہ گھرانہ ممتاز تھا۔ ان کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا۔ فتح مکہ کے دن

صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ اُن کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر صفوان کے لئے امن کی درخواست کی آپ نے امان دیا اور بطور علامت اپنا علمہ یا چادر بھی عنایت فرمائی۔ عمیر جا کر ان کو جدہ سے واپس لائے۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے محمد! عمیر یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھ کو امن دیا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ صفوان نے کہا مجھ کو سوچنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے، آپ نے فرمایا تجھ کو چار مہینے کی مہلت ہے فی الحال مسلمان نہیں ہوئے۔

مگر غزوہ حنین میں آپ کے ہمراہ رہے، آپ نے کچھ زر ہیں ان سے بطور عاریت لیں۔ حنین میں پہنچ کر ان کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

لان یربنی رجل من قریش : قریش میں کا کوئی شخص میری تربیت کرے وہ
احب الی من ان یربنی رجل : میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس سے کہ
من ہوازن : قبیلہ ہوازن کا کوئی آدمی میری تربیت کرے۔

حنین سے واپسی میں آپ نے صفوان کو بے شمار بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان نے ان بکریوں کو دیکھ کر کہا۔ خدا کی قسم اتنی سخاوت سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا اور مسلمان ہو گئے۔ (استیعاب و اصحاب ترجمہ صفوان بن امیہ)

اسلام سہیل بن عمرو

آپ مکہ کے اشرف اور سادات میں سے تھے خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ صلح حدیبیہ میں انہیں کو آتے دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا۔

قد سهل من امرکم : اب تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔

فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہ نبوت میں بھیجا کہ جا کر آپ سے میرے لئے امن حاصل کرے، آپ نے اس کو امن دیا اور صحابہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

من لقی سہیل بن عمرو فلا یبعد الیہ النظر فلعمری ان سہیلا لہ عقل و شرف و ما مثل سہیل یجہل الاسلام
جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز
نظروں سے نہ دیکھے، قسم ہے میری زندگی کی
تحقیق سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے، سہیل
جیسا شخص اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ
سکتا۔

سہیل نے فی الحال اسلام قبول نہیں کیا۔ غزوہ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جعرانہ
میں مشرف باسلام ہوئے۔

اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے اسی قدر اب مسلمانوں
کے ساتھ ہو کر جنگ کروں گا اور جتنا مال مشرکین پر خرچ کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں پر خرچ
کروں گا۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ پر لوگوں کا مجمع تھا ملاقات کے منتظر تھے۔
سہیل بن عمرو، ابوسفیان بن حرب اور دیگر مشائخ قریش بھی موجود تھے۔ دربان نے جب
اطلاع کی تو صہیب اور بلال اور دیگر اہل بدر کو اندر بلا لیا گیا۔ اور سہیل اور ابوسفیان اور مشائخ
قریش کو چھوڑ دیا گیا۔ ابوسفیان نے کہا آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔
غلاموں کو تو بلایا جا رہا ہے اور ہماری طرف التفات بھی نہیں۔ اس موقع پر سہیل نے جو
عاقلانہ اور دانشمندانہ جواب دیا وہ دلوں کی تختیوں پر کندہ کرانے کے قابل ہے۔ سہیل نے ابو
سفیان اور دیگر مشائخ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔

اے قوم خدا کی قسم ناگواری اور غصہ کے آثار تمہارے چہروں پر نمایاں دیکھ رہا ہوں
بجائے اس کے کہ تم دوسروں پر غصہ کرو تم کو خود اپنے نفسوں پر غصہ کرنا چاہئے اس لئے کہ
دین حق کی دعوت ان لوگوں کو بھی دی گئی اور تم کو بھی یہ لوگ سنتے ہی دوڑ پڑے اور تم نے پس
و پیش کی اور پیچھے رہے۔ خدا کی قسم جس شرف اور فضیلت کو یہ لوگ لے دوڑے تمہارا اس
شرف سے محروم رہ جانا میرے نزدیک اس دروازہ کی محرومی سے کہیں زیادہ سخت ہے جس پر تم
آج رشک کر رہے ہو۔ اے قوم یہ لوگ تم سے سبقت لے گئے جو تمہاری نظروں کے سامنے

ہیں اور تمہارے لئے اس شرف اور فضیلت کے حاصل ہونے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اس کھوئے ہوئے شرف کے تدارک اور تلافی کی اگر کوئی صورت ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کی راہ میں جہاد اور سرفروشی ہے۔ اس کے لئے تیار ہو جاؤ عجب نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو شہادت کی دولت و نعمت سے مالا مال فرمائے۔

سہیل نے اپنی تقریر دلپذیر کو ختم کیا اور دامن جھاڑ کر اسی وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور مع خاندان اور اہل و عیال کے رومیوں سے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ طاعون عمواس میں وفات پائی۔ بہر حال مقصد ہر صورت میں حاصل ہے، طاعون کی موت بھی شہادت ہے۔ (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اسلام عتبہ و معتبہ پسران ابی لہب

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لائے تو مجھ سے یہ فرمایا کہ تمہارے دونوں بھتیجے عتبہ و معتبہ پسران ابی لہب کہاں ہیں وہ مجھے دکھائی نہیں دیئے آخر وہ دونوں کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ جو مشرکین قریش روپوش ہو گئے ہیں انہیں کے ساتھ یہ دونوں بھی کہیں دور چلے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں آپ کے ارشاد کے مطابق سوار ہو کر مقام عرنہ گیا اور وہاں سے دونوں کو اپنے ساتھ لایا۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ کے قریب ملتزم پر آئے اور دیر تک دعا مانگتے رہے پھر وہاں سے واپس ہوئے اور چہرہ انور پر مسرت کے آثار نمایاں تھے حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے آپ کے چہرہ کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھ کو میرے چچا کہ یہ دونوں بیٹے عتبہ اور معتبہ عطا کر دیئے جائیں سو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ دونوں عطا کر دیئے اور میرے لئے ان دونوں کو بہہ کر دیا۔

اسلام معاویہ

بعض کہتے ہیں کہ معاویہ فتح مکہ میں اسلام لائے مگر صحیح یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔

ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان حضرت معاویہ کی بہن تھیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے اس لئے حضرت معاویہ خال المؤمنین ہوئے یعنی تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے اور جس طرح اہل بیت اور ذوی القربیٰ سے محبت رکھنا مومن پر فرض اور لازم ہے اسی طرح حضور پر نور کے خسر اور برادر نسبتی اور سسرالی رشتہ داروں سے بھی محبت فرض اور لازم ہے۔

ابو سفیان بن حرب آپ کی زوجہ مطہرہ ام حبیبہ کے والد محترم ہیں اور معاویہ ام حبیبہ کے بھائی ہیں، ان سے محبت رکھنا فرض ہے اور ان سے کینہ اور عداوت رکھنا حرام ہے اور اسلام سے پہلے جو ہو چکا وہ سب معاف ہے اور اسلام سے پہلی باتوں کا ذکر کرنا از روئے قرآن وحدیث قطعاً ممنوع ہے۔

بُت خانوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی

آں حضرت ﷺ فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز مکہ میں مقیم رہے جو بت، خانہ کعبہ میں تھے ان کو منہدم کرایا اور یہ منادی کرادی۔

من کان یؤمن باللہ والیوم
الآخر فلا یدع فی بیتہ صنما
جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت باقی نہ چھوڑے۔

جب مکہ مکرمہ بتوں سے پاک ہو گیا اور اس کے تمام بت گرا دیئے گئے تو مکہ کے اطراف و اکناف میں بتوں کے منہدم کرنے کے لئے کچھوٹی کچھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں۔

ہدم عزلی۔ ہدم سواع

۲۵ رمضان ۸ھ کو خالد بن ولید کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عزلی کو منہدم کرنے کے لئے مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مقام تک مکہ سے ایک شب کا راستہ

ہے اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواغ کے منہدم کرنے کے لئے بھیجا یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے تو اُس بُت کے مجبور نے ان سے کہا تم کس ارادہ سے آئے عمرو بن العاص نے کہا رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس بُت کو منہدم کرنے آیا ہوں عمرو کا یہ جواب سن کر مجاور نے کہا تم اس پر کبھی قادر نہ ہو سکو گے خداوند سواغ تم کو خود روک دے گا عمرو بن العاص نے کہا افسوس تو ابھی تک اسی خیال باطل میں پھنسا ہوا ہے کیا یہ سنتا اور دیکھتا ہے جو مجھ کو روک دے گا یہ کہہ کر اس پر ایک ضرب لگائی جس سے ان کا خداوند سواغ پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے مخاطب ہو کر کہا تو نے دیکھ لیا مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا اسلمت للہ میں اسلام لایا اللہ کے لئے۔

ہدم مناة

اور ۲۶ رمضان مبارک کو سعد بن زید اشہلی کو مناة کے منہدم کرنے کے لئے مقام مُشَلَّل کی طرف روانہ کیا اور میں سوار آپ کے ہمراہ کیئے۔ غرض یہ کہ رمضان کا تمام مبارک مہینہ اسی بت شکنی یعنی ارض اللہ سے کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

ماہ شوال میں محض تبلیغ اسلام اور دعوت حق کے لئے ساڑھے تین سو مہاجرین و انصار کو خالد بن ولیدؓ کے زیرِ کمان بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب ایک تالاب کے کنارہ جس کا نام غمیراء ہے وہاں رہتے تھے، خالد بن ولید نے جا کر ان کو اسلام کی دعوت دی گھبراہٹ میں اچھی طرح یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہیں یہ کہنے لگے صَبَانَا صَبَانَا م نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے اس کو کافی نہ سمجھا بعض کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا:

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ وَمِمَّا صَنَعَ ﴿۱﴾ اے اللہ میں اس سے بالکل بری ہوں جو خالد (بخاری و فتح الباری ص ۳۵ ج ۸) خالد نے کیا۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روپیہ دے کے جو جذبہ میں بھیجا تا کہ ان کا خون بہا ادا کر آئیں حضرت علی نے جا کر اُن کا خون بہا ادا کیا۔ اور جب تحقیق اور دریافت کے بعد یہ اطمینان ہو گیا کہ اب کسی کا خون بہا باقی نہیں رہا تو جو روپیہ باقی بچ رہا تھا وہ بھی احتیاطاً نہیں پر تقسیم کر دیا۔ واپس ہو کر جب بارگاہِ نبوی میں سارا قصہ بیان کیا تو آپ سجدہ سرور ہوئے اور یہ فرمایا، أَصَبْتُ وَأُحْسِنْتُ!

غزوہ حنین و اوطاس و طائف

یومِ شنبہ ۶ شوال ۸ھ

حنین۔ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں قبائل ہوازن و ثقیف آباد تھے۔ یہ قبائل نہایت جنگجو اور قادرِ تبر انداز تھے۔ فتح مکہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں آپ ہم پر حملہ نہ کر دیں، اس لئے مشورہ سے یہ طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں کوچ کر آپ پر حملہ کر دینا چاہئے، چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کو جمعیت لیکر آپ پر حملہ کرنے کے لئے چلا۔

درید بن صمدہ سردار بنی جشم اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس و حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن بوڑھے اور تجربہ کار اور جہاں دیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی ساتھ لے لیا تا کہ صلاح اور مشورہ میں اُس سے مدد ملے۔

مالک بن عوف نے تمام سپہ گروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ ہر شخص کے اہل و عیال اس کے ساتھ رہیں تا کہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔ جب وادیِ اوطاس میں پہنچے تو درید نے دریافت کیا یہ کونسا مقام ہے، لوگوں نے کہا یہ مقام اوطاس ہے، درید نے کہا۔ یہ مقام جنگ کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے، یہاں کی زمین نہ بہت تخت ہے اور نہ بہت نرم کہ پاؤں دھنس جائیں پھر کہا۔

مالی اسمع رُغاء البعیر و یہ کیا ہے کہ اونٹوں کا بولنا اور گدھوں کا چیخنا اور
نہاق الحمیر و یعار النشاء و بکریوں کا آواز کرنا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا
بکاء الصغیر سن رہا ہوں۔

لوگوں نے کہا یہ مالک بن عوف لوگوں کو مع اہل و عیال اور مع جان و مال لے کر آیا ہے
تاکہ لوگ ان کے خیال سے سینہ سپر ہو کر لڑیں۔

درید نے کہا سخت غلطی کی کیا شکست کھانے والا کچھ واپس لے کر جاتا ہے۔ جنگ میں
سوائے نیزہ اور تلوار کے کوئی شے کام نہیں آتی۔ اگر تجھ کو شکست اور ہزیمت ہوئی تو تمام اہل و
عیال کی ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا بہتر یہ ہے کہ تمام اہل و عیال کو لشکر کے پیچھے رکھا
جائے۔ اگر فتح ہوئی تو سب آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو بچے اور عورتیں دشمن کی دستبرد
سے محفوظ رہیں گے۔ مگر مالک بن عوف نے جوش شباب میں اس طرف التفات نہ کیا اور کہا
خدا کی قسم میں ہرگز اپنی رائے سے نہ ٹلوں گا بڑھا۔ پے سے اس کی عقل خراب ہو چکی ہے
ہوا زار و ثقیف اگر میری رائے پر چلیں تو فباہ رنہ میں ابھی خود اتنی کر لیتا ہوں سب نے کہا
ہم تیرے ساتھ ہیں۔

آں حضرت ﷺ کو جب ان حالات اور واقعات کی اطلاع پہنچی تو عبداللہ بن ابی
حدرد اسلمی کو تحقیق و تفتیش کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات
معلوم کیے اور آکر آں حضرت ﷺ کو ان کو جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔ تب آپ نے بھی
مقابلے کا سامان شروع کیا۔ صفوان بن امیہ سے سوزر ہیں مع ساز و سامان کے مستعار لیں۔

۸ شوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا
قصد فرمایا دس ہزار جاں باز و جان نثار تو وہی تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور
بعض غیر مسلم۔ (سیرت ابن ہشام)

بارہ ہزار کا یہ لشکر جراح حنین کی طرف بڑھا۔ تو ایک شخص کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔
لن نغلب الیوم من قلة آج ہم قلت کی وجہ سے مطالب نہ ہوں گے۔
جس میں شائبہ فخر اور اعجاب (خود پسندی) کا تھا جو حق تعالیٰ کو نا پسند ہے۔ عالم اسباب
میں چونکہ قلت بھی باعث ہزیمت ہوتی ہے اس لئے اس کثرت کو رنہ رنہ بعض صحابہ کی زبان

پر یہ لفظ آگئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ یعنی اگر آج ہم مغلوب ہوئے تو یہ ہماری مغلوبی قلت کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی فتح و نصرت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بارگاہِ احدیت میں یہ کلام ناپسند ہوا۔

اس لئے کہ اس میں یہ ایہام تھا کہ کامرانی اور کامیابی غلبہ اور فتح یابی کا سبب کثرت ہے خصوصاً وہ حضرات کہ جو توحید و تفرید کی منزلیں خانقاہ نبوت و رسالت میں رہ کر طے کر چکے ہوں ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی ایسا موہم لفظ نکلتا ان کے شایان شان نہیں۔ عجب نہیں کہ جو لوگ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور آپ کے ہمراہ تھے اور بنو ز اسلام ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا یہ ان کی صحبت کا اثر ہو۔

سنن نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں آنحضرت ﷺ نے سورہ زوم پڑھنا شروع کی اثناء قراءت میں آپ کو کچھ خلجان اور التباس و اشتباہ پیش آیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا

ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطہور و انما یلبس علینا القرآن
کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضوء ٹھیک طرح نہیں کرتے جزایں نیست کہ ایسے ہی لوگ ہمارے پڑھنے میں گڑبڑ کر دیتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاطر عاطر کی کدورت اور التباس قراءت کی علت فقط ان لوگوں کی صحبت و معیت تھی کہ جو وضوء کے پورے آداب و مستحب بجا نہیں لائے تھے عیاذ باللہ ان میں کوئی بے وضو نہ تھا۔ سب با وضو تھے، مگر بعض نمازیوں کی وضوء میں وضاءت یعنی صرف حسن اور جمال کی کمی تھی۔ جس سے آپ کا قلب متور متاثر ہوا اب اس سے مشرکین اور مبتدعین۔ زنادقہ و ملحدین کے صحبت کے اثر اور ضرر کا اندازہ لگا لیجئے۔ علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ و جعل الجنة مثواء اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سنن اور آداب کے، نوار و برکات دوسروں تک سرایت کرتے ہیں اور ان کے ترک سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بعض دوسروں تک متعدی ہوتا ہے کہ اس شخص کی وجہ سے دوسرا شخص خیرات و برکات اور راز و خفیات سے

محروم ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورضواعنہ پر جو رنگ تھادہ سرور کائنات منبع الخیرات والبرکات علیہ افضل الصلوٰات والتحیات کی صحبت کا اثر تھا۔ مگر اس وقت اس اجنبی صحبت کے اثرات سے بلا اختیار یہ کلمہ زبان سے نکل گیا۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل تر سیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیارست
الغرض یہ کلمہ بارگاہ خداوندی میں پسند نہ آیا۔ اور بجائے فتح کے پہلے ہی وہلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کما قال تعالیٰ:-

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ
شِئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ
الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝
ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ
عَلَى رَسُولِهِ ۖ وَأَنزَلَ
الْجُنُودَ ۚ لَمْ تَرَوْهَا
وَكَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو
خود پسندی میں ڈال دیا پس وہ کثرت تمہارے
کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے
تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پُشت پھیر کر بھاگے اس
کے بعد اللہ نے اپنی خاص تسکین اتاری اپنے
رسول پر اور اہل ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر
اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا
دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

لشکر اسلام سے شنبہ کی شام کے وقت وادی حنین میں پہنچی۔ قبائل ہوازن و ثقیف دونوں جانب کمینگا ہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ تلواروں کے نیام سب توڑ کر پھینک دو اور لشکر اسلام جب ادھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر بلہ بول دو چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکر اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے دفعۃً حمد کر دیا جس سے مسلمانوں کا لشکر سر اسیمہ اور منتشر ہو گیا اور صرف دس بارہ شیدایان نبوت اور جان بازان رسالت آپ کے پہلو میں رہ گئے اُس وقت آپ کے ہمراہ ابو بکر و عمر و علی و عباس و فضل بن عباس و اسامہ بن زید اور چند آدمی تھے۔ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

جو لوگ مدہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے وہ اچانک ہزیمت سے آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ) نے کہا کہ اب یہ ہزیمت دریا سے ورے نہیں تھمتی اور صدقہ بن ضبل نے خوشی میں چڑا کر یہ کہا۔ آج سحر کا خاتمہ ہوا۔

صفوان بن امیہ نے کہا حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے۔ خاموش اللہ تیرے منہ کو بند کرے میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میرا اہلی اور مرہبی ہو اس سے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی شخص میری تربیت کرے شبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا آج میں محمد سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ اس کا باپ جگ اُحد میں مارا گیا تھا۔ جب آپ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہو گئی اور آپ تک نہ پہنچ سکا۔ سمجھ گیا کہ مجھ کو من جانب اللہ آپ تک پہنچنے سے روکا گیا ہے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

الغرض جب قبائل ہوازن وثقیف نے کمینگاہوں سے نکل کر ایک دم ہلہ بول دیا۔ اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو پیرا کھڑ گئے، صرف رفقاء خاص آپ کے پاس رہ گئے۔

آپ نے تین بار پکارے فرمایا اے لوگو! دھڑاؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبد اللہ ہوں انا النبی لا کذب ۲۔ انا اسی عبد المطلب میں سچا نبی ہوں اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت اور میری عصمت ۳ و حمایت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے اس میں کذب کا امکان نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس بلند آواز تھے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دیں انہوں نے آواز بلند یہ نعرہ لگایا۔

یا معشر الانصار
یا اصحاب السمرۃ
اے گروہ انصار
اے وہ لوگوں جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی۔

آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پٹ پٹ پڑے اور منٹوں میں پروانہ وار کر شمع نبوت کے گرد جمع ہوئے۔ آپ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع

ہو گئی اور میدان کارزار گرم ہو گیا تو آپ نے ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا۔

شاهت الوجوه (رواہ مسلم) اُترے ہوئے یہ چہرے۔

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مشت خاک پھینکنے کے بعد یہ فرمایا انہز مواورب محمد اُتسم ہے رب محمد کی انہوں نے شکست کھائی۔ کوئی انسان ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچے ہو۔ اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لئے گئے اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ كَثَرَتْكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئاً وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ۔ ۱

ادھر آپ نے ایک مشت خاک پھینکی اور ادھر بہادران اسلام نے محض اللہ کی نصرت اور اعانت پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔ دم کے دم میں کایا پلٹ ہو گئی۔ بہادران ہوازن کے باوجود قوت اور شوکت کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ دشمن کے ستر آدمی معرکہ میں کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت کچھ مال و اسباب ہاتھ آیا۔ جیسر بن مطعم راوی ہیں۔ کہ ہوازن کی شکست اور پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر میں نے آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور دشمن کے مابین آکر گری۔ دفعۃً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھ کو ان کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر شک نہ تھا ان کا اترنا تھا کہ دشمنوں کو شکست ہوئی۔ ۲

شکست کے بعد ہوازن وثقیف کا سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نصری ایک جماعت کے ساتھ بھاگا اور طائف میں جا کر دم لیا۔ اور درید بن صمہ اور کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ بھاگ کر مقام خلدہ میں پہنچے۔ آں حضرت ﷺ نے ابو موسیٰ

اشعری کے چچا ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اوطس کی طرف روانہ کیا۔ جب مقابلہ ہوا تو درید بن صمہ۔ ربیعہ بن رفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سمہ بن درید نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے گھٹنہ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے ابو موسیٰ اشعری نے بڑھ کر رایت اسلام سنبھارا اور نہایت شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنے چچا کے قتل کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ ابو عامر اشعری نے مرتے وقت ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ اے بھتیجے رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام عرض کرنا اور یہ کہنا کہ میرے لئے دُعاۓ مغفرت فرمائیں۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جا کر آپ سے تمام واقعہ بیان کیا اور اپنے چچا ابو عامر کا سلام اور پیام پہنچایا آپ نے اسی وقت وضوء کے لئے پانی منگایا اور وضوء کر کے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔
اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبِيدِ ابْنِ عَامِرٍ اے اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔
پھر یہ دعا فرمائی۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَوْقَ اے اللہ قیامت کے دن اس کو بہت سے
كثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ بندوں سے اونچا فرما۔
ابو موسیٰ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے بھی دُعاۓ مغفرت
فرمائیے۔ آپ نے فرمایا

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ اے اللہ عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کی
ذَنْبُهُ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مغفرت فرما اور قیامت کے دن اُس کو یعنی ابو
مَدْخِلًا كَرِيمًا موسیٰ کو عزت کی جگہ میں داخل فرما۔
(بخاری شریف ص ۶۱۹ باب غزوة احاس)

محاصرة طائف

آں حضرت ﷺ نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ
جرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا۔ اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن
عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوہلی بت (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے جلانے

کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمرو دوسی بھی پہنچ گئے اور ایک دباہ اور منجیق ساتھ لائے۔ (زرقانی ص ۲۹ ج ۳، بیون، ٹرس ۲۰۰ ج ۲)

مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلہ اور خورد و نوش کا سامان قلعہ میں فراہم کر لیا تھا۔ اس حضرت ﷺ نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا۔ اور منجیق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیر اندازوں کو بٹھلا دیا، انہوں نے ایسی سخت تیر باری کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن ولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں۔ سا لہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے، جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لے کر اتریں گے۔ مسلمانوں نے دباہ میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی انہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسانی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا اہل قلعہ نے آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا میں اللہ اور قرابتوں کے لئے ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔ بعد ازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوا دیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آئے اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اس میں چونچ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا، انہوں نے کہا غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا آپ نے نوفل بن معاویہ دیلمی کو بلا کر دریافت فرمایا تمہاری کیا رائے ہے نوفل نے کہا یا رسول اللہ لو مڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہیں تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آکر عرض کیا یا نبی اللہ ان کے حق میں بدعہا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اجازت نہیں دی حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دعا دی۔

اللهم اهد ثقیفاً وائت بهم! اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور اُن کو مسلمان کر کے میرے پاس پہنچا۔

چنانچہ بعد میں یہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف نصری اُن کا سردار خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

تقسیم غنائم حنین

طائف سے چل کر آپ پانچ ذی القعدة الحرام کو جعرانہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع تھا چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ نے مال غنیمت غانمین پر تقسیم کر دیا۔ (فتح الباری ص ۳۸ ج ۸ میون الاثر ص ۱۹۳ ج ۲۔)

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں نو آدمی تھے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی آپ کی رضائی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن عمرو نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ان اسیروں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دیکھنے والے ہیں اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت کچھ مہربانی ہوتی اور آپ کی شان تو ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی تب وہ آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا اور یہ شعر پڑھے۔

امن علينا رسول الله في كرم فانك المرء نرجوه وننتظر

الى آخر القصيدة

انشاء اللہ تعالیٰ پورا قصیدہ وفود کے بیان میں آئے گا۔

آپ نے فرمایا میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہو چکی ہیں دو چیزوں میں

سے ایک چیز اختیار کر لو قیدی یاں۔ وفد نے کہا آپ نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں اونٹ اور بکری کے بارے میں آپ سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ نے ارشاد فرمایا میرے اور خاندان بنی ہاشم و بنی المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب تمہارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصہ میں جو کچھ جا چکا ہے اس کی بابت ظہر کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفد ہوازن کے خطباء نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں۔ اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اول خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا تمہارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کر دیں جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں سب نے کہا کہ ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کر دیئے گئے۔

انہیں اسیران جنگ میں آپ کی رضائی بہن حضرت شیماء بھی تھیں لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں لوگ تصدیق کے لئے آپ کی خدمت میں لے کر آئے شیماء نے کہا اے محمد میں تمہاری بہن ہوں اور ملامت بتائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا جس کا یہ نشان موجود ہے، آپ نے پہچان لیا اور مرحبا کہا اور بیٹھنے کیلئے چادر بچھادی اور فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت و احترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے شیماء نے کہا میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (اصابہ ترجمہ شیماء ص ۳۴۳ ج ۴)

فتح مکہ میں جو معززین قریش اسد میں داخل ہوئے ہنوز مذہب الاعتقاد تھے ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا۔ جن کو اصطلاح قرآن میں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔ آں

حضرت ﷺ نے تقسیم غنم کے وقت ان کو بہت انعامات دیئے، کسی کو سوا اور کسی کو دو سوا اور کسی کو تین سوا ونٹ دیئے۔ (جس کی تفصیل فتحِ بہاری اور زرقانی میں مذکور ہے)

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشرف قریش کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نو جوان کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو تو دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اب تک اُن کے خون سے ٹپکتی ہیں، بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بدایا جاتا ہے، مال غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اُس حضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا اے انصار یہ کیا بات ہے جو میں سُن رہا ہوں، انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سربراہ آورہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، ابستہ بعض نو جوانوں نے ایسا کہا۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطے سے ہدایت دی۔ آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تمہارے دل ملا دیئے، تم فقیر اور کنگال تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مال ملایا۔ انصار نے کہا آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے، بے شک اللہ اور اُس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد (ﷺ) جب لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی۔ جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھ کو ٹھکانہ دیا، جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور غمگساری کی، اے گروہ انصار کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دون میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں کچھ متلعّقل اور دراہم معدودہ چند لوگوں کو تالیفِ قلوب کے لئے دے دیئے اور تمہارے اسلحہ و ایمان اور ایقان و اذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں) اس لئے اس داد و دہش سے اُن کے نقصان کے لئے کچھ تدفین کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا پس تالیفِ قلب

کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا منسب ہے اور تم اہل ایمان ہو ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ہجرت امر تقدری نہ ہوتا تو میں انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھائی کو تو میں انصار کی گھٹی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد اولاد پر رحم اور مہربانی فرماتا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جان نثار چیخ اٹھے اور روتے ہوئے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا۔ اس کے بعد مجمع درخواست ہو گیا۔ (تاریخ ابن الاثیر ص ۱۳۱ ج ۲)

عمرہ جمرانہ

بعد ازاں ۱۸ ذی القعدة الحرام کو شب کے وقت آپ جمرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل کو تعلیم دین کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا اور دو مہینے اور سولہ دن کے بعد ۲ ذی قعدة الحرام کو مع صحابہ کے داخل مدینہ ہوئے۔

تحریم متعہ

آں حضرت ﷺ جب او طاس سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو باب کعبہ پر کھڑے ہوئے اور کعبہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے تھامے اور یہ فرمایا کہ متعہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان رات کے وقت تھا۔ اور سامعین حاضرین کی تعداد قلیل تھی سب کو پوری طرح اس کی خبر نہ ہوئی، اس لئے بعض بے خبری میں اس کے بعد متعہ کے مرتکب ہوئے تو آپ نے غزوہ تبوک میں پھر اس کی حرمت کا اعلان

۱۔ آپ کی اصل تقریر کے اکثر اجزاء فتح الباری ص ۴۰ ج ۸ اور زرقانی ص ۳۸ ج ۳ میں بھی مذکور ہیں لیکن یہ ترتیب اور تسلسل تاریخ ابن الاثیر الجزری میں مذکور ہے۔
۲۔ زرقانی۔ ج ۳ ص ۴۱

فرمایا پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بعضے لوگ اسی بے خبری کی وجہ سے نکاح متعہ کے مرتکب ہوئے یہ خبر سن کر خلیفہ وقت منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے متعہ کو حرام فرمایا ہے اور گاہ گاہ آں حضرت کے وقت میں (بے خبری کی بنا پر متعہ ہوا ہے) اور آپ نے اس پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا آخر کار متعہ کی حرمت ثابت ہو چکی ہے اب میرے اس اعلان کے بعد جو متعہ کرے گا میں اس پر حد زنا جاری کروں گا، حضرت عمرؓ کے اس اعلان واجباً، ذمان کے بعد متعہ قطعاً موقوف ہو گیا۔

واقعات متفرقہ

(۱) اس سال عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مسلمانوں کو اسی طرح سے حج کرایا جیسے عرب کا طریق تھا۔

(۲) اسی سال ۶ ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔

(۳) اسی سال آپ نے عمرو بن العاص کو عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے عمان کی طرف بھیجا۔

(۴) اسی سال آپ نے کعب بن عمیر کو ”ذات اطلاق“ کی طرف جو شام کا ایک علاقہ ہے دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ پندرہ آدمی ان کے ہمراہ گئے، وہاں کے لوگوں نے سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی بچ کر مدینہ واپس آیا۔ (تاریخ ابن اثیر ص ۱۳۲)

لطائف و معارف

قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد (ﷺ) مکہ اور اہل مکہ پر غالب آگئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ جوش ہونے لگے مکہ اقبال تعالیٰ۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ جَبَّ اللَّهُ بِالنَّصْرِ ﴿٢﴾ جب اللہ کی نصرت اور فتح ظہور میں آئے اور وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دَارِ اللَّهِ أَسْبَغَتْ لَهُمُ النِّجْمَ ﴿٣﴾ تو میں نے لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہوتا ہوا فوج در

دینِ اللہ افواجاً فسبح بحمد ربک واستغفره انه کان تواباً
 فوج اور جوق در جوق آپ دیکھ لیں۔ پس اس وقت آپ تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیں (اس دارقانی سے رحمت کا وقت قریب آ گیا ہے) بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

لیکن قبائل ہوازن و ثقیف جو فنونِ جنگ سے نہایت باخبر اور آگاہ اور محکم تیر انداز تھے۔ تکنی طور پر ان کے قلوب کو فی الحال روک لیا گیا۔ تاکہ جب پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان میں آجائیں حتیٰ کہ کوئی مرد اور عورت، بچہ اور بوڑھا۔ اونٹ اور بکری، کوئی جانور اور کوئی مویشی اور کسی قسم کا مال گھر میں نہ رہنے پائے اللہ کے شکر کے لئے تمام مالِ غنیمت یکجا جمع ہو جائے تاکہ حق جل و علا اس وقت اپنے دینِ متین کی فتح مبین کا عجیب و غریب منظر دنیا کو دکھلائے۔

غزواتِ عرب کی ابتداء غزوہ بدر سے ہوئی جس نے ان کو مرعوب کر دیا تھا اور غزوہ حنین پر اس کی انتہاء ہوئی جس نے عرب کی قوت و شوکت کا خاتمہ کر دیا کہ اب جزیرۃ العرب میں کسی کی مجال نہیں کہ حق کے مقابلہ میں سر اٹھائے مگر چونکہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تھا۔ (لن نغلب الیوم عن قلة) آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے جو بارگاہِ خداوندی میں ناپسند ہوا۔ اس لئے پہلے حملہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت اللہ کی جانب سے ہے، قلت و کثرت پر اس کا مدار نہیں جس کی خدا مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں۔ اور جس کی امداد سے وہ دستکش ہو جائے پھر اس کا کوئی مددگار نہیں اور تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول اور اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے تمہاری کثرت پر اس کا مدار نہیں تم تو باوجود کثرت کے بھاگ اٹھے، چنانچہ جب تم نے سمجھ لیا کہ ہماری کثرت اور ہماری حوس اور قوت کچھ کارآمد نہیں صرف خداوند ذوالجلال کی ہی حول اور قوت ہماری دست گیری کر سکتی ہے، تب حق تعالیٰ نے تم پر یہ انعام فرمایا۔

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ

پھر اللہ نے اپنے رسول اور اہل ایمان کے دلوں پر خاص سکینت وطمینان نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جس کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

حق جل و علا کی یہ سنت ہے کہ فتح و نصرت کا خلعت اہل تواضع اور اہل انکساری کو عطا ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنَمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنَرَى فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین میں کافروں کی طرف سے کمزور سمجھا گیا اور ان کو سردار بنائیں اور کافروں کی املاک کا وارث بنائیں اور زمین میں ان کو حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈرتے ہیں۔

چنانچہ غزوہ بدر میں فتح اور غزوہ احد میں شکست کا یہی راز تھا۔ کما قال تعالیٰ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ۔

در آنحالیکہ تم اس وقت بالکل بے سر و سامان تھے۔

غزوہ احد حقیقت میں غزوہ بدر کا مکملہ اور تتمہ تھا جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے گویا کہ غزوہ بدر اور غزوہ احد کراہیک ہی غزوہ تھا اور قبائل عرب کے ساتھ پہلا غزوہ تھا اور غزوہ حنین آخری غزوہ تھا۔ اس سے پہلے غزوہ (بدر) میں اول فتح اور اس کے مکملہ (یعنی معرکہ احد) میں شکست ہوئی اور غزوہ حنین میں ابتداء میں شکست ہوئی اور بعد میں فتح تاکہ غزوات عرب کی ابتداء اور انتہاء فاتحہ اور خاتمہ دونوں فتح اور نصرت پر ہوں اور جس طرح

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اسی طرح غزوہ حنین میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا۔

(۲)۔ اموالِ غنیمت میں سے زیادہ حصہ آپ نے اُن لوگوں کو عطا کیا جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا تاکہ اس احسان سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے اس لئے کہ محسن کی محبت فطری اور جبلی امر ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

وَ احسن وجه فی الوری وجه محسن
وَ ائمن کف فیہم کف منعم

اور جب آپ کی محبت دلوں میں راسخ ہو جائے گی تو ان دلوں سے دنیا اور مافیہا کی محبت خود ہی کوچ کر جائے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک دس میں حُبِ رسول اللہ اور حبِ دنیا دونوں جمع ہو سکیں۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ ۖ اللَّهُ تَعَالٰی نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل
فِیْ جَوْفِهِ ۚ نہیں بنائے۔

انصار کی شکایت کا منشاء عیاذُ باللہ حبِ مال نہ تھا۔ جن کی نسبت خود اللہ کا رسول یہ شہادت دے رہا ہو کہ میں نے تمہارے ایمان و ایقان پر بھروسہ کر کے تم کو حصہ نہیں دیا بھلا ان کے پاک دلوں میں دنیا کی کہاں جگہ ہو سکتی ہے۔

بلکہ منشاء یہ تھا کہ انصار اس ظاہری داد و دہش کو اکرام و احترام عزت و سرفرازی کی دلیل سمجھے اس لئے بمقتضائے غیرت دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس موقع پر آپ نے ہم جیسے جانثاروں کی عزت افزائی سے کیوں اغماض فرمایا۔

باسایہ ترانمی پسندم عشقت و ہزار بدگمانی

حالانکہ یہ اغماض اس انعام سے کروڑوں درجہ بہتر تھا۔ یہ اغماض انصار کے ایمان و اخلاص کی سند تھی اور وہ انعام ان کے تذبذب کی دلیل تھی۔ جن کے ایمان اور ایقان پر اطمینان تھا ان کو چھوڑ دیا۔ یہ مضمون حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔

حضرات اہل علم زاد المعاد اور فتح الباری ص ۳۹ ج ۸ کی مراجعت فرمائیں۔

تقریر عثمان

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں تھ لہذا ضرورت داعی ہوئی کہ اسلامی قلمرو کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے اس لئے آپ نے اسلام کی سطوت اور حکومت قائم رکھنے کے لئے مختلف ممالک میں جدا جدا والی اور حاکم مقرر فرمائے باذان بن ساسان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔ باذان۔ کسری کی طرف سے یمن کا والی تھا کسری کے ہلاک ہونے کے بعد باذان مسلمان ہو گیا۔ اس لئے آل حضرت ﷺ نے باذان کو بدستور یمن کی وراثت اور حکومت پر قائم رکھا اور جب تک باذان زندہ رہا کسی کو ان کا شریک اور سہم نہیں قرار دیا باذان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی مقرر کیا۔ شہر کے مرجانے کے بعد خالد بن سعید ابن العاص اموی صنعاء کے وائے مقرر ہوئے اور زیاد بن لبید انصاری حضرموت کے اور ابو موسیٰ اشعری زبید اور عدن کے اور معاذ بن جبل۔ علاقہ یمن کے شہر جند کے ورا ابو سفیان بن حرب نجران کے اور ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان تیما کے اور عتاب بن اسید منہ کے والی اور حاکم مقرر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے قاضی مقرر ہوئے۔

۹ھ ہجری

اب ۸ھ ختم ہوا اور محرم الحرام ۹ھ کا ہلال نظر آیا۔ اس ماہ میں آپ نے عیین اور مصدقین کو اطراف و اکناف میں زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

کس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا

نام

بنی تمیم

اسلم وغفار

سلیم و مزینہ

جہینہ

عمیدہ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عباد بن بشر اشہبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رافع بن مکیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الْحُجَرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَ لَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
 آواز دیتے ہیں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف
 برآمد ہوتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

فائدہ جلیلہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم قرآن کے حاصل کرنے کے لئے سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ادب کی وجہ سے کبھی دروازہ نہیں کھٹکتے تھے۔ ابی بن کعب کے انتظار میں بیٹھے رہا کرتے، یہاں تک کہ وہ خود باہر تشریف لاتے ایک بار ابی ابن کعب نے کہا تم دروازہ کھٹکھا دیا کرو۔ اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا العالم فی قومہ کالنبی فی اُمۃ وقد قال اللہ تعالیٰ فی حق نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ۔ اے تم اپنی قوم میں بمنزلہ نبی کے ہے اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں یہ ارشاد فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا لَخَبَّرَ الْوَعِيدَ فرماتے ہیں۔ میں نے کسی اے تم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنے وقت پر تشریف لے آئے علامہ آدوی فرماتے ہیں جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اسی وقت سے اساتذہ اور مشائخ کے ساتھ میرا یہی معمول ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ علی ذالک۔ ۲

بعد ازاں آپ ہر تشریف لے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ جماعت سے فارغ ہو کر صحن مسجد میں بیٹھ گئے۔ وفد نے کہا کہ ہم مغاخرہ کے لئے آئے ہیں۔ آپ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

خطبہ عطار دین حاجب تمیمی

خطیب بنی تمیم عطار دین حاجب کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ عَلَيْنَا ۝ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہم کو

الْفَضْلَ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَنَا
مُلُوكًا وَوَهَبَ لَنَا أَمْوَالَ
عَظَمَاءَ نَفْعَلُ فِيهَا الْمَعْرُوفَ
وَجَعَلَنَا أَعْزَاءَ أَهْلِ الْمَشْرِقِ
وَكَثْرَ عَدَدًا وَعَدَّةَ فَمَنْ مِثْلَنَا
فِي النَّاسِ - السَّيِّئُ بِرُؤُسِ النَّاسِ
وَافْضَلُهُمْ فَمَنْ فَأَخْرَجْنَا فَلْيَعْدِدْ
مِثْلَ مَا عَدَدْنَا وَانَا لَوِ شِئْنَا
لَا كَثَرْنَا الْكَلَامَ وَلَكِنَّا نَسْتَحْيِ
مَنْ الْكَثَارَ وَانَا نَعْرِفُ بِذَلِكَ
أَقُولُ هَذَا لِأَنْ تَأْتُوا بِمِثْلِ قَوْلِنَا
وَإِمْرًا فَضْلَ مِنْ أَمْرِنَا -

فضیلت دی اور بادشاہ بنایا اور مال و دولت دی
جسے ہم نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں
اور ہم کو اہل مشرق میں سے سب سے زیادہ
عزت والا اور کثرت والا اور قوت و شوکت والا
بنایا، پس لوگوں میں ہم جیسا کون ہے۔ کیا ہم
لوگوں کے سردار اور ان سے بالا تر نہیں پس جو
ہم سے فخر میں مقابلہ کرنا چاہے تو اس کو
چاہئے۔ کہ ہمارے جیسے مفاخر اور مناقب شمار
کرے جیسے ہم نے اپنے مفاخر بیان کیے
ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اپنے مفاخر کے بارہ
میں طویل تقریر کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اپنے
مفاخر بیان کرنے سے شرم آتی ہے میں نے
یہ اس لئے کہا ہے کہ اگر کوئی اس کے مثل یا
اُس سے بہتر لاسکے تو لائے۔

عطارد خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آں حضرت رضی اللہ عنہ نے ثابت بن قیس بن شماس
انصاری کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ ثابت بن قیس فوراً کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

خطبہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ خَلَقَهُ قَضَىٰ فِيهِنَّ
أَمْرَهُ وَوَسَّعَ كُرْسِيَهُ عِلْمُهُ وَلَمْ
يَكُنْ شَيْءٌ قَطُّ إِلَّا مِنْ فَضْلِهِ
ثُمَّ كَانَ مِنْ قُدْرَتِهِ أَنْ جَعَلَنَا
مُلُوكًا وَأَصْطَفَىٰ خَيْرَ خَلْقِهِ

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے آسمانوں
اور زمینوں کو پیدا کیا اور اپنا حکم اس میں جاری
کیا اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے جو کچھ بھی
ہے وہ اس کے فضل سے ہے پھر اس کی
قدرت نے ہم کو بادشاہ بنا دیا اور بہترین
خلایق کو رسول بنا کر بھیجا جو تمام مخلوق میں

رسولا اکرمہ نسبا و اصدقہ
 حدیثا و افضلہ حسبا و انزل
 علیہ کتابا و ائتمنہ علی خلقہ
 فكان خیرۃ اللہ فی العالمین
 ثم دعا الناس الی الایمان بہ
 فامن برسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم المهاجرون من
 قومہ و ذوی رحمہ اکرم الناس
 احسابا و احسن الناس وجوها
 و خیر الناس فعلا ثم کنا اول
 الخلق اجابة و استجابة للہ
 حين دعا رسول اللہ فمن امن
 باللہ و رسولہ منع ماله و دمه و
 من کفر جاہدنا فی اللہ ابدا
 و کان قتله علینا یسیرا قول
 قولی هذا و استغفر اللہ لی
 و للمؤمنین و المؤمنات
 و السلام علیکم۔

حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے اور
 خدا نے ان پر ایک کتاب نازل کی اور ان کو
 تمام مخلوق پر امین بنایا پس وہ تمام جہانوں میں
 سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندہ ہیں اُس
 اللہ کے رسول نے تمام لوگوں کو ایمان کی
 دعوت دی پس اسی رسول پر سب سے پہلے
 مہاجرین ایمان لائے جو آپ کے قوم کے
 لوگ ہیں اور آپ کے رشتہ دار ہیں اور حسب و
 نسب اور وجاہت میں سب سے بڑھ کر ہیں
 اور باعتبار افعال و اعمال کے بھی سب سے
 بہتر ہیں۔ پھر مہاجرین کے بعد ہم انصار نبی
 کی دعوت قبول کرنے میں اور لوگوں سے
 مقدم ہیں اور انصار اللہ کے دین کے مددگار
 ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے وزیر ہیں ہم
 لوگوں سے اس وقت تک جہاد و قتل کرتے
 ہیں کہ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں لیکن
 جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے
 اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا اور جس
 نے کفر کیا اس سے ہم خدا کی راہ میں جہاد و
 قتل کریں گے اور اس کا قتل ہم پر آسان ہے، یہ
 ہے جو مجھے کہن تھا اور میں خدا تعالیٰ سے اپنے
 لئے اور تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لئے
 مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام

بعد ازاں زہریق بن بدر نے اپنے مفاخر و مناقب میں ایک قصیدہ پڑھا۔ اس حضرت جلیل القدر

نے حضرت حسان سے فرمایا اس کا جواب دو حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فی الہدیہ اُس کے جواب میں قصیدہ پڑھا۔ اقرع بن حابس نے کہا خدا کی قسم آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے اور سب شرف باسلام ہو گئے۔ آپ نے ان کو انعام دیا اور ان کے سب قیدی واپس کر دیئے۔

بعث ولید بن عقبہ بن ابی معیط بسوئے بنی المصطلق

ولید بن عقبہ کو آپ نے صدقات وصول کرنے کے لئے بنی المصطلق کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ولید کی خبر سن کر نہایت شاداں و فرحاں ہتھیار لگا کر عسکری شن سے ولید کے استقبال کے لئے نکلے۔ زمانہ جاہلیت سے ولید کے خاندان اور بنی المصطلق میں عداوت چلی آتی تھی۔ ولید کو دُور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ غالباً دیرینہ عداوت کی وجہ سے یہ لوگ مقابلہ کیسے نکلے ہیں اس لئے ولید راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور آں حضرت ﷺ سے آکر یہ بیان کر دیا کہ وہ لوگ دین اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے آپ کو سُن کو تعجب ہوا۔ آپ اسی تردد میں تھے کہ یہ خبر بنی المصطلق کو پہنچی۔ ان لوگوں نے فوراً اپنا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے حاضر ہو کر بارگاہ نبوی میں حقیقت حال کی اطلاع دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا خِبرًا ۖ تَوَّاسٍ كِي تَحْقِيقَ كَرِيَا كَرُو مَبَادَا كَرَبَ قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا كُنْتُمْ فِيهِ كَاكِرِينَ ۚ

اپنے کیسے ہوئے پر پشیمان ہو۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں فسق سے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی احاعت سے خروج کرنا خواہ وہ کتنا ہی معمولی درجہ کا خروج ہو اس جگہ اصطلاحی اور شرعی فسق مراد نہیں۔ گناہ کبیرہ کا قصد اور عہد ارتکاب اصطلاح شریعت میں فسق کہلاتا ہے۔ ولید نے جو کچھ آپ سے آکر بیان کیا اس کا منشاء غلط فہمی تھا اس لئے آیت میں فسق سے لغوی فسق مراد ہے اور خبر چونکہ

خلاف واقع تھی، اس لحاظ سے اُن کو فاسق کہا گیا۔ اور اس معنی کو صحابی کا فاسق ہونا اس کے شرعاً فاسق ہونے کو مستلزم نہیں فافہم ذلک واستقہم۔ (رزقانی ص ۴۶ ج ۳)

حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے ستتر شعبے ہیں اعلیٰ درجہ کا شعبہ شہادۃ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور ادنیٰ درجہ کا شعبہ راستہ سے کانٹا وغیرہ ہٹا دینا ہے، باقی شعبے درمیان میں ہیں اور ہر شعبہ پر ایمان کا اطلاق آتا ہے۔ اسی طرح قرآن اور حدیث میں فسق اور معصیت اور ظلم کا احقاق کفر سے لے کر گناہ صغیرہ تک پر آیا ہے جس طرح ایمان کے مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح کفر اور معصیت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ حضرت آدم کی لغزش پر بھی معصیت کا اطلاق آیا ہے وعصى آدم ربه فغوى اور کفر پر معصیت کا اطلاق آیا ہے۔ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا۔ مگر ظاہر ہے کہ دونوں معصیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لفظ اگرچہ ایک ہے مگر معنی مختلف ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں جو فاسق کا لفظ آیا ہے۔ اس کو معنی غوی پر محمول کریں شرعی فسق پر محمول نہ کریں اس لئے کہ صحابہ کرام سب عادل اور ثقہ ہیں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ معاذ اللہ اگر وہ شرعی فاسق ہوتے تو اللہ ان سے راضی نہ ہوتا لقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب رکھا ہے۔ باب کفر ان العشير و کفر دون کفر۔ و باب ظلم دون ظلم۔

سریہ عبد اللہ بن عوسجہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ

ماہ صفر ۹ھ میں آپ نے عبد اللہ بن عوسجہ کو بنی عمرو بن حارثہ کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے ایک والا نامہ دے کر روانہ فرمایا ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور آپ کے والا نامہ کو دھوکہ ڈالنے کی تیاری میں باندھ دیا۔ عبد اللہ بن عوسجہ نے آکر جب آپ سے واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔ کیا ان لوگوں کی عقل جاتی رہی۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک اس قبیلہ کے لوگ احمق اور نادان ہیں تقریباً فاتر العقل اور گونگے ہیں۔ اعدا اللہ سبحانہ و تعالیٰ عن ذلک آمین۔

سریہ قطبہ بن عامر

اسی مہینہ میں آپ نے بیس آدمی قطبہ بن عامر کے زیرِ کمان لشعمر کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائے۔ قطبہ بن عامر نے جا کر ان کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو شکست دی اور کچھ اونٹ اور بکری اور کچھ قیدی غنیمت میں لے کر واپس ہوئے، خمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر شخص کے حصہ میں آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے معادل قرار دیا گیا۔

سریہ ضحاک بن سفیان

ماہ ربیع الاول میں بنی کلاب کو دعوتِ اسلام دینے کی غرض سے آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی کو روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور اُن کو اور اسلام کو گالیاں دی اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر مقابلہ ہوا اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور ضحاک بن سفیان شاداں و فرحان مظفر و منصور غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے۔

سریہ علقمہ بن مجرز مدحی بسوئے حبشہ

آں حضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ حبشی لوگ جدہ میں آئے ہیں تو آپ نے علقمہ بن مجرز مدحی کو تین سو سواروں کے ساتھ اُن کے تعاقب کے لئے روانہ کیا یہ لوگ خبر پا کر بھاگ گئے اور جزیرہ میں جا کر روپوش اور لاپتہ ہو گئے مسلمان جب وہاں سے لوٹے تو فوج کے کچھ لوگوں نے عجلت کی وریہ ارادہ کیا کہ باقی لشکر سے پہلے ہم گھر پہنچ جائیں۔ علقمہ نے آگ جلوئی اور عجلت کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس آگ میں کود جائیں۔ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے علقمہ نے کہا ٹھہرو میں نے تم سے مذاق کیا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کا حکم نہ مانو اور صحیح بخاری اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سریہ کے امیر عبد اللہ بن حذافہ بھی تھے اور آگ میں کودنے کا حکم انہوں نے دیا تھا عجب نہیں کہ اسی

اختلاف کی بنا پر امام بخاری نے اس سریہ کے بیان کے لئے ترجمہ رکھا ہے وہ یہ ہے باب
سریہ عبداللہ بن حذافۃ السبئی وعلقمة بن مجز زامدجی وبقال انہا سریہ الانصاری تفصیل کے
لئے فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ زرقانی ۴۹ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

سریہ علی بن ابی طالب برائے بُت شکنی قبیلہ طے

وذكر اسلام فرزندِ حاتم طائی و دختر او

ماہ ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کے ساتھ قبیلہ طے کے
بُت فلس ۲ منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر ان پر شب خون مارا کچھ آدمی اور
کچھ مویشی گرفتار ہوئے بُت خانہ کو منہدم کر کے نذر آتش کیا اور دو تلواریں اس بُت خانے
سے لوٹ لائے جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں ان قیدیوں میں مشہور بنی حاتم طائی کی
بیٹی سفانہ ۳ بھی تھی اور حاتم کے فرزند عدی بن حاتم لشکر اسلام کی خبر سنتے ہی شام بھاگ
گئے تھے۔ اس لئے کہ شام میں اُس کے ہم مذہب و مشرب نصاریٰ بکثرت تھے۔ قیدی
گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد کے قریب حظیرہ میں اتار دیئے گئے۔ اُس حضرت
ؑ جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ باپ تو
فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیراں تھے وہ فرار ہو گیا۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان
کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ تیرا خبر گیراں اور سر پرست کون تھا۔ سفانہ نے کہا میر
ابھائی عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے۔ بہتر ہے
میں تجھ پر احسان کرتا ہوں جانے میں غلٹ مت کرو، میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم میں کا
کوئی شخص قبل اطمینان مل جائے تو اس کے ہمراہ تم کو بھیج دوں چنانچہ دو تین ہی روز کے بعد
قبیلہ طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے آپ نے ازراہ لطف و کرم زاد راہ اور سواری
اور کچھ جوڑے دے کر ان کو رخصت کیا سفانہ مشرف باسدم ہوئیں اور ان الفاظ میں آپ کا
شکریہ ادا کیا۔

۱۔ جمع فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ سریہ عبداللہ بن حذافۃ السبئی وعلقمة بن مجز زامدجی وبقال انہا سریہ الانصاری تفصیل کے لئے فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ زرقانی ۴۹ ج ۳ کی مراجعت کریں۔
۲۔ فلس بضم الفاء وسكون اللام
۳۔ سفانہ بنت حاتم طائی

شکر تک یداً فتقرت بعد
غنی ولا ملک تک ید
استغنت بعد فقروا صاب اللہ
بمعروفک مواضعه ولا جعل
لک الی لثیم حاجة ولا سلب
نعمة عن کریم الا وجعلک
سببا لردھا علیہ۔

خدا کرے وہ باتھ تیرا ہمیشہ شکر گزار ہے جو
خوشحالی کے بعد فقیر اور خالی ہوا ہو اور وہ باتھ
آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقر کے بعد امیر
ہوا ہو اور خدا کرے آپ کا احسان ہمیشہ بر محل
واقع ہو اور خدا کرے آپ کو کبھی کسی کمینہ سے
کوئی ضرورت نہ پیش آئے اور خدا کسی
شریف کی نعمت سلب نہ کرے مگر آپ کو اس
کی واپسی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے۔

سفانہ آپ سے رخصت ہو کر شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی سے ملی اور تمام حالات بیان
کیئے۔ عدی نے بہن سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔ سفانہ نے جواب دیا۔
اری واللہ ان تلحق بہ سریعا
فان ہک نبیا فلسابق الیہ
فضیلة وان یک ملکا فلن تزال
فی عز و انت انت

خدا کی قسم میں یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ تم جلد
از جلد جا کر ان سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان کی
طرف دوڑنا اور سبقت کرنا باعث فضیلت
ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لئے باعث
عزت ہے اور تو تو تو ہی ہے۔

عدی نے سن کر کہا۔

واللہ ان هذا هو الراى

بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (زرقانی ص ۵۳ ج ۳
واصابہ ترجمہ عدی وسفانہ)

ان کے اسلام کا مفصل واقعہ اصابہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اسلام کعب بن زہیر

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کعب بن زہیر آپ کی بجو میں شعر کہا کرتا تھا فتح مکہ کے دن
کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بنجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے فرار ہوئے اور مقام ابرق
الغراف میں جا کر ٹھہرے بنجیر نے کعب سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آپ کی خدمت میں حاضر

ہو کر آپ کا کلام سنوں اور آپ کے دین کو معلوم کروں اور آپ کی سچائی معلوم ہو جائے تو آپ کا اتباع کروں ورنہ چھوڑ دوں۔ کعب وہیں رہے اور یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا کلام سننا سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔

جب آں حضرت بنو نضیر طائف سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو بحیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے وہ فتح مکہ کے دن قتل کر دیئے گئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ گئے اور تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا جو شخص مسلمان اور تابع ہو کر آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو کہیں دُور دراز جگہ چلا جا جہاں تیری جان بچ جائے۔ کعب کو یہ ناگوار گزارا کہ بغیر میرے مشورہ کے مسلمان ہو گیا اور یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

الَا أَيْلِغَا عَنِي بُجَيْرًا رِسَالَةً فَهَلْ لَكَ فِيمَا قُلْتَ وَيْحَكَ
هَلْ لَكَ

اے دوستو بحیر کو میرا یہ پیام پہنچا دو۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اس بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ افسوس تو کیا کر گزرا۔

فَبَيِّنْ لَنَا إِن كُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ عَلَىٰ آيٍ شَيْءٍ غَيْرِ ذَٰلِكَ ذَلَّكَ
تو یہ بتلا کہ اگر تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم نہیں رہ سکتا تو پھر اس کے سوا
تو نے اور کونسا راستہ اختیار کیا۔

عَلَىٰ خُلُقٍ لَمْ تُلَفِ أَمْ لَا أَبَا عَلَيْهِ وَتُلَفِي عَلَيْهِ أَحَا لَكَ
تو نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ مان کو اس پر پایا اور نہ باپ کو اور نہ اپنے بھائی
کو اس طریقے پر پائے گا۔

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِأَسْعِفٍ وَلَا قَائِدٍ إِمَّا عَثَرْتَ لَعَا لَكَ
پس اگر تو نے میری بات پر عمل نہ کیا تو مجھ کو کچھ غم نہیں اور نہ میں تیری لغزش
کے وقت تجھکو (بھوکا) کہوں گا۔ یہ کلمہ لغزش کے وقت کہا جاتا ہے، جس کے معنی
یہ ہیں کہ سنبھل جا اور کھڑا ہو جا۔

سَقَاكَ بِهَا الْمَأْمُونُ كَأَسَا رَوِيَّةٌ فَانْهَلَكَ الْمَأْمُونُ مِنْهَا وَعَلَاكَ
مَأْمُونٌ (یعنی محمد ﷺ چونکہ قریش آپ کو امین و مامون سمجھتے تھے) نے تجھ کو
چھلکتا ہوا پیالہ مکرر سہ کر پلایا۔

بحیر نے اس واقعہ کو آپ سے چھپانا پسند نہ کیا اس لئے یہ قصیدہ آپ کی خدمت میں
پیش کر دیا، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا بے شک میں منجانب اللہ مامون اور مامور ہوں!
اور علی خلق لم تلف اما ولا ابا۔ کون کر فرمایا یہ بھی درست ہے اس نے کہاں ماں
باپ کو اس دین میں دیکھا ہے۔

بحیر نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھ کر روانہ کیے۔

مَنْ مَّيْلُكَ كَعَبًا فَهَلْ لَكَ فِي النَّبِيِّ تَلُومٌ عَلَيْهَا بِاطْلًا وَهِيَ أَحْزَمُ
ہے کوئی کہ جو کعب کو یہ پیام پہنچا دے کیا تجھ کو اس ملت و مذہب میں داخل
ہونے کی رغبت ہے تو مجھ کو ناحق ملامت کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ نہایت محکم اور
صواب ہے۔

اَللّٰهُ لَا الْعُزْزٰى وَلَا الْاَلٰتِ وَحْدَهُ فَتَنْجُوْا اِذَا كَانَ النُّجَاۗءُ وَتَسْلَمُ
لات اور عززی کی طرف نہیں بلکہ ایک خدا کی طرف آجاتا کہ جس وقت اہل
توحید اللہ کے عذاب سے نجات پائیں تو تو بھی نجات پائے اور اللہ کے عذاب
سے سالم اور محفوظ رہے۔

لَدٰى يَوْمٍ لَا يَنْجُوْا وَّلَيْسَ بِمَغْلِبٍ مِّنَ النَّاسِ اِنَّ طَٰهَرُ الْقَلْبِ مُسْلِمٌ
یعنی اُس دن کہ کوئی شخص نجات نہ پائے گا اور عذاب سے رہائی نہ پائے گا،
سوائے اس شخص کے کہ قلب اس کا کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہو اور
مسلمان ہو۔

فَدَيْنٌ زُهَيْرٌ وَهُوَ لَا شَيْءَ دِيْنُهُ وَدَيْنِ ابْنِ سَلْمٰى عَلٰى مُحَرَّمٍ
زہیر کا دین بلاشبہ ہیچ ہے اور میرے باپ زہیر اور دادا ابوسلمی کا دین مجھ پر حرام
ہے اس لئے کہ میں حق یعنی دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر خاص اثر ہوا اور اسی وقت ایک قصیدہ مدحیہ آپ کی شانِ اقدس میں لکھ کر مدینہ روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا یا رسول اللہ اگر کعب بن زہیر تابع اور مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا آپ اس کو امان دے سکتے ہیں آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نابکار اور سہکار میں ہی ہوں، لائیے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا چھوڑو تابع ہو کر آیا ہے۔ بعد ازاں کعب نے آپ کی شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرہا لم یفد مکبول
کعب بن زہیر جب اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مہند من سیوف اللہ مسلولہ
تو آپ نے اس وقت بردیمانی جواڑھے ہوئے تھے اتار کر کعب کو مرحمت فرمائی۔ بعد میں چل کر حضرت معاویہ نے اس چادر کو کعب بن زہیر کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خریدا۔

یہ چادر ایک عرصہ تک خفاہ اسلام کے پاس ربی عیدین کے موقع پر تبرکاً اس کو اوزھا کرتے تھے، فتنہ تار میں گم ہو گئی۔ (شرح مواہب قصہ کعب بن زہیر)

غزوہ تبوک

یومِ پنجشنبہ ماہِ رجب ۹ھ

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصارائے عرب نے ہرقل شاہِ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے، ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ ۲

۱۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ کعب نے من سیوف ابند پڑھا۔ آپ نے فرمایا اس طرح ہومن سیوف مد مسلول۔ ۲۔

۲۔ مجمع الزوائد۔ ج ۶ ص ۱۹۱۔

شام کے بنطی سوداگرزیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے ان کے ذریعہ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے جس کا مقدمہ اکیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔

اس پر آپ حضرت یونس علیہ السلام نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ ان کا مقابلہ کریں۔ بعد مسافت اور موسم گرما، زمانہ قحط اور گرانی، فقر و فاقہ اور بے سروسامانی۔ ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے گھبرا اٹھے کہ اب ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے۔

لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ! ایسی رمی میں مت نکلو۔

ایک مسخرے نے کہا لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین جمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

مؤمنین مخلصین سمعنا و طاعة کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے، سب سے پہلے صدیق اکبر نے کل مال لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل و عیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے، ابو بکر نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔ فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی لا کر حاضر کی۔ عاصم بن عدی نے سترواق کھجوریں پیش کیں۔

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سوانٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے بار بار ان کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچ سکے گا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو۔

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زاد

راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے۔ انہیں کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا
أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَاعْيَنُهُمْ
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا
يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ۔

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے کوئی سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ میں اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔

عبداللہ بن مغفل اور ابویسی عبدالرحمن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری مل گئے، رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا نہ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھر آیا اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زادراہ کا انتظام کیا۔

جب صحابہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علیؑ کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری شریف)

حدیث ”اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰی“ کی شرح

اس حدیث سے شیعہ حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور پر نور کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے، اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کا سفر میں جاتے وقت حضرت علی کو اپنے اہل و عیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا۔ اس سے حضرت علی کی امانت اور دیانت اور قرب اور اختصاص تو بے شک معصوم ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے اہل و عیال کی نگرانی اور خبر گیری اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت و دیانت اور محبت اور اخلاص پر اطمینان ہو اور عموماً فہم زہد اور داماد کو اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہو گے حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر یہ کہ حضرت علی کی یہ قائم مقامی فقط اہل و عیال کے حد تک محدود تھی اس لئے آں حضرت نے اسی غزوہ میں جاتے وقت محمد بن مسلمہ کو مدینہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا کوٹوال اور عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا امام مقرر کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت و نیابت مطلق نہ تھی بلکہ اہل و عیال کے حد تک محدود تھی اور اگر بالفرض مطلق بھی ہوتی تو غزوہ سے واپسی تک محدود تھی جیسے کوئی بادشاہ سفر میں جاتے وقت کسی کو نائب السلطنت مقرر کر جائے تو وہ نیابت واپسی تک محدود رہے گی۔ واپسی کے بعد خود بخود یہ نیابت ختم ہو جائے گی اور یہ وقتی نیابت اور وقتی قائم مقامی اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد یہی شخص بادشاہ کا خلیفہ ہوگا البتہ اس وقتی نیابت سے قائم مقام کی اہلیت اور لیاقت ثابت ہوتی ہے سو ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت علی میں خلافت کی اہلیت اور لیاقت تھی تمام اہل سنت دل و جان سے حضرت علی کی اہلیت و لیاقت کے قائل ہیں لیکن اس میں دیگر خلفاء کی اہلیت اور لیاقت کا انکار نہیں اُن کی کمال اہلیت اور لیاقت دوسری احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

پس جب کہ بادشاہ کا دار السلطنت سے نکلتے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کر جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی یہ شخص بادشاہ ہوگا

تو جو خلافت اور نیابت محض خدائی امور اور اہل و عیال کی نگرانی سے متعلق ہو اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنالینہ کمال الہی ہے۔

آں حضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لیجاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی، کسی فرد بشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بافضل اور امامت کبریٰ کی دلیل سمجھتا۔ رہا یہ امر کہ آں حضرت ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوگی لیکن تشبیہ سے تمام امور میں مساوات لازم نہیں۔ اس حدیث میں اگر حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اسارائے بدر کے بارے میں جب آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اس وقت آپ نے ابو بکر صدیق کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوہ بدر کے بیان میں مفصل گزرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا انت منی ممدولہ ہارون من موسیٰ کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے۔

الغرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (زرقانی شرح مواہب) ۱۔

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم شمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ انور پر کپڑا لٹکا دیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے اور نہ اُس سے وضو کرے سرنگوں روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور غلطی سے پانی لے لیا تھا یا اُس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا، اُن کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں

(بخاری شریف ج ۲ کتاب الانبیاء، فتح الباری ص ۲۶۸ ج ۱ و شرح مواہب ص ۴ ج ۳)

۱۔ عیون الاثر۔ ج ۲ ص ۲۱۶ ۲۔ کتاب الانبیاء و باب قول اللہ تعالیٰ والی شمود اخام صالح۔ و قولہ تعالیٰ کذب اصحاب الحجر المرسلین۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی جو کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی احاطت اور بندگی سے معمور ہیں وہاں جان و ہاں ٹھہرنا وہاں رہنا عین قربت اور عبادت اور سراسر موجب خیر و برکت اور باعث نزول رحمت ہے اس کے برعکس ان مقامات میں قصد داخل ہونا جو ایک عرصہ تک اللہ جل شانہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہوں اور وہاں اللہ کا قہر اور عذاب نازل ہوا ہو نہایت خطرناک ہے جس طرح حرم الہی میں داخل ہونے والے کے لیے یہ حکم ہے (ومن دخله کان آمناً)

اسی طرح مواقع عذاب میں داخل ہونے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے بیت الحرام خواہ کوئی اس کا طواف کرے یا نہ کرے وہ فی حد ذاته خیرات و برکات اور انوار و تجلیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اُس کے دیکھنے ہی سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دور ہوتی ہیں۔ اس سر زمین کی آب و ہوا ہی امراض روحانی کے لئے پیام شفا ہے۔ پس عجب نہیں کہ اطباء روحانی کی نظر میں مواقع عذاب کی آب و ہوا مسموم ہو اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح اور قلب کے لئے مضر ہوں۔ اس لئے آپ نے وہاں کا پانی استعمال کرنے کی قطعاً ممانعت کر دی اور جس کنویں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی۔ اس کنویں سے پانی پینے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ وہ کنواں معصیت اور غضب خداوندی کے اثر سے پاک تھا، آپ زمزم چونکہ مبارک پانی ہے امراض ظاہری اور خصوصاً امراض باطنی کے لئے اکسیر ہے اس لئے اس کے پینے کی تاکید فرمائی کہ جس قدر پی سکوپو جو بدنصیب اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی پر تل گئے یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہ حقیقت میں جانور اور بہائم بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں کما قال تعالیٰ أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

اس لئے آپ نے اُس آئے کے متعلق جو قوم شمود کے پانی سے گوندھا گیا تھا یہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے ایسا پانی جانوروں کے مزاج کے مناسب ہے انسانوں کے مناسب نہیں۔ الغرض جس وقت آپ اس سرزمین عذاب سے گزرے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس مقام کی زہریلی آب و ہوا کا اثر صحابہ پر نہ ہو جائے اس لئے اُس سے حفاظت کے لئے ایک تریاق تجویز فرمایا وہ یہ کہ اس مقام سے سرنگوں اور روتے ہوئے گزر جائیں۔ یعنی تشفع اور تضرع گریہ و زاری اور اپنے گنہوں پرند مت اور شرمساری اس جیسے مقام کی

زہریلی آب وہو اسے بچنے کے سے تریاق اور اسیر کا حکم رکھتی ہے۔ انجکشن مینے کے بعد اگر طاعونی محلہ سے گزر جائے تو اندیشہ نہیں۔ اسے دوستوں، رگاہ خداوندی میں گریہ و زاری تو بہ اور شرمساری گنہوں کا ایسا قوی اور زبردست انجکشن ہے کہ سخت سے سخت زہریلا مادہ بھی اس کے بعد باقی نہیں رہ سکتا سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ قَالَ تَعَالَى وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ وَ سَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ظالموں کی طرف میلان اور ظالموں کے مکانات میں سکونت بھی موجب عتاب ہے۔

حجر پھینچ کر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے، اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوائے طیے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا۔ جو ایک مدت کے بعد مدینہ پہنچے۔

یہ بیہقی اور ابن اسحاق کی روایت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا۔ ممکن ہے کہ دو واقعے ہوں یا ابن اسحاق اور بیہقی کی روایت میں راوی کا وہم ہو واللہ اعلم۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا سخت پریشان تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مینہ برسا دیا جس سے سب سیراب ہو گئے وہاں سے چلے تو اثناءِ راہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا ایک منافق نے کہا کہ آپ آسمان کی تو خبریں بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ کہ جو اللہ نے مجھ کو بتلادیا ہے اور اب بالہم الہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہر ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رُک بیٹھی ہے چنانچہ صحابہ جا کر اس اونٹنی کو لے آئے۔

(رواہ البیہقی والبیہمی)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے جب اس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رُس رہا تھا، بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔

آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فوارہ بن گیا۔ جس سے تمام اشتر سیراب ہوا۔ اور معاذ بن جبل کو مٹی طب کر کے فرمایا اے معاذ اگر تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا (رواہ مسلم) ابن اسحق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے دور سے اُس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (خصائص کبریٰ ص ۳۷۳ ج ۱)

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔ لیکن آپ کا آنا بیکا نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جزبہ اور اذرح اور ایند کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو برقل کی طرف سے دومة الجندل کا حاکم اور فرمانروا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا، چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اُس کی بیوی قلعہ کے فصیل پر بیٹھے ہوئے گانائیں رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آکر ٹکر ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اتر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے دوڑے تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آپ پہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے نکلا تھا، وہ خود خالد بن ولید کا شکار ہو گیا۔

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا۔ خالد بن ولید اکیدر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سوزر ہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔ ۲

مسجد ضرار

بیس روز قیام کے بعد آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے، جب آپ مقام ذی اوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہا جاتا ہے تو آپ نے مالک بن دحشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلائے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا، واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اسی کے بارہ میں اُتری ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا
ضَرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِينَ وَارْصَادًا لِّمَنْ
حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ
وَلِيُخَلِّفُنَّ إِنَّ أَرْضَنَا إِلَّا الْحُسْنَى
وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا
تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا الْمَسْجِدُ أَتَيْتَسَّ
عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ
أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رَجَالٌ
يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ۔

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو
ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے
اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور
قیامگاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ
جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی سے
برسرِ پیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری
نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ
گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ
اس مسجد میں جا کر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔
البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ
پر رکھی گئی۔ یعنی مسجد قبا وہ واقعی اس اُلق ہے
کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس میں
ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے
ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سونیم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا۔ جس میں منافقین جمع ہو کر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جا کر اس مکان کو نذر آتش کیا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقانِ جمال نبویؐ، ہتھابِ نبوت و رسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبہ شوق میں پردہ نشینانِ حرم بھی نکل پڑیں لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے۔

طبع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعاً للہ داع
ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا: ہذہ طابۃ یہ مدینہ طیبہ ہے اور

جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا:

ہذا جبل یحبنا و نحبہ
یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔

آخر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے، اول مسجد نبویؐ میں جا کر ایک دو گانہ ادا فرمایا نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے بعد ازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (شرح مواہب)

یہ آخری غزوہ تھی جس میں آپ حضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔

متخلفین!

آپ حضرت ﷺ جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین مخلصین بھی آپ کے ہمراہ تبوک روانہ ہوئے منافقین کا ایک گروہ شرست سے رہ گیا لیکن چند مومنین مخلصین فدا کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمتھوئے بشریت رومی اور لوقا کایف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

ابوذر غفاری کا اونٹ، غر اور دبلا تھا اس نے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں اونٹ کھاپی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ہوں گا۔ جب اس اونٹ سے نا اُمید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لاد لیا اور پاپیادہ روانہ ہوئے اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے آپ نے دیکھ کر فرمایا رحم فرما، اے اللہ ابوذر پر اکیلا چلا آ رہا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، ربذہ میں تنہا وفات پائی کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے عبداللہ بن مسعود کوفہ سے واپس آ رہے تھے، انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔

معجم طبرانی میں ابوخیثمہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدت کی گرمی تھی۔ ایک دن دوپہر میں میرے اہل خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لے کر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکا یک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تولد اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوں۔ اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا جب شکر سامنے گیا تو آپ نے دُور سے دیکھ کر فرمایا ابوخیثمہ آ رہا ہے میں نے عرض خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ انہیں مؤمنین صحنین میں سے کعب بن مالک اور مرارة بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔ صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جا ملوں گا۔ اسی میں دیر ہو گئی اور قندہ دُور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذریں کہیں آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کیئے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

(مغازی ابن عساکر میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض

کیا اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ خدائی قسم میں نہ منافق ہوا اور نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں آپ نے فرمایا پیچھے کیوں (رہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھ ہوتا تو باتیں بنا کر اُس کے غصہ سے نکل جاتا، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں میں قصور وار ہوں آپ نے فرمایا اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے، اچھا اس وقت جاؤ یہاں کہ تک اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے، اسی طرح مرارة بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے، چنانچہ سب نے ہم سے سلام و کلام قطع کر دیا۔ خویش واقارب دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی تو ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے دن رات ریرہ وزاری میں گزرتا، میں جوان تھا میں جماعت میں حاضر ہوتا۔ غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم تک ہو گئی۔ سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آگئی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکا یک جبل سمع سے مژدہ جانفزا سنائی دیا۔

یا کعب بن مالک ابشر ! اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے لَتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ مبارک ہو تجھ کو اللہ کا تیری توبہ کا قبول رہا۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دیئے بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی

تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا۔ خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان کبھی نہ بھواؤں گا۔ اس حضرت طلحہؓ کا چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا۔

ابشیر بخیر یوم مرّ علیک مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر
مند ولد تک امک ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنما ہے۔

کعب بن مالک جس دن اسدم میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے اُن کی توبہ قبول ہوئی جس سے اُن کے ایمان و اخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہو گئی۔ اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُطْجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔
بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می سرود
صراحی چوں شود خالی جدا پیانہ می سرود
بعد اس کے کہ ایک گروہ کے دل قریب تر نزل کے تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ متوی اور موقوف تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے

تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا تصور معاف کیا تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے، اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ رہو۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس توبہ کے شکر یہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کچھ رہنے دو۔ اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے میں اپنی توبہ کا کملہ اور تمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کرو۔ بخاری و فتح الباری ص ۸۶ ج ۸ حدیث کعب بن مالکؓ

صدیق اکبر کا امیر حج مقرر ہونا

ذی قعدة الحرام ۹ھ میں آں حضرت ﷺ نے ابو بکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مکہ مکرمہ روانہ کیا تین سو آدمی مدینہ منورہ سے ابو بکر صدیق کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے آپ کے ہمراہ لائے تاکہ لوگوں کو ٹھیک شریعت کے مطابق حج کرائیں۔ ورسورۃ براءت کی چالیس آیتیں جو نقص عہد کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اُن کا اعلان کریں جن میں یہ تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کریں اور جس سے آں حضرت ﷺ نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس کے مدت تک پورا کر دیا جائے اور جن لوگوں کے ساتھ کوئی عہد نہیں کیا گیا ان کو یوم الآخر سے لے کر چار مہینہ کی مہلت ہے صدیق اکبرؓ روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہو کہ عہد اور نقص عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہئے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں اس لئے آپ نے حضرت علیؓ کو

بایا اور اپنی ناقہ عصباً، پر سوار کر کے ابو بکر صدیق کے پیچھے روانہ کیا کہ سورہ براءت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات براءت صدیق اکبر کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علی کو آیات براءت کا پیغام سننے کے لئے روانہ فرمایا۔ صدیق اکبر نے جب ناقہ کی آواز سنی تو یہ مان ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود تشریف لے آئے تبہم نے دیکھا تو علی ہیں، پوچھا امیر المؤمنین امیر ہو کر آئے ہو یا تابع ہو کے، حضرت علی نے فرمایا۔ مامور ہوں یعنی تابع ہو کے آیا ہوں اور فقط سورہ براءت کی آیات سننے کے لئے آیا ہوں، چنانچہ لوگوں کو حج ابو بکر صدیق ہی نے کرایا اور موسم حج کے خطبے بھی انہوں ہی نے پڑھے اور حضرت علی نے صرف سورہ براءت کی آیات اور ان کا مضمون جمرہ عقبہ کے قریب یوم اخر میں کھڑے ہو کر لوگوں کو سنایا۔ حضرت ابو بکر نے کچھ لوگ حضرت علی کی امداد کے لئے مقرر کر دیئے کہ باری باری سے منادی کر دیں۔

چنانچہ یوم اخر منیٰ میں یہ منادی کر دی گئی اور لوگوں کو سنا دیا گیا کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا اور نہ سال آئندہ کوئی مشرک حج کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔ اور جس کا جو عہد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کو چار مہینہ کا امن ہے اگر اس مدت میں مسلمان نہ ہو تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا قتل کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی ذوالحلیفہ پہنچ کر ابو بکر صدیق سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے تو ابو بکر صدیق کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے اس سے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا نہیں تو تو میرا یر غار ہے، غار ثور کا ساتھی ہے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا۔ لیکن براءت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا اس لئے آیات براءت سننے کیلئے میں نے علی کو بھیجا ہے۔

واقعات متفرقہ ۹

(۱) اسی سال ماہ ذی قعدۃ الحرام میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کا انتقال ہوا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ
مَّا تَأْتِيكَ وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ
إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ۚ

اور آپ ﷺ منافقین میں سے کسی کی بھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور خدا کے نافرمان (شرح مواہب ص ۹۵ ج ۲) مرے ہیں۔

مسئلہ: کافر کے جنازہ میں شرکت اور اس کی قبر پر جا کر کھڑا ہونا قطعاً ناجائز ہے خواہ جنازہ ہندو کا ہو یا انگریز کا۔ کفر میں دونوں شریک ہیں اور شرعاً مشرک اور بت پرست کفر کتابی کے کفر سے اشد ہے۔

(۲) اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا اور بذریعہ وحی آپ کو اسی روز اس کے وفات کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(۳) اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور ایک سال بعد آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس کی حرمت کا عام اعلان فرمایا۔

(۴) اسی سال عورتوں سے لعن کا حکم نازل ہوا۔ جس کی مفصل کیفیت سورہ نور میں مذکور ہے۔

(۵) جو لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ محض اسلام کے زیر سایہ انہوں نے رہنا منظور

کیا تو ان کے حق میں اسی سال جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ قال تعالیٰ وَقَاتِلُوا الَّذِينَ لَا

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ

مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۚ

جزیہ جزاء سے مشتق ہے یعنی یہ جزاء کفر ہے بطور ذلت و حقارت آزادہ قل بالغ مرد سے لیا

جاتا ہے۔ جزیہ سے مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت اور اس کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کی

برتری اور حکمرانوں کے سامنے جھک جائے ایسے لوگوں کو اصطلاح شریعت میں ذمی کہتے

ہیں جو ذمہ سے مشتق ہے یعنی جن کی جان اور مال اور آبرو اور اُن کے حقوق کا اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کی طرح ذمہ دار ہو مگر خوب یاد رکھو کہ قرآن و حدیث نے کافروں سے جزیہ لینے کا جو حکم دیا وہ دفع اور حفاظت جان کا بدل نہیں یعنی جزیہ کا یہ سبب نہیں کہ ذمی خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور ہم دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ حفاظت تو اہل ذمہ کی عورتوں اور بچوں و بوڑھوں اور اپاہجوں اور راہبوں کی بھی کی جاتی ہے مگر ان پر جزیہ نہیں جزیہ صرف اُن لوگوں سے لیا جاتا ہے جو جہاد میں مستحق قتل تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جزیہ قتل کا بدل ہے صرف حر اور عاقل اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے اور جن لوگوں سے اس بنیاد پر معاہدہ ہو کہ طرفین کی خود مختاری محفوظ اور ملحوظ رہے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ”معاہد“ کہتے ہیں۔

۱۰۔ اہل اور عام الوفود

عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا جس کی سرداری مسم تھی۔ قریش کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا، فہم و فراست سخاوت و شجاعت میں مشہور تھے۔ بیت اللہ اور بلد حرام کے مجاور تھے۔ مگر اسلام کی مخالفت اور عداوت پر کمر بستہ تھے۔ قبائل عرب کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کہ آں حضرت ﷺ کی کیسے نبی ہوئے۔ قریش کے جوانوں نے تو ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کرتے رہے مگر بوڑھے باقی تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور بوڑھوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کر لی تو اُس وقت عرب کو معنوم ہو گیا کہ دین اسلام دین الہی ہے ضرور تمام عالم میں پھیل کر رہے گا۔ اور کوئی قوت اس کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے مکہ فتح ہوتے ہی ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور یہ قبیلہ کے دکناء اور وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے، اسلام کی حقیقت معلوم کرتے خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی ساری قوم کے مسلمان کرنے کا وعدہ کر کے واپس ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ
اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔ ۱

جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ
لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہوا جوق
در جوق دیکھ لیں تو تسبیح اور تحمید اور استغفار
میں مشغول ہو جائیے اللہ تعالیٰ بڑا توجہ
فرمانے والا ہے۔

وفود کی ابتداء تو ۸ھ کے اخیر ہی سے ہو گئی تھی لیکن زیادہ تسلسل ۸ھ اور ۱۰ھ میں
رہا۔ اس لئے ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہا جاتا ہے ابن سعد اور دمیاطی اور مغلطائی اور
عراقی نے وفود کی تعداد ساٹھ سے کچھ زیادہ بیان کی ہے مگر علامہ قسطلانی نے مواہب میں
پینتیس وفود کا ذکر کیا ہے۔ ۲

(۱) وفد ہوازن

فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس وقت آپ
جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُس وقت ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد اپنے مال اور
قیدیوں کے چھڑانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا مفصل قصہ غزوہ حنین
کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا بھی تھے۔ حضرت
حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں زبیر بن عبد المطلب کی زوجہ تھیں اس وفد کے رئیس تھے کھڑے ہوئے
اور عرض کیا یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی خالائیں اور رضاعی پھوپھیاں اور پالنے
والیاں ہیں جو کبھی آپ کو چھاتی سے لگاتی تھیں، اگر ہم نے حارث غسانی و نعمان بن منذر
کو دودھ پلایا ہوتا تو ایسی مصیبت کے وقت میں ہم اس سے ضرور امید رکھتے اور آپ تو سب
سے بہتر اور افضل مکحول ہیں اور یہ شعر پڑھے۔

أَمْسِنُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فِي كَرَمٍ فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ

یا رسول اللہ۔ اپنے کرم اور مہربانی سے ہم پر احسان فرمائیے۔ بلاشبہ آپ ایسے شخص ہیں جس سے ہم مہربانی اور کرم کے امیدوار اور منتظر ہیں۔

أَمْنُنْ عَلٰی بَيْضَةِ قَدْعَا قَهَا قَدْرٌ مُّزَقٌّ شَمْلُهَا فِي دَهْرَهَا غَيْرُ
اُس قبیلہ پر احسان فرمائیے کہ جس کی حاجتوں کو قضاء و قدر نے روک دیا
ہے۔ تغیرات زمانہ سے اُس کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا ہے۔

يَا خَيْرَ طِفْلٍ وَ مَوْلُودٍ وَ مُتَخَبٍ فِي الْعَالَمِيْنَ اِذَا مَا حَصَلَ الْبَشَرُ
اے بہترین مولود اور دفتر عالم کے انتخاب۔

اِنْ لَمْ تُدَارِكْهُمْ نِعْمَاءُ تَنْشُرُهَا يَا اَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِينَ يُخْتَبَرُ
اگر آپ کا انعام و احسان اُن کی خبر گیری نہ کرے گا۔ ہلاک ہو جائیں گے اے وہ
ذات کہ جس کا حلم اور بردباری میں سب سے پہلے بھاری ہے اور امتحان اور آزمائش کے وقت
اس کا حلم نمایاں اور ظاہر ہو جاتا ہے ہم پر احسان فرما۔

أَمْنُنْ عَلٰی نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا اِذْفُوكَ تَمْلُؤُهُ مِنْ مَحْضِهَا الدَّرَرُ
ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کا آپ دودھ پیتے تھے اور اُن کے خالص اور
بہتے ہوئے دودھ سے آپ اپنے منہ کو بھرتے تھے۔

لَا تَجْعَلْنَا كَمَنْ شَالَتْ نِعَامَتُهُ وَاسْتَبَقَ مِنَّا فَإِنَّا مَعْشَرُ زُهْرٍ
ہم کو اُن لوگوں کے، ندمت کیجیے کہ جن کے قدم اکھڑ گئے ہوں اور اپنے جو دو
کرم کے شکر و امتنان کو ہمیشہ کیسے ہم میں باقی چھوڑیے ہم شریف گروہ کسی
کے احسان کو فراموش نہیں کرتے۔

اِنَّا لَنَشْكُرُ لِنِعْمَاءِ اِذْ كَفَرْتُ وَعِنْدَنَا بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ مَذْخَرٌ
تحقیق ہم انعام اور احسان کے بہت زیادہ مشکور ہوتے ہیں جب کہ لوگ اس
کی ناشکری کریں۔

فَالْسَّ عَفْوٌ مَنْ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهُ مِنْ أُمَّهَاتِكَ اِنَّ الْعَفْوَ مُشْتَهَرٌ

پس آپ اُن ماؤں کو جن کا آپ نے دودھ پیا ہے، اپنے امان غنوں میں چھپا لیں تحقیق آپ کا غنوت مشہور ہے۔

يَا خَيْرَ مَنْ مَرَحَتْ كُمْتُ الْجِيَادِ عِنْدَ الْهَيَاجِ إِذَا مَا اسْتَوْقَدَ الشَّرَرُ
اے وہ ذات کہ جس کی سواری سے کیت گھوڑے نشاط اور طرب میں آجاتے ہیں جب کہ لڑائی کی آگ دھکائی جائے۔

إِنَّا نُؤْتِلُ عَفْوَ بِنِكَ تَلْبِسُهُ هَذِي الْبَرِيَّةُ إِذْ تَعْفُوا وَتَنْتَصِرُ
ہم آپ سے ایسے عفو کی امید لگائے ہوئے ہیں جو ان سب کو اپنے اندر چھپالے۔

فَاغْفِرْ عَفَا اللَّهُ عَمَّا أَنْتَ رَاهِبُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذْ يُهْدَى لَكَ الظُّفَرُ
پس آپ ہم کو معاف کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے اندیشوں سے محفوظ رکھے گا اور آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔

بعض روایات میں کچھ اشعار اور زیادہ ہیں تفصیل کے لئے الروض النصف ص ۳۰۶ ج ۲۔ اور عیون الاثر ص ۱۹۶ ج ۲۔ اور زرقانی ص ۳ ج ۴ کی مراجعت کیجیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ جب تم نہ آئے تب میں نے مال اور اسباب اور تمام قیدی غنمین پر تقسیم کر دیئے، اب دو چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو۔ مال و اسباب لے لو یا اپنے اہل و عیال کو چھڑالو، وفد نے کہا اہل و عیال ہم کو زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا اور میرے خاندان بنی عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تو میں نے تم کو دے دیا باقی جو حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا ہے سو اس بارے میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ آپ نے سفارش کی سب نے طیب خاطر سے تمام قیدی آزاد کر دیئے دو چار شخصوں نے کچھ تامل کیا آپ نے اُن کا معاوضہ دے دیا اس طرح وفد۔ اپنے چھ ہزار بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہوا۔

آپ کی سفارش کا مفصل واقعہ غزوہ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں اس کو مختصر کر دیا۔

(۲) وفد ثقیف

ماہ رمضان المبارک ۹ھ میں ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔

یہ وہی ثقیف ہیں کہ بنی سہل سے آپ نے اور آپ کے صحابہ نے محاصرہ طائف میں شدید تکلیف اٹھائی اور طائف کے قلعہ کو غیر مفتوح چھوڑ کر شکستہ دل مدینہ واپس ہوئے۔

جس وقت آپ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو کسی نے عرض کیا یا رسول

اللہ ان کے لئے بددعا کیجئے ان کے تیروں نے ہم کو جدا ڈالا۔ آپ نے فرمایا

اَللّٰهُمَّ اِهْدِ ثَقِيفًا وَاْتِ بِهٖم ۝ اے اللہ قبیلہ ثقیف کو ہدایت دے اور اے اللہ ان کو میرے پاس بھیج۔ (رواہ ترمذی وحسن)

آپ کی دعا قبول ہوئی اور عروہ بن مسعود ثقفی کی شہادت کے آٹھ مہینہ بعد جب آپ تبوک سے واپس ہوئے، آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چھ آدمیوں کا وفد عبدیہ لیل کی سرکردگی میں مدینہ روانہ ہوا۔ یہ تو وہ تہرہ اور سرشار تھی یا یہ جوش اور ولولہ ہے کہ خود بخود ہزار رضا و رغبت اسلام کا حلقہ بگوش بننے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی آمد سے بے حد مسرت ہوئی سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے ان لوگوں کو دیکھا دیکھتے ہی دوڑے کہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو بشارت سنائیں راستہ میں ابو بکر صدیق مل گئے ابو بکر صدیق کو جب علم ہوا تو مغیرہ کو خدا کی قسم دی اور کہا کہ مجھ کو اجازت ہے کہ میں جا کر رسول اللہ ﷺ کو یہ بشارت سنوں مغیرہ نے اجازت دے دی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر اس حضرت کو اس وفد کی آمد کا مرثیہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ کے لئے خاص مسجد نبوی میں ایک خیمہ نصب فرادیا۔ (تاکہ قرآن کو سنیں اور نماز اور نمازیوں کو دیکھیں) وفد مہربانی اور ان کی خبر گیری یہ سب خالد بن سعید بن العاص کے سپرد تھی، جب تک خالد بن سعید اس کھانے میں سے نہ ہالیتے تھے اس وقت تک وفد کے لوگ وہ کھانا نہ کھاتے تھے اور وفد کو جو کچھ آنحضرت ﷺ سے کہنا ہوتا تھا وہ انہیں کے واسطے سے کہتے تھے۔ چنانچہ وفد نے خالد کے واسطے سے عجیب شرطیں پیش کیں۔

(۱) نماز معاف کر دی جائے۔

(۲) لات (جو ان کا بڑا بت تھا) اس کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔ بچے اور عورتیں اس پر بہت مفتون ہیں۔

(۳) ہمارے بت خود ہمارے ہاتھوں سے نہ ٹوڑوائے جائیں آپ نے اول کی دو شرطوں سے قطعاً انکار کر دیا اور یہ فرمایا:

لا خیر فی دین لا صلاة فیہ

اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہ ہو۔

تیسری شرط کی بابت فرمایا یہ ہو سکتا ہے سب نے اسد م قبول کیا اور وطن واپس ہوئے عثمان بن ابی العاص جو اس وفد میں سب سے کم سن تھے ان کو امیر اور حاکم مقرر فرمایا ان کو علم اور قرآن اور اسلامی مسائل کے سیکھنے کا سب سے زیادہ شوق تھا، اس لئے صدیق اکبر کے اشارہ سے آپ نے ان کو امیر مقرر کیا۔ اور انہی کے ہمراہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو لات کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا ابوسفیان کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے مغیرہ نے جا کر بت پر پھاؤ لا مارا ثقیف کی عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پایہ ماجرا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بت کو توڑ ڈالا اور بت خانہ میں جو مال و اسباب اور زیورات تھے وہ سب لے لیے اول اس میں سے عروہ بن مسعود ثقفی کے بیٹے ابویحٰییٰ اور عروہ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچی وہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آپ نے اسی وقت اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور اللہ کا شکر کیا کہ اُس نے اپنے دین کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر کو عزت دی۔ عروہ بن مسعود کی شہادت کے بعد جب اہل طائف مسلمان ہو گئے تو وفد ثقیف کی حاضری سے پہلے ابویحٰییٰ بن عروہ اور قارب بن الاسود، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسدم ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ لات کے بت خانے سے ہمارے باپ یعنی عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کر دیا جائے عروہ اور اسود دونوں حقیقی بھائی تھے عروہ تو اسلام لائے اور شہید ہوئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ابویحٰییٰ عروہ کے بیٹے ہیں اور اسود کا فرما۔ قارب، اسود کے بیٹے ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے باپ کے قرضہ کی ادائیگی کی درخواست کی آپ نے فرمایا اسود تو مشرک مرا ہے قارب نے عرض کیا یا رسول اللہ

بے شک وہ مشرک مرا ہے مگر قرضہ تو مجھ پر ہے، آپ نے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لات کے بت خانہ سے جو مال برآمد ہوا اول اس سے ابولحیح اور قرب کا قرض ادا کرنا ہے۔

(۳) وفد بنی عامر بن صعصعہ

تبوک سے واپسی کے بعد بنو عامر بن صعصعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے، سلسلہ کلام میں ان لوگوں نے آپ سے ان لفظوں میں خطاب کیا۔ انت سیدنا آپ ہمارے سردار ہیں، آپ نے فرمایا اپنی بات کہو شیطان تمہارے ساتھ مسخرہ پن نہ کرے۔ سردار صرف اللہ ہے ظہر میں یہ تملق اختیار کیا اور درپردہ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا کہ میں جب آپ کو باتوں میں لگاؤں تو تم فوراً تلواریں سے آپ کا کام تمام کر دینا، مرنے آپ سے گفتگو شروع کی، اے محمد مجھ کو آپ اپنا مخلص دوست بنا لیجئے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں جب تک تو ایک خدا پر ایمان نہ رائے، عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھ کو کیا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اسلام لانے کے بعد تیرے وہی حقوق اور احکام ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے ہیں۔ عامر نے کہا آپ اپنے بعد حکومت اور خلافت مجھ کو عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں عامر نے کہا اچھا اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں شہر اور آبادی کی حکومت میرے لیے چھوڑ دیں۔ ورنہ میں غطفان کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا۔ اور مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا آپ نے فرمایا اللہ تجھ کو قدرت نہیں دے گا۔ گفتگو ختم ہوئی جب دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی اے اللہ عامر بن طفیل کے شر سے مجھ کو بچا۔ اور اس کی قوم کو ہدایت دے جب باہر آئے تو عامر نے اربد سے کہا افسوس میں تیرا منتظر رہا مگر تو نے جنبش بھی نہ کی اربد نے کہا میں نے جب کبھی تلوار سونے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی چیز درمیان میں حائل نظر آئی۔ ایک مرتبہ اہنی دیوار نظر آئی اور ایک مرتبہ ایک اونٹ نظر آیا جو میرے سر کو نکل جانا چاہتا ہے۔

جب یہ وفد آپ کے پاس سے واپس ہوا تو عامر بن طفیل تو راستہ میں بعارضہ طاعون ہلاک ہوا عرب میں چونکہ بستر پر مرنا عار سمجھا جاتا ہے، اس لئے عامر نے کہا مجھ کو گھوڑے پر

بٹھل دو گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اور یہ الفاظ کہے یا ملک الموت اب رزلی اے موت کے فرشتے میرے سامنے آئیے کہتا کہتا گھوڑے سے گر پڑا، اسی مقام پر اس کو دفن کر دیا گیا۔ جب وفد سرزمین بنی عامر میں پہنچا تو لوگوں نے اربد سے حالات دریافت کیے۔ اربد نے کہا آپ کا دین ہیچ ہے۔ خدا کی قسم وہ شخص (اشارہ سوئے آں حضرت ﷺ) اگر اس وقت میرے سامنے ہو تو تیروں سے اس کو قتل کر کے چھوڑ دوں۔ دو دن نہ گزرے تھے کہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا۔ فوراً ہی آسمان سے اس پر ایک بجلی گری جس سے وہ داخل فی النار والسقر ہوا۔ عامر اور اربد یہ دونوں بد نصیب دولتِ اسلام سے محروم واپس ہوئے اور وفد کے باقی اکثر افراد دولتِ اسلام سے مالا مال ہو کر واپس ہوئے۔

(۴) وفد عبدالقیس

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ بحرین کا باشندہ تھا اس قبیلہ کا وفد دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلا وفد فتح مکہ سے بھی پہلے آیا پیشتر ۵ھ یا اس سے بھی پہلے حاضر ہوا اس مرتبہ وفد میں تیرہ چودہ آدمی تھے آپ نے فرمایا۔

مرحبا بالقوم غیر خزايا ولا
یعنی خوشی سے مسلمان ہو گئے نڈر مسلمان نہیں
ندامی
ہوئے جس سے ان کو ذلت یا ندامت ہوتی۔

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اور آپ کے مابین قبیلہ مضر کے مشرکین حائل ہیں صرف اشہر حرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، جن مہینوں میں عرب لوٹ مار کو حرام جانتے ہیں اس لئے آپ ہم کو کوئی ایسا جامع اور مختصر عمل بتلا دیجئے کہ اس کے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور اہل شہر کو بھی اسی کو دعوت دیں، آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز کو قیام کرو اور زکوٰۃ دو اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ادا کرو اور چار برتنوں میں نبید بھگونے سے منع فرما دیا۔ دباۃ اور نقیر اور حنتم اور مزفت۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو دیدار نبوی کے شوق میں یہ لوگ سوار یوں سے کود پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست مبارک کو بوسہ دیا، اسی وفد میں ان شیخ عبد القیس بھی تھے جن کا نام منذر ہے یہ سب سے کم عمر تھے، انہوں نے اول تمام اونٹ بٹھلائے اور سب کا سامان ایک جگہ لگایا۔ پھر اپنے فچے میں سے دو سفید دھے ہوئے کپڑے نکالے وہ پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آپ نے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے ایک حلم اور دوسرے وقار و تمکنت۔ ان شیخ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دونوں خصلتیں مجھ میں بطور تصنع ہیں یا فطری اور جبلی ہیں آپ نے فرمایا بلکہ اللہ نے تجھ کو پیدا ہی ان خصلتوں پر کیا ہے انج نے کہا۔ الحمد للہ الذی جبّلنی علی خستین یحبہما اللہ ورسولہ۔ حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

یہ پہلی مرتبہ کا بیان تھا دوسری مرتبہ وفد عبد القیس ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا اس وقت وفد میں چالیس آدمی تھے۔ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

مالی اری الوانکم تغیرت
کیا ہوا کہ تمہاری رنگوں کو بدلا ہوا دیکھتا ہوں
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پہلے بھی
آئے تھے

(۵) وفد بنی حنیفہ ۹ھ

بنی حنیفہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں مشہور چالاک اور فتنہ پرداز مسیلمہ کذابؑ بھی تھا یہ وفد ۹ھ میں آیا مگر مسیلمہ مغرور تکبر کی وجہ سے حاضر بارگاہ نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور ثابت بن قیس بن شماس آپ کے

فتح بخاری۔ ج ۸ ص ۶۷، نزہۃ قلبی، ج ۴ ص ۱۳، ۲ یہاں سے واپس جانے کے بعد مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے یہ جموٹہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھ کو اپنا شریک کر لیا ہے ۱۲۔ ابن ہشام۔

ہمراہ تھے۔ مسیلہ نے کہا اگر آپ مجھ کو اپنی خلافت عطا فرما میں اور اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام مقرر کریں تو میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں حضور پر نور کے دست مبارک میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ چھڑی بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جو مقدر فرما دیا ہے تو اس سے سرمو تہی و زنبہیں کر سکے گا اور غالباً تو وہی ہے جو مجھ کو خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس میں تجھ کو جواب دیں گے یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے ابن عباس فرماتے ہیں میں نے ابو ہریرہ سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا خواب دکھلایا گیا۔ ابو ہریرہ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن آ کر رکھے گئے جس سے میں گھبرایا خواب ہی میں مجھ سے یہ کہا گیا کہ ان میں پھونک مارو میں نے پھونک مار دی وہ فوراً اڑ گئے جس کی تعبیر یہ ہے کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ان دو میں سے ایک کذاب مسیلہ ہوا اور دوسرا سود غسی۔ اس غسی آپ ہی کی زندگی میں قتل ہوا اور دوسرا کذاب یعنی مسیلہ صدیق اکبر کے عہد خلافت میں قتل ہوا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(فتح الباری باب وفد بنی حنیفہ ص ۷۷ ج ۸ و زرقانی ص ۱۹ ج ۴)

۱۔ اسود غسی سو۔ لہذا وہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے فیروز دہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح چند سواروں کے اس کے قتل کے سے روانہ فرمایا مرض اوفات میں اس کے قتل کی خبر پہنچی۔ عبدالرحمن ثمالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے۔

لَعْمَرِي وَمَا عَمَرِي عَلَيَّ بَهْمَيْنِ لَقَدْ جَزَعْتُ غَسَّسَ لَقَتْلِ الْأَسْوَدِ
قسم ہے میری زندگی کی (اور میری قسم مسموم قسم نہیں) قبیلہ غسّس اسود غسی کے قتل سے مجھ بھرا۔

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ سَيُرَوُّا لِقَتْلِهِ عَلَيَّ خَيْرٌ مَوْعُودٍ وَأَسْعَدُ أَشْعَدِ
رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے قتل کے لئے جاؤ اور بہترین وعدہ اور خوش نصیبی کی بشارت دی۔

فسرنا الیہ فی فوارس بُھْمَیْ عَلَيَّ حَسْبُ امْرِئٍ مِثْلِ وَصَاةِ مُحَمَّدٍ
پس ہم چند سوار اس کے قتل کے لئے روانہ ہو گئے تاکہ آپ کے حکم اور وصیت کی تعمیل ہو۔ حسن اھلبیہ فی شرح اشعار اھلبیہ ص ۳۱۳۔ عروہ کہتے ہیں کہ اسود غسی۔ اس حضرت کی وفات سے ایک دن اور ایک رات قبل مارا گیا۔ اسی وقت آپ کو بذریعہ وحی کے اس کی خبر دی گئی آپ نے صحابہؓ کو اس سے مطلع کیا۔ اس کے بعد جب بوہر صدیق خدیفہ ہو گئے تب قاصد خبر لے کر آیا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کے ذہن کے رزق صدیق سے رہا۔ (فتح الباری ص ۳۷ ج ۸ قصۃ الاسود الغسی۔)

پھر ۱۰ھ میں مسیمہ کذاب نے آپ کے پاس خط بھیجا جس کا یہ مضمون تھا۔

من مسیلمة رسول الله الى
محمد رسول الله اما بعد فاني
قد اشرکت معك في
الأمروان لنا نصف الأرض
ولقريش نصفها ولكن قريشا
لا ينصفون والسلام

مسیلمہ خدا کے رسول کی طرف سے محمد رسول
اللہ کی طرف پس میں تیرے ساتھ کام میں
شریک کر دیا گیا ہوں نصف زمین ہمارے
لیے اور نصف قریش کیلئے مگر قریش کیلئے مگر
قریش انصاف نہیں کرتے، والسلام۔

آنحضرت ﷺ نے اس کا یہ جواب لکھوایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ من
محمد رسول الله الى
مسیلمة الكذاب اما بعد
فالسلاام على من اتبع الهدى
فان الأرض لله يورثها من
يشاء من عباده والعاقبة
للمتقين

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف
سے مسیمہ کذاب کی طرف، سلام ہو اس پر
جو ہدایت کا اتباع کرے تحقیق زمین اللہ کی
ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے عطا
فرمائے اور اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں
کا ہے۔

یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد کا ہے۔

(۶) وفد طے

قبیلہ طے کا وفد جس میں پندرہ آدمی تھے۔ ماضی خدمت ہوا ان کا سردار زید النخیل تھا
آپ نے اسلام پیش کیا۔ سب نے طیب خاطر سے اسلام قبول کیا اور زید النخیل کا نام زید الخیر
رکھا اور یہ فرمایا کہ عرب میں سے جس شخص کی میں نے تعریف سنی اس کو اس سے کم ہی پایا
سوائے تیرے۔

(۷) وفدِ کندہ

کندہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اھ میں اسی سواروں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کا سردار اشعث بن قیس تھا جب یہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو چنے پہنے ہوئے تھے جن کا سنجاف ریشم کا تھا، آپ نے فرمایا کیا تم مسلمان نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کیوں نہیں بلاشبہ ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا، انہوں نے اسی وقت ان کپڑوں کو پھڑک کر پھینک دیا۔

مسئلہ: سنجاف اگر قلیل مقدار میں ہو مثلاً چار انگشت تو اس کا استعمال جائز ہے خود نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے اس کا پہننا ثابت ہے۔ غالباً اس مقام پر سنجاف حد سے متجاوز ہوگا اس لئے ممانعت فرمائی۔

(۸) وفد اشعریین

اشعریین یمن کا ایک معزز اور بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے جدا مجد اشعر کی طرف منسوب ہے۔ اشعر کو اشعر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے بدن پر بال بکثرت تھے اور اشعر صیفہ صفت ہے شعر (بمعنی بال سے) مشتق ہے جس کے معنی کثیر الشعر کے ہیں ابو موسیٰ شعریٰ اسی قبیلہ کے ہیں یہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

غدا نلقی الاحبہ

محمد او حزبہ

یعنی محمد ﷺ اور آپ کے گروہ سے

کل دوستوں سے جا ملیں گے

ادھر آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ ایک جماعت آرہی ہے جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہے، چنانچہ اشعریین کا وفد آپ کی خدمت میں پہنچا آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اہل یمن آگئے۔ جن کے دل نہایت رقیق اور نرم ہیں۔ (یعنی قساوت سے بالکلیہ پاک ہیں، فوراً حق کو قبول کرتے ہیں سنگ و خشت نہیں کہ کسی موعظت و حکمت کا ان پر اثر نہ

اشعث بن قیس آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے مگر ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر تاب ہوئے اور جنگ قادسیہ اور مدائن اور جلولاء اور نہاد میں شریک رہے ۴۰ھ یا ۴۲ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔ عیون اثر ص ۲۴۲

ہو، یہی وجہ ہے کہ ایمان یعنی ہے اور حکمت بھی یہی ہے۔ (یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان نے قلوب ایمان و عرفان کے معدن اور صنم و حکمت کے سرچشمہ ہیں) نبی امی فدا نفسی والی و امی صلی اللہ علیہ وسلم و شرف و کرم نے سچ فرمایا۔ رقت قلب ہی تمام بھدنیوں کا سرچشمہ ہے اور رقت قلب ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (عوض باللہ من اقسا قاتلین)

چونکہ اہل یمن اکثر بھریاں رکھتے ہیں اس لئے آگے ارشاد فرمایا سکون اور اطمینان و قار اور تواضع بکریوں والوں میں ہے اور فخر اور حیلہ یعنی اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اونٹ والوں میں ہے اور شرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

وفد نے عرض کیا یہ رسول اللہ ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتداء اور آغاز کو دریافت کریں آپ نے فرمایا سب سے پہلے خدا تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا (یعنی تکوین عالم کی ابتداء پانی اور عرش سے ہوئی) اول پانی پیدا کیا اور پھر عرش (پھر آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ دیا۔

نکتہ: ابن عساکر فرماتے ہیں۔ تو حید اور اصول دین اور حدوث عالم میں کلام کرنا اور مسائل کلامیہ کی تحقیق و تدقیق خاندان اشعریین میں نسا بعد نسل جاری رہی حتیٰ کہ امام ابو الحسن اشعری (جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں) میں یہ چیز خوب ظاہر اور نمایاں ہوئی اور علم کلام میں اہل سنت والجماعہ کے بلا کلام پیشوا اور امام مانے گئے۔

(۹) وفد ازد

قبیلہ ازد کے پندرہ آدمیوں کا وفد جس میں ضرذ بن عبد اللہ ازدی بھی تھے حاضر بارگاہ رسالت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرد بن عبد اللہ کو ان پر امیر مقرر کیا اور گرد و نواح کے مشرکین سے جہاد کا حکم دیا۔ سرد نے مسلمانوں کی ایک جمعیت ساتھ لے کر شہر جرش کا محاصرہ کیا اسی حالت میں جب ایک مہینہ نہ گزرا اور شہر فتح نہ ہوا تو سرد بن عبد اللہ محاصرہ چھوڑ کر واپس ہوئے اہل جرش ان کی واپسی کو ہزیمت اور شکست خیال کر کے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب جبل شکر پر پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا جس سے اہل جرش کو شکست ہوئی۔

اس مسئلہ کی ترمذی میں درکار ہے تو بخاری، فتح الباری باب بدء الخلق اور البدلیہ والنبلیہ لعی فظ ابن شکر کی پہلی جلد کی مراجعت کریں ۲۷۱ صفحہ ۲۷۱ ج ۸ ص ۵۵

اہل جرش اس سے پیشتر دو شخص تحقیق حال کے لئے مدینہ بھیج چکے تھے آپ نے ان لوگوں کو جبل شکر کے واقعہ کی اسی روز اطلاع دی جس روز یہ واقعہ پیش آ رہا تھا جب یہ لوگ واپس ہوئے اور اپنی قوم سے تمام واقعہ بیان کیا تو قوم جرش کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوئے۔

(۱۰) وفد بنی الحارث

بنی الحارث نجران کا ایک معزز خاندان تھا ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۳۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ تین روز تک دعوت اسلام دیں اس کے بعد بھی اگر نہ مانیں تو مقاتلہ کریں ان لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ خالد بن ولید نے اطراف و جوانب میں بھی مبلغین اسلام بھیج دیئے ہر جگہ لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ خالد بن ولید نے یہ خوشخبری لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ آپ حضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو لکھوا کر بھیجا کہ ان کا ایک وفد لے کر یہاں آؤ چنانچہ خالد بن ولید ان کا ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں قیس بن حصین اور یزید بن حجل اور شداد بن عبد اللہ بھی تھے جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ فرمایا:

من هؤلاء القوم الذين كانهم
رجال الهند

عرض کیا ہم بنو الحارث ہیں گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ لوگ بڑے بہادر تھے مقابل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے، اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا تم کس بناء پر لوگوں پر غالب رہتے ہو، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق رہتے ہیں آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرتے ہیں اور کسی پر ابتداء ظلم نہیں کرتے سختی اور تنگی کے وقت صبر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور قیس بن حصین کو ان پر امیر مقرر کیا۔ اور ان کے جانے کے بعد عمرو بن حزم کو تعلیم دین

اور صدقات وصول کرنے کے لئے ان کی طرف روانہ کیا۔ اور کتاب الصدقات یعنی ایک تحریر جس میں صدقات و زکوٰۃ کے احکام تھے لکھوا کر ان کو مرحمت فرمائی۔

یہ وفد ماہ شوال یا ذی قعدہ میں اپنی قوم کی طرف واپس ہوا واپسی کے بعد چار مہینے نہ گزرے تھے کہ آل حضرت ﷺ اس عالم سے رحلت فرما گئے۔ فانما دانا الیہ راجعون۔

(۱۱) وفد ہمدان

ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، آل حضرت ﷺ نے اول خالد بن ولید کو بغرض دعوت اسلام ان کی طرف بھیجا چھ ماہ ٹھہرے رہے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا بعد ازاں آپ نے حضرت علی کو والا نامہ دے کر روانہ کیا اور یہ فرمایا کہ خالد کو واپس بھیج دینا حضرت علی نے جا کر سب کو جمع کیا اور آپ کا والا نامہ سنایا اور دعوت اسلام دی ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے حضرت علی نے بذریعہ تحریر کے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی آپ نے سجدہ شکر ادا کیا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا السلام علی ہمدان

(رواہ ابی نعیم عن ابی ہریرۃ بن عازب باسناد صحیح)

یہ ۸ھ کا واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس ہوئے اس کے ایک سال بعد جب آل حضرت ﷺ تبوک سے واپس آئے تو عین اسی زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا یمن کی منقش چادریں اوڑھے ہوئے اور عدن کے عمائد باندھے ہوئے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ سے گفتگو کی آپ سے جو درخواست کی آپ نے اس کو منظور کیا اور ایک تحریر لکھوا کر دی اور مالک بن النضر کو جو اس وفد کے ارکان میں سے تھے ان کو وہاں کے مسلمانوں پر امیر مقرر کیا۔ یہ ابن ہشام کی روایت ہے اور سند اس کی ضعیف ہے۔ حسن بن یعقوب ہمدانی نے ذکر کیا ہے کہ اس وفد میں ایک سو بیس آدمی تھے واللہ اعلم۔

(۱۲) وفد مزینہ

۵ھ میں قبیلہ مزینہ کے چار سو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

ہوئے، چلتے وقت آپ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس کھانے کا سامان نہیں کچھزادراہ ہم کو عطا فرمائیے آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان کو زادراہ دے دو، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت تھوڑی کھجوریں ہیں۔ ان کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں، آپ نے فرمایا جاؤ ان کو تو شدہ دے دو۔ حضرت عمران کو اپنے گھر لے گئے سب نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی (رواہ احمد و طبرانی و البیہقی)

کثیر بن عبد اللہ الحمزنی اپنے باپ سے اور وہ ان کے جد سے راوی ہیں کہ سب سے پہلا وفد جو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مزینہ کا وفد ہے کہ جس میں چار سو آدمی قبیلہ کے آئے حافظ عراقی الفیہ السیر میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ وَفْدٍ وَفَدُوا إِلَى الْمَدِينَةِ سَنَةَ خَمْسٍ وَفَدُوا مُزَيْنَةَ

سب سے پہلا وفد جو مدینہ آیا وہ قبیلہ مزینہ کا وفد ہے جو ۵ھ میں آیا

(۱۳) وفد دوس

۷ھ میں قبیلہ دوس کے ستر اسی آدمی فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مفصل واقعہ طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام کے بیان میں گزر چکا ہے اور زرقانی ص ۳۷ ج ۳ مراجعت کی جائے۔

(۱۴) وفد نصارائے نجران

نجران۔ یمن میں ایک بہت بڑا شہر ہے مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلہ پر ہے بہتر قصبے اور گاؤں اس کے تابع اور ملحق ہیں سب سے پہلے نجران بن زید بن شجب بن عرب بن قحطان یہاں آکر آباد ہوئے اس لئے اُس کے نام سے یہ شہر موسوم ہوا۔ وہ اُحد دوجس کا ذکر بروج میں ہے۔ وہ علاقہ نجران ہی کے کسی قصبہ یا گاؤں میں تھی۔

۹ھ میں ۳ نصارائے نجران کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا جس میں میں ساٹھ آدمی تھے ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربراہان و لوگوں میں سے تھے رئیس الوفد اور

امیر قافلہ عبد المسیح عاقب تھا۔ ورسید اہم ۲ بمزولہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا اور ان کا پیر پادری جس کو خیر اور اسقف کہتے تھے وہ ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ اصل میں عرب تھا قبیلہ بکر بن وائل سے تھا، عیسائی بن گیا تھا شاہان روم اس کے عم و فضل اور مذہبی صلابت اور دینی پختگی کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں اور گرجا کا امام مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا آں حضرت ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا عصر کی نماز ہو چکی تھی کچھ دیر بعد جب ان لوگوں کی نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ سہی بہ نے روکا مگر آں حضرت ﷺ نے فرمایا پڑھنے دو چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔ دوران قیام میں مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ (فتح الباری قصہ اہل نجران ص ۳۷ ج ۸ و شرح المواہب ص ۴۱ ج ۴)

سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور اینیت کے بارے میں مباحثہ اور مکالمہ شروع ہوا

(نصارائے نجران) اُر حضرت مسیح علیہ السلام ابن اللہ یعنی خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو خوب معلوم ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

(نصارائے نجران) کیوں نہیں بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ تو خدا کے مماثل اور مشابہ ہونے چاہئیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چوں و چگوں ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

(آں حضرت ﷺ) کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا پروردگار حیُّ لَا يَمُوتُ ہے یعنی زندہ ہے کبھی اس پر موت نہیں آ سکتی ہے۔ وان عیسیٰ یأتی علیہ الفناء اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت اور فنا آنے والی ہے۔

تنبیہ: آں حضرت ﷺ کے اس جواب سے کہ (ان عیسیٰ یأتی علیہ الفناء) صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں مرے نہیں، زمانہ آئندہ میں ان پر موت اور فنا

آئے گی۔ ورنہ نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق یہ الزامی جواب دیا جاسکتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے زعم اور عقیدہ کے مطابق مقتول و مصلوب ہو چکے ہیں لہذا وہ خدا کیسے ہوئے کیا خدا بھی مقتول و مصلوب ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ اور کوئی حرف خلاف حق اور خلاف واقع نہیں نکل سکتا اس لئے جواب میں وہی ارشاد فرمایا جو بالکل حق اور واقعہ کے مطابق تھا کہ ان عیسیٰ یأتی علیہ الفداء کہ عیسیٰ علیہ السلام پر زندہ آئندہ میں موت آئے گی اور ابھی تک ان پر موت نہیں آئی بلکہ زندہ ہیں۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو معلوم ہے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کا قائم رکھنے والا تمام عالم کا محافظ اور نگہبان اور سب کا رازق ہے کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک ہیں (نصارائے نجران) نہیں۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان اور زمین میں کوئی شے پوشیدہ نہیں کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے کچھ زاد معلوم ہے جو ان کو خدا تعالیٰ نے بتلادیا ہے۔ (نصارائے نجران) بے شک۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو خوب معلوم ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور مریم صدیقہ نے ان کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں بچوں کو جنمتی ہیں اور پھر بچوں ہی کی طرح ان کو غذا بھی دی گئی۔ وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بول و براز بھی کرتے تھے۔

(نصارائے نجران) بے شک ایسا ہی تھا۔

(آں حضرت ﷺ) پھر خدا کیسے ہوئے۔

یعنی جن کی تخلیق اور تصویر رحم مادر میں ہوئی ہو اور وراثت کے بعد وہ غذا کا محتاج ہو اور بول و براز کی حاجت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

نصارائے نجران پر حق واضح ہو گیا مگر دیدہ دانستہ اتباع حق سے انکار کیا۔ اللہ عز و جل نے اس بارہ میں آیتیں نازل فرمائیں۔

(تنبیہ) وفد نجران کا غفل واقعہ حافظ ابن تیمیہ نے الجواب النجاشی ص ۵۵ ج ۲۶ ص ۶۱ میں ذکر فرمایا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت فرمیں ۱۲۔

اَلَمْ ۝ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَايَتْ اِلٰهَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّاَللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا نِقَامٍ ۝ اِنَّ اِلٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ ہے اور سارے عالم کی حیات اور وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے اس نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل کی جو تمام کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے اور قرآن سے پہلے اس نے توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کیلئے اتاری اور اس نے معجزات بھی اتارے تحقیق جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور بدلہ لینے والا ہے۔ تحقیق اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہی ہے کہ جو رحم مادر میں تمہاری صورتیں اور شکلیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ تمام مباحثہ تفسیر درمنثور ص ۲ ج ۲ بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم مفصل مذکور ہے آں حضرت ﷺ نے نصارائے نجران پر اسلام پیش کیا انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں آپ نے فرمایا تمہارا اسلام کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ تم خدا کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہو اور صلیب کی پرستش کرتے ہو۔ اور خنزیر کھاتے ہو نصارائے نجران نے کہا آپ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں کیا آپ نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ الْحَقُّ مِنْ

تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ مٹی سے ان کو پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا سو ہو گیا یہ بات اللہ کی طرف سے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۖ
 فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ
 مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
 تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ
 وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا
 وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
 لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

حق ہے پس شک کرنیو ادوں میں سے مت
 ہونا پس اس علم اور حقیقت کے بعد بھی آپ
 سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی
 جھگڑا کرے تو یہ کہہ دیجئے کہ تو بلائیں اپنے
 بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں
 اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور
 تمہاری جانوں کو اور مہبلہ کریں یعنی اللہ سے
 عجز و زاری کے ساتھ دعا مانگیں اور جھوٹوں پر
 اللہ کی لعنت ڈالیں۔

مباحلہ

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مہبلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز امام
 حسن اور امام حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء اور حضرت علی کو اپنے ہمراہ لے کر
 باہر تشریف لے آئے۔ نصارائے نجران ان مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھ کر مرعوب
 ہو گئے اور آپ سے مہبت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں اس کے بعد آپ کے پاس
 حاضر ہوں گے۔ علیحدہ جا کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ سید اسہم نے عاقب عبد المسیح
 سے کہا خدا کی قسم تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ شخص نبی مرسل ہے تم نے اگر اس سے مہبلہ کیا تو
 بالکل ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ
 کے ٹٹنے کی بھی دعا مانگیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں، خدا کی قسم تم نے ان کی نبوت
 اور پیغمبری کو خوب پہچان لیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ
 بالکل قول فیصل ہے خدا کی قسم کسی قوم نے کبھی کسی نبی سے مہبلہ نہیں کیا مگر ہلاک ہوئے
 لہذا تم مہبلہ کر کے اپنے کو ہلاک مت کرو تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو صلح کر
 کے واپس ہو جاؤ۔ بالآخر انہوں نے مہبلہ سے گریز کیا اور سارے جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ

نے فرمایا قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عذابِ اہلِ نجران کے سروں پر آگیا تھا۔ اُن پر یہ لوگ مہلبہ کرتے تو بندر اور سور بنا دیئے جاتے اور تمام وادی آگ بن کر اُن پر برتی اور تمام اہلِ نجران ہلاک ہو جاتے۔ حتیٰ کہ درختوں پر کوئی پرندہ بھی باقی نہ رہتا۔

دوسرے روز آں حضرت ﷺ نے ایک عہد نامہ تحریر کرایا۔ جس کا حاصل یہ تھا۔

(۱)۔ اہلِ نجران کو سالانہ دو ہزار حملہ ادا کرنے ہوں گے، ایک ہزار ماہِ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ہر حملہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہوگی۔

(۲)۔ اہلِ نجران پر آپ کے قاصد کی ایک مہینہ تک مہمانی لازم ہوگی۔

(۳)۔ یمن میں اگر کوئی شورش یا فتنہ پیش آجائے تو اہلِ نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریہ (مانگے) دینے ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے اور اگر کوئی شے گم یا ضائع ہوگی تو اس کا ضمان ہم پر ہوگا۔

(۴)۔ اللہ اور اس کا رسول ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، ان کے اموال و اعدا کی زمین و خاندان کے حقوق اُن کے مذہب اور ملت اور اُن کے قسب اور راہب اور ان کے خاندان اور ان کے تبعین میں کوئی تغیر اور تبدل نہ ہوگا جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا۔ ان کی سرزمین میں کوئی شکر داخل نہ ہوگا۔

(۵)۔ جو شخص ان سے حق کا مطالبہ کرے گا تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

(۶)۔ جو شخص سود کھائے گا تو میرا ذمہ اس سے بری ہے۔

(۷)۔ اگر کوئی شخص ظلم اور زیادتی کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص، خود نہ ہوگا۔

یہ اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے جب تک وہ اس پر قائم رہیں ابوسفیان بن حرب اور غیلان

بن عمرو اور مالک بن عوف اور اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ نے اس عہد نامہ پر دستخط کئے۔

نصارائے نجران یہ عہد نامہ لے کر واپس ہوئے اور چلتے وقت آپ سے یہ درخواست کی

کہ کسی امانت دار شخص کو آپ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ ہم سے مالِ صلح لے کر واپس

آئے۔ شرحِ مواہب، ج ۴، ص ۲۳۔ ازاد المعاد، ج ۳، ص ۳ اور ہدایت الحیاری فی رد السوء، انصاری ص ۳۳ میں

یہ واقعہ ہی طرح مذکور ہے۔ محمد بن حنفیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نجران سے آتے وقت پیش آیا اور

اصحاب ص ۲۹۲ ج ۳ ترجمہ میں مقدمہ ج ۱ میں بھی محمد بن حنفیہ کی روایت کے مطابق مذکور ہے۔

آجائے آپ نے فرمایا میں نہایت امانت دار شخص کو تمہارے ساتھ کروں گا یہ بہہ کر ابو عبیدہ بن الجراح کو ساتھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔

یہ لوگ آپ کا فرمان لے کر نجران واپس ہوئے جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ کی تحریر پادری کے حوالے کی، پادری اس کے پڑھنے میں مشغول ہو گیا، اسی اثناء میں ابو حارثہ کے خیر نے جس پر وہ سو رہا تھا ٹھوکر کھائی اس کے چچ زاد بھائی کرز بن علقمہ کی زباں سے نکلا تعس الابعد وہ کمبخت ہلاک ہو یعنی آنحضرت ﷺ (عیاذ باللہ) ابو حارثہ نے برہم ہو کر کہا تو ہی کمبخت ہے۔ خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہے، یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے، کرز نے کہا کہ پھر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے کہا ان بادشاہوں نے ہم کو جو کچھ مال و دولت دے رکھا ہے وہ سب واپس لے میں گے۔ کرز نے کہا خدا کی قسم میں تو اپنی ناقہ کو مدینہ ہی جا کر کھولوں گا اور نہایت ذوق شوق کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہوا۔

الیک تعدوا اقلقا و ضینہا مُعْتَرِضًا فِي بَطْنِهَا جَنِينَهَا

مخالفا دین النصارى دینہا

یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور وہیں رہ پڑے اور کسی معرکہ میں شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چند روز بعد سید ابہم اور عبد المسیح عاقب بھی مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آپ نے دونوں کو ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔

ایک ضروری تنبیہ

نجران میں دو فریق تھے ایک امنین کا اور دوسرا انصاری کا۔ فریق اول نے اسلام قبول کر لیا تھا، جیسا کہ وفد بنی الحارث کے بیان میں گزر چکا ہے اور فریق ثانی سے جزیہ پر صلح فرمائی۔ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کو نجران کی طرف فریق اول سے صدقات وصول کرنے کے لئے اور فریق ثانی سے جزیہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا یہ مطلب نہیں کہ

ایک ہی فریق سے جزیہ اور صدقہ دونوں وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تا کہ یہ اشکال ہو کہ ایک ہی فریق سے صدقہ اور جزیہ دونوں کیسے وصول کیے جاسکتے ہیں۔

(۱۵) فروة بن عمرو جذامی کی سفارت کا ذکر

فروة بن عمرو جذامی۔ شاہ روم کی طرف سے معان اور ارض شام کا عامل اور والی تھا۔ آں حضرت ﷺ نے جب اس کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو مسلمان ہو گیا اور ایک قصبہ کو کچھ ہدیہ دے کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ رومیوں کو جب فروة بن عمرو کے اسلام کی خبر ہوئی تو اُس کو پھانسی دے دی فروة کو جب پھانسی پر لٹکانے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

بَلِّغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِينَ بَانَنِي
سَلِّمْ لِرَبِّي اعْظُمِي وَمَقَامِي
مسلمانوں کے سرداروں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں مسلمان ہوں اور میری ہڈیاں اور
جائے قیام سب اللہ کی مطیع ہیں۔

(۱۶) قدوم ضمام بن ثعلبة

بنو سعد کی طرف سے ۹ھ میں ضمام بن ثعلبة آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اونٹ کو مسجد کے دروازہ کے قریب باندھ دیا اور خود مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد مبارک جو تکیہ لگائے ہوئے ہے اُس شخص نے کہ اے عبدالمطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں نے سن لیا ہے۔ اُس نے کہا میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور سختی سے سوال کر دوں گا آپ اپنے دل میں ناراض نہ ہوں، آپ نے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ اُس نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ تو گواہ ہے پھر اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی دریافت کیا کہ کیا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزوں کا اور لہزاروں سے زکوٰۃ اور صدقہ لے کر فقراء پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے آپ نے

فرمایا ہاں اے اللہ تو گواہ ہے اس شخص نے کہا آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، میں اُن سب پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا قاصد اور فرستادہ ہوں اور میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صحیح مسلم میں ہے کہ اس شخص نے یہ کہا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں کوئی کمی اور زیادتی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

مسئلہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی عالم یا کسی صاحبِ وجاہت کیلئے مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھنا جائز ہے۔

ضمام بن ثعلبہ جب آپ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کر کے ایک تقریر کی، سب سے پہلا جملہ یہ تھا انا ت اور عزیزی بہت بُرے ہیں۔

لوگوں نے کہا اے ضمام یہ لفظ زبان سے مت نکالو کہیں تم مجنون اور کوڑھی نہ ہو جاؤ۔ ضمام نے کہا افسوس صد افسوس خدا کی قسم انا ت و عزیزی تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی جس نے تم کو ان خرافات سے چھڑا دیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں آپ کے پاس سے یہ احکام سیکھ کر آیا ہوں۔ شام نہ ہونے پائی کہ قبیلہ کا کوئی مرد اور عورت ایسا باقی نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو حضرت عمر اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کسی قوم کے وفادار و قاصد کو ضمام بن ثعلبہ سے افضل اور بہتر نہیں پایا (رواہ ابن ابی حاتم) ۲

(۱۷) وفد طارق بن عبد اللہ محارب بنی محارب

طارق بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں بازار ذی الجوز میں تھا کہ ایک شخص سامنے سے یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

ایہا الناس قولوا لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ اے لوگو! لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو فلاح پاؤ گے۔
تَفْلِحُوا

اور ایک شخص اس کے پیچھے پیچھے ہے پتھر مارتا جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے۔

یا ایہا الناس انہ کذاب فلا اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔
تصدقوہ

میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا یہ بنی ہاشم میں کا ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ پتھر مارنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔

طارق بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ مدینہ ہجرت فرما گئے تو ہم مدینہ کی کھجوریں سینے کے سبب ربذہ سے چلے مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک باغ میں اترنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہوئے سامنے سے آیا اور ہم کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ ہم نے کہا کہ ربذہ سے، اس شخص نے کہا کہاں کا قصد ہے ہم نے کہا مدینہ کا، اس نے کہا کس لئے، ہم نے کہا کھجوریں خریدنے کے لئے، ہم لوگوں کے پاس ایک سُرخ اونٹ تھا۔ اس شخص نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا اس اونٹ کو اتنی کھجوروں کے معاوضہ میں فروخت کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں اتنی کھجوریں اس کے معاوضہ میں لیں گے، اس شخص نے اسی قیمت میں منظور کر لیا اور قیمت گھٹانے کی بابت کچھ نہیں کہا۔ اور اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ بغیر قیمت لیے اونٹ ایسے شخص کے حوالہ کر دیا کہ جسے ہم پہچانتے بھی نہیں۔ ان میں کی ایک ہودج نشین عورت نے کہا میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے خدا کی قسم اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کا ایک ٹکڑا تھا، یہ چہرہ کسی جھوٹے غدار کا نہیں تم گھبراؤ نہیں میں قیمت کی ذمہ دار ہوں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است رود آواز پیہر معجزہ است

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور کہا میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، آپ نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں ان کو کھاؤ اور ماپ لو ہم نے وہ کھجوریں خوب سیر ہو کر کھائیں اور پھر ماپ تو بالکل پوری پائیں۔

اگلے روز مدینہ میں داخل ہوئے آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے (غالب جمعہ کا دن تھا) یہ کلمات ہم نے سنے۔

تصدقوا فان الید العلیا خبر صدقہ اور خیرات کرو اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے
 من الید السفلی امک و اباک بہتر ہے، ماں اور باپ بہن اور بھائی اور
 واختک و اخاک و ادناک قریبی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھو۔
 ادناک لے (رواہ الترمذی والحاکم وغیرہما۔)

(۱۸) وَفْدِ تَجِیب

تجیب یمن میں قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے، قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی صدقات کا مال
 لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں
 کے فقراء پر تقسیم کر دو، انہوں نے کہا ہم وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقراء پر تقسیم کرنے
 کے بعد بچ رہا ہے صدیق اکبر نے کہا یا رسول اللہ تجیب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا آپ
 نے فرمایا بے شک ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے،
 اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے ان لوگوں نے آں حضرت ﷺ سے متعدد مسائل
 دریافت کیئے آپ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے اور حضرت بلال کو تاکید کی کہ اچھی طرح ان
 کی مہمانی کی جائے۔ چند روز ٹھہر کر واپسی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا غلٹ کیا ہے،
 انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دیدار پر انوار اور آپ کی صحبت
 سے جو فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اپنی قوم کو جا کر ان کی اطلاع دیں، آپ نے ان کو
 انعام و اکرام دے کر رخصت فرمایا۔ چلتے وقت پوچھا کہ تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔
 انہوں نے کہا ایک نوجوان لڑکا رہ گیا ہے۔ جس کو ہم نے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا
 تھا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میرے قبیلہ کے
 لوگوں کی حاجتیں پوری فرمائیں ایک میری حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ اُس
 نوجوان نے کہا کہ میں فقط اس لئے گھر سے نکلا ہوں کہ آپ میرے لئے خد تعالیٰ سے یہ
 دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا
 دے۔ آپ نے دعا فرمائی۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غَنَاهُ فِي قَلْبِهِ اِنَّ اَنْدَاسَ كُوَيْخَشِ دَسْ اُوْرَسْ پَر
 رَحْمَ فَرْمَا اور اس کے دس کوئی بنا اور اس سے بعد اس نوجوان کے سنے بھی انعام و اکرام کا حکم دیا۔
 سچے میں اس قبیلہ کے لوگ حج کے سنے آئے اور منیٰ میں آنحضرت ﷺ سے ملے تو
 آپ نے اُس نوجوان کا حال دریافت فرمایا وگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس کے زہد اور
 قناعت کا عجب حال ہے، ہم نے اس سے بڑھ کر زہد اور قناعت نہیں دیکھا۔ کتنا ہی مال و
 دولت اُس کے سامنے تقسیم ہوتا ہو مگر وہ کبھی نظر اٹھ کر نہیں دیکھتا۔ وفات کے بعد جب اہل
 یمن اسلام سے پھرنے لگے تو اس نوجوان نے وگوں میں وعظ کیا جس سے سب اسلام پر
 قائم رہے اور بحمد اللہ کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرا۔ صدیق اکبر آنے جانے والوں سے ان کا
 حال دریافت کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو زیاد بن ولید
 کو لکھ کر بھیجا کہ اس نوجوان کا خاص طور سے خیال رکھیں۔

(۱۹) وَفْدِ هُذَيم

قبیلہ ہذیم کا وفد جب مسجد نبوی میں پہنچا تو اس حضرت جعفرؓ نماز جنازہ میں مشغول
 تھے، یہ لوگ علیحدہ بیٹھ گئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تم مسلمان
 نہیں، انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر اپنے بھائی کے نماز جنازہ میں کیوں
 شریک نہیں ہوتے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جب تک ہم آپ
 سے بیعت نہ کریں اس وقت تک ہمارے سنے جنازہ وغیرہ میں شرکت جائز نہیں۔ آپ
 نے فرمایا تم مسلمان ہو جہاں بھی ہو۔ بعد ازاں ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور
 رخصت ہوئے ایک نوجوان جو سب سے کم عمر تھا اُس کو سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا
 تھا، آپ نے ہم کو واپس دیا وہ نوجوان آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہم نے
 عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم میں سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے آپ نے فرمایا:

اصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ بَارِكْ ۝ قوم میں کا چھوٹا بچہ بزرگوں کا خادم ہوتا
 اللہ علیک۔ ۝ ہے اللہ تجھ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔

چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے وہی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہوا اور پھر آپ نے اسی کو ان پر امیر اور امام مقرر کیا اور آپ کے حکم سے چلتے وقت حضرت بلال نے ہم کو انعام و اکرام دیا جب وطن واپس ہوئے تو تمام قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔

(۲۰) وفد بنی فزارہ

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد بنی فزارہ کے قریب چودہ آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے ان کے بلاد کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ خط کی وجہ سے تباہ ہیں آپ نے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی۔

(۲۱) وفد بنی اسد

دس آدمی قبیلہ بنی اسد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، اول آپ کو سلام کیا بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں بغیر آپ کے بلائے ہم خود بخود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰۤمُنُوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَمُنُوْا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُْ عَلَيْكُمْ اَنْ هٰذَا كُمْ لِاِيْمَانٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱

آپ پر اپنے اسد مانے کا احسان جلات
ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا
احسان مت جلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا
ہے کہ تم کو ایمان کی توفیق دی اگر تم سچے ہو۔

منت منہ کہ خدمت سلطان بھی کنی
منت شناس ازو کہ بخد مت بداشتت
بعد ازاں ان لوگوں نے کہانت اور رطل کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے منع فرمایا۔

(۲۲) وفدِ بہرِ آء

یمن سے قبیلہ بہراء کے تیرہ آدمی خدمت میں حاضر ہوئے مقداد بن اسود کے مکان پر ٹھہرے حضرت مقداد نے ان کے آنے سے پہلے ایک بڑے پیالہ میں حیس لے بنایا تھا جب یہ مہمان آئے تو ان کے سامنے رکھ دیا۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اُس کے بعد بھی بیٹا رہا حضرت مقداد نے اپنی باندی سدرہ کے ہاتھ یہ پیالہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور تمام اہل بیت کو کھلایا اور پیالہ واپس فرمادیا۔ جب تک مہمان مقیم رہے برابر اسی پیالہ سے دو وقت سیر ہو کر کھاتے رہے، ایک دن مہمانوں نے بطور تعجب کہا اے مقداد ہم نے سنا ہے کہ اہل مدینہ کی خوراک تو نہایت معمولی ہے اور تم ہم کو روزانہ اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانے کھلاتے ہو جو ہم کو اپنے گھر روزانہ میسر نہیں آ سکتا مقداد نے کہا یہ سب آں حضرت ﷺ کے دست مبارک کی برکت ہے اور واقعہ کی اطلاع دی، ان لوگوں کے ایمان و ایقان میں اور زیادتی ہو گئی اور کچھ روز مدینہ ٹھہر کر مسائل و احکام سیکھے اور پھر اپنے گھر واپس ہوئے۔ چیتے وقت آپ نے ان کو زور اور راہ اور انعام دیا۔

(۲۳) وفدِ عذرہ

عذرہ یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ صفر ۹ھ میں قبیلہ عذرہ کے بارہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے احسا و مرجا کہا، ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف بلا تے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف۔ بعد ازاں ان لوگوں نے فرائض اسلام دریافت کیئے آپ نے فرائض اسلام سے ان کو خبر دی، ان لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم کو دعوت دی، اس کو ہم نے قبول کیا۔ ہمیں وجہ ان سے آپ کے اعوان و انصار اور یار و مددگار ہیں یا رسول اللہ ہم تجارت کے لئے شام جاتے ہیں جہاں ہر قل رہتا ہے، کیا آپ پر اس بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا شام عنقریب فتح ہو جائے گا اور ہر قل وہاں سے بھاگ جائے

گاہ اور کابھوں سے سوال کرنے سے اور ان کا ذبیحہ کھانے سے منع فرمایا اور کہا تم پر فقط قربانی ہے، چند روز رہ کر واپس ہوئے، چلتے وقت آپ نے ان کو بدایا اور تاحی نف عطا فرمائے۔

(۲۴) وفدِ بکلی

۹ھ ربیع الاول میں وفدِ بکلی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسدم ہوا آپ نے فرمایا الحمد للہ الذی ہدانا لهذا لئلا نضلوا فکل من مات علی غیر الاسلام فهو فی النار۔

رکس الوفد ابو الضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مہمانی کا شوق ہے کیا اس میں میرے لئے کوئی اجر ہے، آپ نے فرمایا ہاں اس میں بھی اجر ہے، غنی ہو یا فقیر جس پر بھی تو احسان کرے وہ صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مہمانی کی مدت کتنی ہے، آپ نے فرمایا مہمانی تین دن ہے، اس کے بعد صدقہ ہے، مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے، تین روز ٹھہر کر یہ لوگ واپس ہوئے، آں حضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو زادراہ عطا فرمایا۔

(۲۵) وفدِ بنی مُزہ

تبوک کے بعد ۹ھ میں بنی مُزہ کے تیرہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حارث بن عوف سردار وفد تھے، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ ہی کے قوم کے ہیں بوی بن غالب کی اولاد سے ہیں، آپ مسکرائے اور بدکا حال دریافت کیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قحط سالی کی وجہ سے حالت تباہ ہے، آپ نے اسی وقت بارش کے لئے دعا فرمائی۔ جب یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ جس روز رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اسی روز پانی برسا اور تمام بلادِ سرسبز اور شاہاب ہو گئے، چلتے وقت ہر ایک کو آپ نے دس دس اوقیہ چاندی اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

(۲۶) وفدِ خولان

۱۰ھ میں یمن سے قبیلہ خولان کے دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے

رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے، دروازے سے سفر طے کر کے زیارت کے شوق میں حاضر ہوئے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا یہ سفر ضائع نہیں ہوا ہر قدم پر تمہارے لئے نیکی ہے جو شخص میری زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوا قیامت کے دن وہ میری پناہ اور امان میں ہوگا۔ بعد ازاں خوان کے بت (جس کا نام عم نسل تھا) کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیا ہوا۔ وفد نے عرض کیا الحمد للہ آپ کی ہدایت و تعظیم اُس بت پرستی کا غم البدن ہو گئی۔ سوائے چند بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں کے کوئی بوجھ و امان نہیں رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ اب واپسی کے بعد اس کا نام نشان ہی باقی نہ چھوڑیں گے۔

اُس حضرت ﷺ نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور یہ نصیحت فرمائی کہ عہد کو پورا کرنا۔ امانت کو ادا کرنا۔ پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا اور رخصت کے وقت بارہ اوقیہ چاندی ان کو عطا فرمائی، واپسی کے بعد سب سے پہلے کام یہ کیا کہ اس بت کو منہدم کیا۔

(۲۷) وفد محارب

اس قبیلہ کے لوگ نہایت تند خو اور درشت مزاج تھے۔ جب آپ حضرت ﷺ مکہ میں ایام حج میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے تو یہ لوگ نہایت سختی سے آپ کے ساتھ پیش آتے۔ اس قبیلہ کے دس آدمی اپنی قوم کے وکیل بن کر ۱۰ھ میں حاضر خدمت ہوئے اور مشرف باسدم ہوئے ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کے مقابلہ میں میرے ساتھیوں میں مجھ سے زیادہ کوئی سخت اور اسدم سے دور نہ تھا میرے ساتھی مر گئے اور صرف میں زندہ ہوں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو باقی رکھا تا آنکہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی آپ نے فرمایا دل اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے میرے لئے دُعا اور استغفار فرمائیے کہ میں نے جو کچھ آپ کی شان میں گستاخی کی اللہ اس کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسدم، کفر کو اور جو کچھ کفر کی حالت میں ہوا ہے سب کو اٹھا دیتا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے۔

(۲۸) وَفْدُ صُدَّاءِ ۸ھ

۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجر بن ابی امیہ کو صنعاء کی طرف اور زیاد بن لبید کو حضرموت کی جانب اور قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی کو چار سو سواروں کے ہمراہ قحطی کی جانب روانہ فرمایا اور قیس بن سعد کو یہ بھی حکم دیا کہ یمن کے علاقہ صُدَّاء پر بھی ضرور گزریں زیاد بن حارث صُدَّاء کی کو جب اس کا علم ہوا تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ لشکر کو واپس بلا لیں میں اپنی قوم کے اسلام کا کفیل اور ذمہ دار ہوں آپ نے قیس بن سعد کو واپس بلا لیا، زیاد بن حارث صُدَّاء کی پندرہ آدمیوں کا وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، آپ نے زیاد سے مخی طرب ہو کر ارشاد فرمایا، اے زیاد تیری قوم تیری بہت مطیع اور فرمانبردار ہے، زیاد نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی، بیعت کر کے یہ لوگ واپس ہوئے، تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ سو آدمی حجۃ اوداع میں شریک ہوئے۔

(۲۹) وَفْدِ غَسَّانِ

ماہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں غسان کے تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں، آنحضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو زور اور راہ اور جائزہ عطا فرمایا چونکہ ان کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اپنے اسد کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ دو آدمی تو اسی حالت میں وفات پا گئے اور تیسرے شخص جنگ یرموک میں ابو عبیدہ سے جا ملے اور ان کو اپنے اسلام کی اطلاع دی، ابو عبیدہ ان کا بہت اکرام و احترام کرتے تھے۔

(۳۰) وَفْدِ سَلَامَانَ

ماہ شوال ۱۰ھ میں قبیلہ سلیمان کے سات آدمیوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا قحطی سالی کی شکایت کی، آپ نے ہاتھ اٹھ کر دعا فرمائی۔ بعد ازاں زاد

رہ اور جائزہ دے کر آپ نے ان کو رخصت فرمایا گھر میں پہنچ کر معلوم ہوا جس روز اور جس وقت آپ نے دعا فرمائی تھی اسی وقت یہاں پانی برسنا

(۳۱) وَفْدِ بَنِي عَبَسَ

بنی عبس کے تین آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کو ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بغیر ہجرت کے مقبول اور معتبر نہیں۔ ہمارے پاس کچھ مال اور موسیقی ہیں جن پر ہمارا گزارا ہے۔ اگر اسلام بغیر ہجرت کے مقبول نہیں تو پھر ایسے مال میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے ہم سب کو فروخت کر دیں اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں آپ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا للہ حیث کنتم فلن ۱ اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی رہو اللہ تمہارے یلتکم اللہ من اعمالکم شیئا ۲ اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا۔ ۳

(۳۲) وَفْدِ غَامِد

غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ۱۰ھ میں دس آدمیوں کا ایک وفد آیا اور بقیع میں اترے اور سامان پر ایک بڑے کو چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ سامان پر کس کو چھوڑا، وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک کم عمر لڑکے کو چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا کہ ایک تھیلہ چوری ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص بویا یا رسول اللہ تھیلہ تو میرا تھا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ مل گیا ہے یہ لوگ اپنے سامان کے پاس پہنچے معصوم ہوا کہ لڑکا سو گیا تھا جب بیدار ہوا اور دیکھ کہ تھیلہ نہیں تو اس کی تلاش میں نکلا، دُور سے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جب یہ اس طرف بڑھا تو وہ شخص اس کو دیکھ کر بھگا۔ اس مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ زمین کھدی ہوئی ہے اس میں سے وہ تھیلہ برآمد ہوا ہم نے کہا ب شک آپ اللہ کے رسول برحق ہیں ابی بن کعب کو حکم دیا کہ ان کو قرآن سکھائیں اور چلتے وقت شرائع اسلام مکھوا کر ان کو عطا فرمائے اور حسب معمول جائزہ دیا ۳

(۳۳) وَفْدِ اَزْد

قبیلہ ازد کے سات آدمیوں کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، آپ کو ان کی وضع اور

ہیئت اور ان کا سکون و وقار پسند آیا۔ دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ وفد نے عرض کیا ہم مؤمن ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ وفد نے کہا وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن میں سے پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت سے کار بند ہیں آپ نے ارشاد فرمایا وہ باتیں کوئی ہیں جن پر میرے مبلغین نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے، وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں کہ (۱) ایمان لائیں اللہ پر۔ (۲) اور اس کے تمام فرشتوں پر۔ (۳) اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں پر۔ (۴) اور اس کے تمام پیغمبروں پر۔ (۵) اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یعنی قیامت اور یوم آخرت پر آپ نے فرمایا وہ پانچ باتیں کوئی ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

(۱) لا الہ الا اللہ کہتے رہیں۔ (۲) نماز کو قائم رکھیں۔ (۳) زکوٰۃ ادا کریں۔ (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ (۵) اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

آپ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کوئی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت میں کار بند تھے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

الشکر عند الرخاء والصبر	راحت اور فراخی کے وقت شکر اور مصیبت
عند البلاء والرّضی بمر	کے وقت صبر اور تسخّ قضاء پر بھی راضی رہنا اور
القضاء والصدق فی مواطن	مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور دشمنوں کی
اللقاء وترك الشّماتة	مصیبت پر خوش نہ ہونا۔ آں حضرت ﷺ
بالاعداد فقال رسول اللہ	نے فرمایا بڑے حکیم اور عالم ہیں تفقہ اور سمجھ
صلی اللہ علیہ وسلم حکماء	کی وجہ سے مقام نبوت سے بہت قریب
علماء کا دوا من فقہہم ان	ہیں، پھر ارشاد فرمایا میں تم کو پانچ خصلتیں اور

نکلتے آپ۔۔۔ ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ حدیث مقام نبوت سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ فقیہ مقام نبوت سے قریب اور نزدیک ہے، حافظ حدیث کی مثال اس عاشق کی سی ہے کہ جس نے محبوب سے الفاظ عینہ یا کمر لے لئے اور فقیہ کی مثال اس فہیم اور سمجھدار محب جان نثار کی ہے کہ جو اپنے محبوب کے اشاروں اور کنایوں و اس کے رموز و اشاروں کو خوب سمجھتا ۲

يَكُونُوا أَنْبِيَاءُ ثُمَّ قَالَ وَأَنَا زَيْدٌ
 كَمْ خَمْسًا فَيْتَمُّ لَكُمْ عَشْرُونَ (۱) جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ کرو (۲)
 خَصْلَةٌ أَنْ كُنْتُمْ كَمَا تَقُولُونَ جس میں رہنا نہ ہو اس کو بناؤ نہیں (۳) اور
 فَلَا تَجْمَعُوا مَالًا تَاكُلُونَ و جس چیز کو کھل چھوڑ کر جانے والے ہو اس میں
 لَا تَبْنُوا مَالًا تَسْكُنُونَ وَلَا ایک دوسرے پر حسد نہ کرو (۴) اور اس خدا
 تَنَافَسُوا فِي شَيْءٍ أَنْتُمْ عَنْهُ غَدَا سے ڈرو کہ جس کی طرف تم کو لوٹنا اور اس کے
 تَزُولُونَ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ سامنے پیش ہونا ہے (۵) اور اس چیز میں
 تَرْجِعُونَ وَعَلَيْهِ تَعْرَضُونَ رغبت کرو جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے یعنی
 وَارْغَبُوا فِي مَا عَلَيْهِ تَقْدَمُونَ و وارغبوا فیما علیہ تقدسون و
 فِيهِ تَخْلُدُونَ۔

یہ لوگ آپ کی وصیت کو لے کر واپس ہوئے اور اس کو خوب یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

(۳۴) وَفَدَ بَنِي الْمُتَشَفِقِ

یہ وفد بارگاہ نبوی میں صبح کے بعد حاضر ہوا اتفاق سے اس روز آنحضرت ﷺ نے صبح کو جمع کر کے ایک طویل، عریض خطبہ دیا جس میں حشر و نشر اور جنت و جہنم کے احوال بیان فرمائے خطبہ سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس ہوئے مفصل خطبہ تقریباً دو ورق میں ہے جس کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے۔

(۳۵) وَفَدِ نَخْعِ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ

نخع یمن کا ایک قبیلہ ہے، یہ محرم احرام اللہ کے درمیانی عشرہ میں اس قبیلہ کے دو سو آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک شخص زرارۃ بن عمرو بھی تھے، انہوں نے اس سفر میں متعدد خواب دیکھے جو آنحضرت ﷺ سے بیان کیے اور آپ نے ان کی تعبیر دی مجملہ ان کے ایک یہ خواب دیکھ کہ زمین سے ایک آگ نمودار ہوئی ہے جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہوئی۔ درود آگ یہ پکار رہی ہے۔

لظی لظی بصیر و اعمیٰ میں آگ ہوں میں آگ ہوں کوئی پینا اور
اطعمونی اککم اہلکم کوئی پینا مجھ کو کھانے و در میں تم کو کھاؤں و
و مالکم تم کو کھاؤں کی تمہارے اہل کو اور ماں کو۔

آپ نے فرمایا ایک فتنہ ہوگا جس میں لوگ اپنے ام اور خلیفہ کو قتل کریں گے بدکار اپنے
کو نیوکاں سمجھے گا مؤمن کا قتل پانی پینے سے زیادہ لذیذ ہوگا، اُسرتیہ ایسا پہلے مر گیا تو اس فتنہ کو
پائے گا۔ اور اگر تو پہلے مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔ زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا
سے دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا انتقال ہوا اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا فتنہ پیش آیا۔ زرارہ
کا بیٹا باغیوں کے ساتھ تھا۔ اللہ اعلم (زاد المعاد ص ۵۹ ج ۲ زرقانی ص ۱۰ ج ۴)

۱۰ھ یمن میں تعلیم اسلام

۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کے
لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے روانہ فرمایا مگر دونوں کو ایک جگہ نہیں بھیجا۔ ابو
موسیٰ کو یمن کی مشرقی سمت میں اور معاذ کو مغربی سمت یعنی عدن اور جند کی اطراف و اکناف
میں تعلیم و تبلیغ کا حکم دیا۔

سریہ خالد بن ولید بسوئے نجران

۱۰ھ ہجری کی ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاول میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید
کو ایک سریہ کا سردار مقرر کر کے نجران اور اس کے اطراف و جوانب کی طرف روانہ فرمایا اور
خالد کو یہ حکم دیا کہ قتال سے پہلے تین بار دعوت اسلام دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم

بھی ان کے اسلام کو قبول کرنا، راہِ روہ دعوتِ اسلام کے قبول کرنے سے انکار کر دیں تب ان سے قتال کرنا لیکن خالد بن ولید جب نجران پہنچے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے بے چون و چرا سمع و طاعت اسلام قبول کیا، خالد بن ولید ٹھہر گئے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے لگے اور ایک خط کے ذریعہ آں حضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آں حضرت ﷺ نے جواب میں یہ تحریر لکھ کر نجران کے قبیلہ بنی حارث بن کعب کا وفد ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔ آپ کی تحریر کے مطابق خالد بنی حارث کا وفد لے کر مدینہ حاضر ہوئے آپ نے ان کو نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ ٹھہرایا شروع ماہ ذی قعدہ ۱۰ھ میں جس وقت یہ لوگ مدینہ سے نجران واپس ہونے لگے تو آپ نے ان پر قیس بن حصن کو سردار مقرر کیا اور وفد کی روانگی اور واپسی کے بعد عمرو بن حزم کو بغرض تعلیم فرائض و سنن و احکام اسلام و وصوں صدقات ان کا عامل بنا کر، انہ کیا اور ایک فرمان لکھ کر ان کو عنایت کیا، وہ ہوندا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یہ عہد نامہ ہے محمد رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے لئے جب ان کو یمن کی طرف عامل مقرر کر کے بھیجا، ان کو حکم دیا کہ تمام امور میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے اور ان کو حکم دیا کہ حق کو مضبوط پکڑیں جیسا کہ اللہ کا حکم ہے اور لوگوں کو خیر کا حکم دیں اور خیر کی بشارت سنائیں۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے معانی سمجھنے کا طریقہ بتلائیں اور لوگوں کو منع کر دیں کہ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت کے

هٰذَا بَيَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا
بِالْعُقُودِ عَهْدٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ
رَسُولِ اللّٰهِ لَعَمْرُؤِ بْنِ حَزْمٍ جِئْتُمْ
بِعَثَّةٍ إِلَى الْيَمَنِ أَمْرُهُ بِتَقْوَى اللّٰهِ
فِي أَمْرِهِ كَلَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ
اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ وَ
وَأَمْرُهُ أَنْ يَأْخُذَ بِالْحَقِّ كَمَا
أَمَرَهُ اللّٰهُ وَأَنْ يُبَشِّرَ النَّاسَ
بِالْخَيْرِ وَيَأْمُرَهُمْ بِهِ وَيُعَلِّمَ
النَّاسَ الْقُرْآنَ وَيَفْقَهُهُمْ فِيهِ، وَ
يَنْهَى النَّاسَ فَلَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ
إِنْسَانٌ إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ وَيُخْبِرُ

الناس بالذی لهم والذی علیهم ویلین للناس فی الحق ویستد علیهم فی الظلم فان الله کره الظلم ونهی عنه فقال الالعة الله علی الظالمین و یبشر الناس بالجنة و بعملها و یبذر الناس النار و عملها ویستالف الناس حتی یفقهوا فی الدین و یعلم الناس معالم الحج و سنته و فریضته و ما امر الله به و الحج الا کبر الحج الا کبر و الحج الا صغر هو العمره و ینهی الناس ان یصلی احد فی ثوب صغیر الا ان یکون ثوباً یشنی طرفیه علی عاتقه و ینهی الناس ان یحتسب احد فی ثوب واحد یفضی بفرجه الی السماء و ینهی ان یعقص احد شعر راسه فی قفاه و ینهی اذا کان بین الناس هیج عن الدعاء الی القبائل و العشائر ولیکن دعواهم الی الله عزوجل وحده لا یشریک له فمن لم یدع الی الله و دعا الی القبائل و العشائر

ہاتھ نہ لگائے اور لوگوں کو ان کے منافع اور مضار سے باخبر کریں حق اور راہِ راست پر چلنے میں لوگوں پر نرمی کرنا اور ظلم کرنے کی حالت میں ان پر سختی کرنا تحقیق اللہ جل شانہ نے ظلم کو حرام کیا ہے اور اس سے منع کیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر اور لوگوں کو جنت کی بشارت دینا اور اعمالِ جنت سے خبر دینا اور جہنم سے ڈرانا اور اعمالِ جہنم سے آگاہ کرنا اور لوگوں کو اپنے سے مانوس بنانا تاکہ لوگ تم سے دین سمجھ سکیں اور لوگوں کو فرائض اور سنن اور احکام حج اور احکام عمرہ کی تعلیم دینا اور نماز کے متعلق لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ کوئی شخص چھوٹے کپڑے میں اس کو پشت پر ڈال کر نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ وہ اس قدر کشادہ ہو کہ اس کے دونوں مونڈھوں کو ڈھانک لیں اور لوگوں کو اس طرح کپڑا پہننے سے منع کر دیں کہ تسمان کے نیچے اس کی شرم گاہ کھلی رہے، اور اس سے منع کر دیں کہ کوئی شخص سردی کی جانب میں بالوں کا جوڑا نہ باندھے اور اس سے منع کر دیں کہ جب آپس میں لڑائی ہو تو قبیلہ اور خاندان قوم اور وطن کے نام پر نصرت اور حمایت کے لئے کوئی نعرہ نہ لگائیں بلکہ

فلیقطعوا بالسيف حتی تكون
 دعواهم الى الله وحده
 لا شريك له ويا امر الناس
 باسباغ الوضوء وجوهمهم و
 ايديهم الى المرافق وارجلهم
 الى الكعبين ويمسحون
 برؤوسهم كما امرهم الله وامر
 بالصلاة لوقتها واتمام الركوع
 والسجود والخشوع ويغسل
 بالصبح ويهجر بالهاجرة حين
 تميل الشمس وصلاة العصر
 والشمس في الارض مدبرة
 والمغرب حين يقبل الليل لا
 يؤخر حتى تبدو النجوم في
 السماء والعشاء اول الليل
 وامر بالسعي الى الجمعة اذا
 نودي لها والغسل عند
 الرواح اليها وامر ان يأخذ من
 الغنائم خمس الله وما كتب
 على المؤمنين في الصدقة من
 العقار عشر ما سقت العين
 وسقت السماء وعلى
 ما سقى الغرب نصف العشر و
 في كل عشر من الابل
 شاتان وفي كل عشرين

ایک خدا کی طرف اور اس کے حکم کی طرف
 آنے کی لوگوں کو دعوت دیں اور جو شخص اللہ
 کی طرف نہ بلائے بلکہ قبیلہ اور خاندان
 یعنی قوم اور وطن کی طرف بلائے تو ان کی
 گردنوں کو تنوار سے سہلایا جائے یہاں
 تک کہ ان کا نعرہ اور آواز اللہ وحدہ
 لا شریک لہ کے دین کی طرف ہو جائے
 یعنی قبیلہ اور خاندان اور قوم اور وطن کے نعرہ
 سے باز آجائیں اور لوگوں کو وضو کو پورا
 کرنے کا اور نماز اپنے وقت میں ادا کرنے
 کا حکم دیں اور نماز رکوع و سجود پوری طرح
 کریں اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا
 کریں اور صبح کی نماز غس (تاریکی) میں
 پڑھیں اور ظہر کی نماز زوال کے بعد
 پڑھیں یعنی زوال سے پہلے نہ پڑھیں اور
 عصر کی نماز اس وقت پڑھیں کہ جب
 آفتاب زمین پر اپنی دھوپ ڈال رہا ہو اور
 غروب کی طرف جا رہا ہو اور مغرب کی نماز
 رات کے آتے ہی پڑھیں اور اس قدر
 تاخیر نہ کریں کہ ستارے نکل آئیں اور
 عشاء کی نماز رات کے اول ثلث میں
 پڑھیں اور جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو
 دوڑ کر مسجد پہنچیں اور جمعہ میں جانے سے
 پہلے غسل کریں اور یہ حکم دیا کہ مال غنیمت

اربع شياه وفي كل اربعين
 من البقر بقرة وفي كل ثلاثين
 من البقر تبع جذع او جذعة و
 في كل اربعين من الغنم
 سائمة وحدها شاة فانها
 فريضة الله التي افترض على
 المؤمنين في الصدقة فمن زاد
 خير افهو خير له وانه من
 اسلم من يهودى او نصرانى
 اسلا ما خالصا من نفسه و
 دان بدين الاسلام فانه من
 المؤمنين له مثل مالهم و
 عليه مثل ما عليهم و من
 كان على نصرانيته او يهوديته
 فانه لا يرد عنها وعلى كل
 حالم ذكرا و انثى حرا و عبد
 دينار و اف او عوضه ثيا باقمن
 اذى ذلك فان له ذمة الله و
 ذمة رسوله و من منع ذلك
 فانه عدو لله و لرسوله و
 للمؤمنين جميعا صلوات الله
 على على محمد و السلام
 عليه و رحمة الله و بركاته۔

میں سے اللہ کا حق خمس نکال لیں اور
 مسلمانوں کی زمین کی پیداوار میں سے صدقہ
 وصول کریں جس زمین کو چشمہ کے پانی یا
 بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں
 عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) واجب ہے اور
 جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا
 گیا ہو۔ اس میں نصف العشر ہے یعنی
 پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے اور دس
 اونٹوں میں دو بکریاں واجب ہیں اور بیس
 اونٹوں میں چار بکریاں واجب ہیں اور
 چالیس گایوں میں ایک گائے اور تیس گائے
 میں ایک تبع اور چالیس بکریوں میں ایک
 بکری زکوٰۃ واجب ہے، یہ اللہ کا فرض ہے جو
 اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر فرض کیا ہے اور جو
 فريضة سے زیادہ دیدے تو وہ اس کے لئے
 اور بہتر ہے اور جو یہودی یا نصرانی سچے دل
 سے دین اسلام کو قبول کرے تو وہ اہل ایمان
 میں سے ہے اور اس کے حقوق اور احکام وہی
 ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور جو اپنی یہودیت
 یا نصرانیت پر قائم رہے اور اسلامی حکومت کی
 رعایا بن کر رہنا منظور ہو۔ مرد ہو یا عورت
 آزاد ہو یا غلام ہو ہر بالغ پر جزیہ کا دینا یا اس کے
 عوض کیڑے دینا

اس پر لازم ہوگا۔ پس جو شخص جزیہ ادا کر دے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں رہے گا۔ یعنی اس کی جان اور مال اور آبرو سب محفوظ رہے گی۔ اور جو شخص جزیہ دینے سے انکار کرے وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنین کا دشمن ہے اللہ کی صلاۃ و سلام اور رحمتیں اور برکتیں ہوں محمد رسول اللہ ﷺ پر۔

سریہ علی کرم اللہ وجہہ بسوئے یمن

آں حضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے ماہ رمضان ۱۰ھ میں حضرت علی کو تین سو آدمیوں پر سردار مقرر کر کے یمن کی جانب روانہ فرمایا اور خود اپنے دست مبارک سے حضرت علی کے سر پر عنامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے عنامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ کے سامنے لٹکایا۔ اور بقدر ایک بالشت پیچھے چھوڑا اور یہ فرمایا کہ سیدھے چلے جاؤ کسی اور جانب توجہ مت کرنا اور وہاں پہنچ کر ابتداء بالقتال نہ کرنا۔ اول ان کو اسد م کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کر میں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ خدا کی قسم تیرے ہاتھ سے ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ دنیا وہ فیہا سے بہتر ہے حضرت علی، تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام قناۃ میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور اسی جگہ سے صحابہ کی مختلف ٹولیاں، مختلف جوانب میں روانہ کیں شکر اسد م کے سوار سب سے پہلے علاقہ مذحج میں داخل ہوئے اور بہت سے بچے اور عورتیں اور اونٹ اور بھریاں پکڑ کر اسے ان تمام غنائم کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا بعد ازاں ایک دوسری جماعت سے مقابلہ ہوا حضرت علی نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اسد م قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے تب حضرت علی نے ان پر حملہ کیا جس میں ان کے بیس آدمی مارے گئے اور یہ لوگ منتشر ہو گئے حضرت علی نے کچھ وقفہ کے بعد پھر ان کا تعقب کیا اور دوبارہ ان کو اسد م کی دعوت دی، ان لوگوں نے اسد م کی

دعوت کو اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی قبول کیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہم صدقات جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کریں گے۔

بعد ازاں حضرت علی نے مال غنیمت کو جمع کیا اور خمس نکال کر باقی چار خمس غامین پر تقسیم فرما دیئے اور اپنے بجائے کسی کو لشکر کا امیر مقرر کر کے عجلت کے ساتھ اپنے رفقاء سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، کیونکہ حضرت علی کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ آں حضرت ﷺ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اس لئے حضرت علی یمن سے سیدھے مکہ مکرمہ پہنچے اور آں حضرت کے ساتھ حجتہ الوداع میں شریک ہوئے۔

حجۃ الوداع

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آچکی مکہ فتح ہو گیا۔ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو چکے کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو چکی و فود اور قبائل دور و دراز سے آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے فرائض نبوت ادا ہو چکے احکام اسلام کی تعیم قولاً اور عملاً مکمل ہو گئی۔ ۹ھ میں ابو بکر صدیق کو بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکلیہ پاک کر دیا گیا۔

اب وقت آ گیا کہ آں حضرت ﷺ حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ امت کو ہمیشہ کے لئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج میں اول سے آخر تک توحید و تفرید تھا اور کلمات شریکہ اور رسوم جاہلیت سے بالکلیہ پاک اور منزہ تھا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ تلبیہ میں ”لا شریک لک“ کا لفظ خاص طور پر کہتے تاکہ شرک کا ایہام بھی باقی نہ رہے۔ اس طرح تلبیہ کہتے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، ان الحمد وَالنَّعْمَةَ لَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ہجرت سے پیشتر آں حضرت ﷺ نے متعدد حج فرمائے ہیں جامع ترمذی میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کیے، ابن اثیر نہایہ میں فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے آپ ہر سال حج کیا کرتے تھے ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح علم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کتنے حج کیے بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا۔

۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اس سال آپ نے صدیق اکبر کو امیر الحج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اس سال مسلمانوں نے صدیق اکبر کی زیر امارت حج ادا کیا۔ ماہ ذی القعدة الحرام ۱۰ھ میں آپ نے خود بنفس نفیس حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف و اکناف میں اعلان کر دیا گیا کہ اس سال آنحضرت ﷺ حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں، چنانچہ ۲۵ ذی القعدة محرم یوم شنبہ ۱۰ھ ظہر اور عصر کے درمیان میں آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے مہاجرین و انصار اور اصحاب جاں نثار کے بے شمار گروہ آپ کے ہمراہ تھے شمع نبوت کے ارد گرد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے بھی زائد پروانوں کا مجمع تھا ۴ ذی الحجہ الحرام یکشنبہ کے دن آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (شرح المواہب ص ۱۰۵ ج ۳)

ازواج مطہرات و بیبیاں اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء آپ کے ہمراہ تھیں اور دیگر خواص اور خدام خاص بھی ہمراہ تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کو آپ نے ماہ رمضان المبارک میں صدقات وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا وہ مکہ میں آپ سے آئے۔ بعد ازاں آپ نے منسک اور ارکان حج ادا فرمائے اور میدان عرفات میں ایک طویل خطبہ پڑھا۔ اول خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا۔

اے لوگو جو میں کہتا ہوں وہ سنو غالباً سال آئندہ تم سے منانہ ہوگا۔ اے لوگو تمہاری جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ساقط ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جو بنی ہذیل پر ہے معاف کرتا ہوں جاہلیت کے تمام سود و ساقط اور لغو ہیں تمہارے لیے صرف رأس المال ہے۔

سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا ربو و ساقط اور باطل کرتا ہوں۔ بعد ازاں زوجین کے باہمی حقوق بیان فرمائے پھر فرمایا کہ میں تم میں ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، تلاؤ کیا جواب دو گے، صحابہ نے عرض کیا ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک اللہ کا پیام پہنچا دیا اور خدا کی امانت ادا کی

اور امت کی خیر خواہی کی آں حضرت ﷺ نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا:

اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ! اے اللہ تو گواہ رہ۔

آپ خطبہ سے فارغ ہوئے اور حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی، ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔ بعد ازاں آپ خداوند ذوالجلال کی حمد و ثناء کر اور شکر استغفار اور دعاء میں مشغول ہو گئے اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا لِّ (فتح الباری و شرح الموہب) پسند کیا۔

۱۰ ذی الحجۃ الحرام کو منیٰ میں پہنچ کر آں حضرت ﷺ نے (۶۳) اونٹ بقدر عمر شریف کے خود اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے اور (۳۷) اونٹ حضرت علی نے آپ کی طرف سے قربانی کیے۔

آں حضرت ﷺ نے منیٰ میں تقریباً اسی مضمون کا خطبہ دیا۔ جو عرفات میں دیا تھا اخیر میں طواف الوداع کر کے اخیر ذی الحجۃ میں عازم مدینہ ہوئے اور منیٰ میں سر مبارک منڈانے کے بعد موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا تا کہ حضرات صحابہ کرام بطور تبرک ان کو اپنے پاس رکھیں چونکہ آپ کو اس حج کے بعد حج کی نوبت نہیں آئی اور منیٰ اور عرفات کے خطبوں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔ اور اس حج کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حج فرض ہونے کے بعد اسلام میں یہ پہلا حج تھا۔

حجۃ الوداع کے واقعات اگر تفصیل سے بیان کیے جائیں تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہے اس لئے اس مقام پر انتہائی اجمال سے کام لیا گیا۔ حضرات اہل علم زاد المعاد اور شرح الموہب کی طرف رجوع فرمائیں۔

خطبہ غدير خم ۱

جب آپ حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدہؓ اسلمی نے حضرت علیؓ کی کچھ شکایت کی۔ آپ نے غدير خم پر (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) ایک خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے اور میں اس دعوت کو قبول کروں، اشارہ اس طرف تھا کہ وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا۔ من كنت مولاه فعلي مولاه جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔ خطبہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علیؓ کو مبارکباد دی۔ اور حضرت بریدہؓ کا قہقہہ آپ سے صاف ہو گیا اور جو کدورت تھی وہ زائل ہوئی۔ اس خطبہ اور ارشاد سے آں حضرت ﷺ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ حضرت علیؓ اللہ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں اُن سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے اور اُن سے بغض اور عداوت یا نفرت اور کدورت سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔

حدیث کا مقصد فقط حضرت علیؓ کی محبت کا وجوب اور اس کی فرضیت بیان کرنا ہے۔ امت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں اور معمولی عقل وادرا سمجھ سکتا ہے کہ محبت اور خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ محبت تو والدین اور ادا اور بیبیوں اور سب دوستوں۔ سب ہی سے ہوتی ہے کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے، حضرت عباس اور حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب ہی آپ کے محبوب نظر اور نور بصر ہونے کے علاوہ حضور پر نور کے لخت جگر بھی تھے اگر محبت، دلیل خلافت ہے تو امام حسن پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں بلکہ اگر قرب قرابت پر نظر کی جائے اور یہ کہا جائے کہ خلافت کا دار و مدار قرب قرابت پر ہے تو اس لحاظ سے مقدم حضرت فاطمہ الزہراءؓ ہیں اور پھر امام حسنؓ اور پھر امام حسینؓ اور پھر درجہ چہارم میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرات شیعہ کے مسک پر بھی حضرت علیؓ خلیفہ چہارم ہی بنتے ہیں اگر اہل سنت

نے ان کو خلیفہ چہارم بنایا تو شکوہ کیوں ہے۔ نیز جس وقت غدیر خم پر آپ نے یہ خطبہ دیا، اس وقت صحابہ کرام اور اہل بیت بھی موجود تھے کسی نے بھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ حضور کے بعد حضرت علی خلیفہ بلا فصل ہوں گے اور پھر دو وہ کے بعد آں حضرت ﷺ کی وفات ہوگئی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیر بحث آیا جس میں وہ صحابہ بھی شریک تھے کہ جو غدیر خم کے اس خطبہ میں حاضر تھے۔ کسی نے بھی اس حدیث کو امامت علی کے لئے استدلال میں پیش نہیں کیا اور نہ حضرت علی نے اور نہ حضرت عباس نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی شخص نے کسی وقت بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش کیا۔

غرض یہ کہ غدیر خم کے خطبہ میں آں حضرت ﷺ نے حضرت علی اور اہل بیت اور عترت کی محبت کا حکم دیا ہے ورنہ ان کی دشمنی سے منع فرمایا۔ سوا الحمد للہ تمام اہل سنت والجماعت بہ ہزار دل و جان اہل بیت کی محبت اور تعظیم کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں مگر شیعوں کی طرح بے عقل نہیں کہ محبت کو دلیل امامت سمجھنے لگیں، محبت تو اہل بیت کے ہر فرد سے لازم ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور پر نور کے تمام قریبی رشتہ داروں کو امام اور خلیفہ بنائے لگیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی

آں حضرت ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ ۱۰؎ ختم ہو کر ۱۱؎ شروع ہو گیا۔

جبریل امین کی آمد

حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ روز بعد جبریل امین ایک غیر معروف شکل میں سفید کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ نبوت میں تشریف لائے اور آپ کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دوزنوں ہو کر بیٹھ گئے اور ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت اور ملاقات قیامت کے متعلق سوالات کیے اور آپ نے جوابات دیئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کہ یہ کون شخص تھا۔ صحابہ دیکھنے کے لئے نکلے مگر کوئی نشان نہ پایا آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم کو دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے اور میں ان کو ہمیشہ پہچان لیتا تھا لیکن آج نہیں پہچانا۔

نکتہ: نبی اکرم ﷺ نے جبریل امین کو سدرۃ المنتہیٰ اور اُفقِ مبین پر اصلی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ کما قال تع: وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ۔ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ اور اس کے علاوہ بے شمار مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے۔ جبریل امین جس لباس اور جس صورت میں بھی آپ کے پاس آتے تو آپ پہچان لیتے کہ یہ حقیقت جبریل ہے جو اس صورت میں جلوہ افروز ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدتِ رامی شناسم
تو خواہی جامہ خواہی قبہ پوش بہر رنگے ترا من می شناسم
مگر اس مرتبہ ایک اعرابی اور بدوی کی صورت میں سائل بن کر مسائل پوچھنے آئے سفیر
خداوندی ہونے کی حیثیت سے کوئی پیغام خداوندی لے کر نہیں آئے اس لئے آپ نے
ابتداء جبریل امین کو نہ پہچانا جبریل امین کے مجلس سے اٹھنے کے بعد آپ نے ان کو پہچانا اس
لئے کہ سائل کی صورت میں نمودار ہوئے تھے۔ سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت سے وحی اور
پیغام الہی لے کر نہیں آئے تھے ورنہ ضرور پہچانتے۔
شیخ عطار فرماتے ہیں

جبریل از دست او شد خرقہ دار
در لباس و جبہ شد زان آشکار

آخری فوج ظفر موح

سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

۲۶ صفر المظفر ۱۰، و شنبہ ۱۱ کو آپ ﷺ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام اُبنا کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا، یہ وہ مقام ہے جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا اور جس میں حضرت اسامہ کے والد، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے۔ یہ آخری سریہ تھا اور آپ کی فرستادہ فوجوں کی آخری فوج تھی اسامہ بن زید بن حارثہ کو

آپ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں مہاجرین اولین اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو روانگی کا حکم دیا۔

چار شنبہ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، پنجشنبہ کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا اور یہ فرمایا۔

اغز باسم اللہ و فی سبیل اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے اللہ فقاتل من کفر باللہ۔ کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

حضرت اسامہ نشان لے کر بابر تشریف لائے اور بریدہؓ اسلمی کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جُرف میں جمع کیا اور تمام جلیل القدر مہاجرین و انصار بسرعت وہاں آکر جمع ہو گئے۔ حضرت عباس اور حضرت علیؓ تو آپ کی تیمارداری کی غرض سے مدینہ واپس آ گئے اور ابو بکر و عمر، اسامہ سے اجازت لیکر آپ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ جمعرات کے روز جب مرض میں شدت ہوئی اور آپ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لاسکے تو ابو بکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور اپنی جگہ ان کو امام مقرر کیا فوج مقام جُرف میں جمع تھی جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دو شنبہ کی صبح کو جب آپ کو سکون ہوا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سمجھے کہ حضورؐ پر نور اچھے ہو گئے تو حضرت اسامہ نے روانگی کا قصد کیا اسی تیاری میں تھے کہ حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن نے آدمی بھیجا کہ آپ حالت نزع میں ہیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ یہ خبر قیامت اثر کانوں میں پہنچی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تمام مدینہ میں تہلکہ مچ گیا اور سب افتاں و خیزاں مدینہ واپس آئے بریدہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نشان لا کر حجرہ مبارکہ کے دروازہ پر نصب کر دیا، آپ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ باوجود مخالفت کے ہمیشہ اسامہ کو روانہ کیا اور جُرف تک خود مشایعت کے لیے گئے۔ اس طرح ہمیشہ اسامہ روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد مظفر و منصور واپس آیا۔ معرکہ میں جو بھی مقابلہ پر آیا اس کو تیغ کیا اور اپنے باپ (زید بن حارثہ) کے قاتل کو قتل کیا اور چھتے وقت ان کے مکانات اور باغات کو نذر آتش کیا۔ صدیق اکبر نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبویؐ میں شکر کا دو گانا ادا کیا اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔

سفر آخرت کی تیاری

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد اس حضرت ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع فرمادی اور تسبیح و تحمید اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گئے۔

سب سے پہلے جس سے اس حضرت ﷺ کو اپنی وفات کا قریب آجانا منکشف ہوا وہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِيْ
دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

بسم اللہ الرحمن الرحیم
جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ
لوگوں کو دیکھیں کہ اللہ کے دین میں جوق در
جوق داخل ہو رہے ہیں تو اب اللہ کی تسبیح و
تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے
تحقیق اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

یعنی جب فتح و نصرت آچکی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور کفر اور شرک کا سرچل
دیا گیا اور تو حید کا علم سر بند ہوا، اور حق کو باطل کے مقابلہ میں فتح مبین حاصل ہوئی اور لوگ
فوج کی فوج دین مبین میں داخل ہو گئے اور دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچ گیا اور دین کی تکمیل ہوئی تو
آپ کے دنیا میں بھیجنے سے جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ کا جو کام تھا وہ کر چکے، اب
ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجئے۔ بیت اللہ کا حج (زیارت) کر چکے، اب رب البیت کے
حج (زیارت) کی تیاری کیجئے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لئے دنیا میں بھیجا تھا وہ کام
ختم ہو گیا جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا اب اس کے پاس واپس ہو جائیے اور اس کے
پاس جانے کی تیاری کیجئے۔ یہ عام فنی آپ کے رہنے کی جگہ نہیں آپ جیسی ارواح مقدسہ
کے لئے ملا، اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ کا حق اور اتصال مناسب ہے۔

چنانچہ آپ اٹھتے اور بیٹھتے اور آتے جاتے یہ پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا
وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ اور کبھی

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ پڑھتے اور کبھی یہ پڑھتے
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ -

یہ تمام روایتیں تفسیر درمنثور ص ۴۰۸ ج ۶ میں مذکور ہیں۔ (سورۃ النصر)

آں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ سے ایک بار فرمایا کہ جبریل امین ہر رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس رمضان میں دو مرتبہ دور فرمایا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے، ہر سال آپ رمضان المبارک میں ایک عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

حجۃ الوداع میں جب یہ آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ النِّعَ نازل ہوئی تو آپ اشارۃ خداوندی کو سمجھ گئے۔

منجھائے کمال نقصان است گل بریزد بوقت سیرابی
اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ شید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں اور پھر غدرِ خم کے خطبہ میں فرمایا کہ میں بشر ہوں۔ (اور بشر کے لئے خلود و دوام نہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ) شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لئے آجائے اسی بناء پر حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ایک دن آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی جیسا کوئی کسی سے رخصت ہوتا ہو بقیع سے واپس آ کر مسجد میں منبر پر جموہ افروز ہوئے اور خطبہ دیا کہ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں تاکہ تمہارے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کروں اور میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اپنے اسی مقام پر حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیوں دے دی گئی ہیں اور مجھ کو اپنے بعد اس کا اندیشہ نہیں کہ (تم مجموعی طور پر) سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی پہلے کی طرح پوری قوم مشرک بن جائے، یہ اندیشہ نہیں البتہ خوف یہ ہے کہ تم دنیا کی حرص اور طمع اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔

علالت کی ابتداء

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ایک بار شب کو اٹھے اور اپنے غلام ابو موسیٰ بہہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہو گیا، سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔

یہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا، اسی حالت میں آپ باری باری ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے، جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے۔ دوشنبہ کے روز حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آئندہ دوشنبہ کو حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ تیرہ یا چودہ روز آپ علیل رہے جس میں سے آخری ہفتہ کی تیرہ رکاری عائشہ صدیقہ کے حصہ میں آئی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل امین سورۃ نصر یعنی اذ جاء نصر اللہ الخ لے کر نازل ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اے جبریل اس سورۃ میں مجھے اپنی موت کی اطلاع دی گئی ہے، جبریل امین نے کہو لِّلْاَحْسَرَةِ حَبْرُ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی، رواہ الطبرانی من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲

ثناء علالت میں آپ کو اسود غنسی اور مسیلمہ کذاب اور طہیجہ اسدی مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی، آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود غنسی کی سرزنش کے لئے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ آپ کی وفات سے ایک روز پیشتر اسود غنسی قتل کیا گیا۔ ۳

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ مرض الوفات میں یہ فرماتے تھے کہ یہ اُسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور پھر اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے۔ عائشہ صدیقہ

فرماتی ہیں کہ میں آپ کی آخری علالت میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی، مگر برکت کے لئے آپ ہی کا دست مبارک آپ کے بدن پر پھیر دیتی۔

حضرة سيدة النساء فاطمة الزهراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رونا اور ہنسنا

اسی بیماری میں آپ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور سرگوشی کی حضرت فاطمہ رو پڑیں اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو ہنس پڑیں، عائشہ صدیقہ کہتی ہیں۔ کہ ہم نے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ کہا کہ اول آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے اس سال دو مرتبہ دور کیا میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی یہ سن کر میں رو پڑی بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی حضرت سیدہ اس عالم سے رحلت فرما گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب بقیع سے تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا تو اس حالت میں میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔ وارأساہ۔ ہائے میرے سر۔ کہ تو اب چلا یعنی شاید اس تکلیف میں موت آجائے۔ آپ نے فرمایا۔ بل انسا اقول وارأساہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔ مطلب یہ تھا کہ میرے سر میں شدید درد ہے شاید یہی درد میری موت کا پیش خیمہ ہو اور اس کے بعد فرمایا اے عائشہ اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو تیرا کیا نقصان ہے۔ میں تیرے کفن اور دفن کا انتظام کروں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تیرے لئے دعاء مغفرت کروں گا۔ عائشہ صدیقہ نے (بطور ناز) فرمایا گویا کہ آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگر میں اس جہان سے رخصت ہوگئی تو آپ اسی روز میرے ہی گھر میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کرنے والے ہوں گے مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد آپ مجھے بھول جائیں گے اور دوسری بیبیوں میں مشغول ہو جائیں گے، آپ یہ سن کر مسکرائے کہ یہ غافلات المؤمنات میں سے ہے، اسے خبر نہیں کہ میں ہی دنیا سے جا رہا ہوں اور یہ میرے بعد زندہ رہے گی۔

واقعہ قرطاس

وفات سے چار یوم پیشتر بروز پنجشنبہ جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ حجرہ نبوی میں حاضر تھے، ان سے فرمایا کاغذ قلم دوات لے کر آتا کہ تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھو اور اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے، حضرت عمر نے کہا کہ آپ بیمار ہیں۔ درد کی شدت ہے ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے) کافی ہے، بعض نے حضرت عمر کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ دوات قلم لاکر لکھو ایسا چاہیے۔ ورنہ یہ کہا، اھَجَرَ اسْتَفْهِمُوہ۔ کیا آپ نے بیماری کی شدت اور غفلت اور بیہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو اور ہذیان کی بات ہی ہے خود آپ سے دریافت کر لیجئے آپ اللہ کے نبی و رسول ہیں، آپ کی زبان اور دل خطا اور غلط سے معصوم اور مامون ہے معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں کہ جو بیماری کی حالت میں وہی بتائی ہوئے مکتے ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس زبان سے (کسی حالت میں) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

یہ جملہ (ابجرا استفہموہ) حضرت عمر کا مقولہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جن کی رائے حضرت عمر کے خلاف تھی، حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ حضور پر نور کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ جن کی رائے یہ تھی کہ دوات قلم لاکر لکھو ایسا جائے ان لوگوں نے حضرت عمر کے جواب میں یہ کہا ابجرا استفہموہ۔ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور پر نور حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھو ایسا جائے۔ معاذ اللہ حضور پر نور کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغویات کا نکلنا ناممکن ہے اسی وجہ سے ان لوگوں نے ابجرا بطور استفہام انکاری الزما کہا۔ خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بدون حرف استفہام آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہیں اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور و شغب ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ مجھ کو میرے حل پر چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں وہ

بہتر ہے اس سے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو، بعد ازاں باوجود اس تکلیف کے آپ نے لوگوں کو تین چیزوں کی زبانی وصیت فرمائی۔

(۱) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو یعنی جزیرہ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے۔

(۲) دُندو کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی بدیہ وقفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو جائزہ دیا کرتا تھا۔

(۳) تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا راوی بھول گیا۔ (بخاری، مسلم)

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا۔ یا

میرے بعد میری قبر کو بست اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔ یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا حیاں رکھنا۔!

ف۔ معلوم نہیں کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی انہی کے لکھوانے کے لیے کاغذ قلم و دوات منگوا رہے تھے یا ان کے علاوہ تھیں، والتداعلم۔

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس بیماری کی حالت میں) یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر اور اُن کے فرزند (عبدالرحمن) کو بلا نے کے لئے کسی کو بھیج دوں اور اُن کو وصیت کر دوں اور اُن کو اپنا ولی عہد بنا دوں تاکہ کہنے والے سمجھ کہہ نہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ سوائے ابوبکر کے کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان بھی سوائے ابوبکر کے اور کسی کی خدفت کو قبول نہیں کریں گے اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے۔

مَعَاذَ اللَّهِ اِنْ يَخْتَلِفَ النَّاسُ
عَلَىٰ اٰمِي بَكْرٍ

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کا دلی منشا یہ تھا کہ آپ کے بعد بوکر خلیفہ ہوں لیکن آپ نے قضاء و قدر اور اجماع پر چھوڑ دیا کہ قضاء و قدر سے یہی ہوگا کہ بوکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمانوں کے اہل حل و عقد کے اجماع اور اتفاق سے اُن کی خلافت منعقد ہوگی اور سب مسلمان انہی کی خلافت پر متفق ہوں گے۔ امام بخاری کے کلام

سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صدیق اکبر کی خلافت نکھوانا مراد ہے، اس لیے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمہ رکھا وہ یہ ہے، ”باب الاختلاف“ معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے، دیکھو زرقانی ص ۲۶۰ و قسطلانی ص ۲۶۰ ج ۱ و فتح الباری ص ۷۷ ج ۱۳

جس مجلس میں قرطاس کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے اس حضرت ﷺ نے یہ فرما دیا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ پیغمبر خدا کے سامنے اختلاف اور شور مناسب نہیں لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی شدت میں کچھ آفاقہ ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو۔ اور میں لوگوں کو وصیت کر سکوں، چنانچہ حسب الحکم آپ پر پانی کی سات مشکیں ڈالی گئیں اسی طرح غسل سے آپ کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی، یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ وفات سے پانچ شب یعنی چار روز پہلے تھا۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس حساب سے یہ خطبہ جمعرات کے روز ارشاد فرمایا۔ ۳

آخری خطبہ

الغرض آپ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر رونق افروز ہوئے حق جل شانہ کی حمد و ثناء کے

۱۱۱۱۱ کی روایت میں ہے کہ یہ سات مشکیں مدینہ کے سات مختلف کنوؤں سے بھری گئی تھیں، کہ انی الا تحف شرح
۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲
الخمیس قبل ان یقصر علیہ السلام بخمس أيام خطبة عظيمة من فيها فضل الصديق
من سائر الصحابة مع ما كان قد نص عليه ان يؤم الصحابة اجمعين كما سيأتي بيانه مع
حضورهم كلهم ولعل خطبته هذه كانت عوضا عما اراد ان يكتبه في الكتاب وقد
اعتسل عليه الصلاة والسلام بين يدي هذه الخطبة الكريمة فصبا عليه من سبع قرب
لم تحلل او كبتهم وهذا من باب الاستشفاء كما وردت به الاحاديث في غير هذا
لموضع والمقصود انه عليه الصلاة والسلام اعتسل ثم خرج فصلی بالباس ثم خطبهم
كما تقدم في حديث عائشة كذا في البداية والنهاية ص ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲ ۲۸۸ ج ۲

بعد سب سے پہلے اصحاب احد کا ذکر فرمایا اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی۔ پھر مہاجرین کو منیٰ طیب کر کے فرمایا کہ تم زیادہ ہونگے اور انصار کم ہوں گے، دیکھو انصار نے مجھ کو ٹھکانہ دیا ان میں کا جو محسن اور نیکو کار ہو اس کے ساتھ احسان کرو اور ان میں سے جو غلطی کر گزرے تم اس سے درگزر کرنا۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا خدا کے پاس کی نعمتوں یعنی آخرت کو اختیار کرے لیکن اُس بندہ نے خدا کے پاس کی نعمتوں کو یعنی آخرت کو اختیار کر لیا۔ ابو بکر چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ اُس بندہ سے حضور پر نور ہی مراد ہیں سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے فرمایا اے ابو بکر ٹھہر! اور قرار پکڑو۔ پھر مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے، اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیئے جائیں! ایک ابو بکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے جان و مال صحبت و رفقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے مجھ پر ابو بکر ہیں۔ ابو بکر سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کر دی سوائے ابو بکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی اس کو قیامت کے دن دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوائے کسی کو اپنا جانی دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن اُن سے اسلامی اخوت اور موذت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اس اخوت اور موذت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں! ۲

الغرض آپ نے اس خطبہ میں صدیق اکبر کے وہ فضائل و کمالات بیان کیے جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و ہم نہ تھا تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیلت اور برتری عیاں ہو جائے اور آپ کے بعد ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ کر سکے اور اسی کی تاکید کے لئے

۱۔ اور سعد بن لی وقص رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے ہیں بند کر دینے چاہیے مگر میں ۵ دروازہ کھلا رہے۔ روہ احمدی کہتا ہے۔ سو جانا چاہیے۔ یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی یعنی ابتدائے حیات کا، بعد از صدیق اکبر ۵ دروازہ کھلا رہے۔ اس وقت وہ رسول کے بعد

۲۔ ابداً ایہ النہدیہ۔ ج ۵، ص ۲۲۹، فتح الباری، ج ۱، ص ۱۰، اتحاف شریعہ، ج ۱، ص ۱۰، ج ۱، ص ۲۸

افضل العبادات یعنی نماز کی امامت اُن کے سپرد کی، چنانچہ صحابہ نے ابو بکر سے بیعت کرتے وقت یہی کہا کہ اللہ کے رسول نے جس شخص کو ہمارے دین (نماز) کے لئے پسند فرمایا، ہم ان کو اپنی دنیا (خلافت و امارت) کے لئے کیوں نہ منتخب اور پسند کریں۔

پھر اسی خطبہ میں یہ فرمایا کہ جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ (ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ منافقین تھے) اسامہ کی امارت اور سرداری پر معترض ہیں کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا۔ گاہ ہو جاؤ کہ انہی لوگوں نے اس سے پہلے اس کے باپ (زید) کی امارت اور اس کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اس کا باپ زید بھی امارت اور سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔

اور یہ فرمایا کہ عنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، مقصود آپ کا اپنی امت کو آگاہ اور خبردار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اور فرمایا، اے وہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوف زدہ ہو کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں (مَا قَالِ تَعَالٰی وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ وَمَا مَحْمُودٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِّنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے منے وال ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے منے والے ہو، میں مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کریں۔ اور مہاجرین اولین کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالْعَصْرُ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ وَتَوَّصَّوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّصَّوْا بِالصَّبْرِ

اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسامہ اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ اور مکانوں اور

زمینوں اور باغوں اور پھلوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور باوجود فقر و فاقہ کے تم کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ (کما قال تعالیٰ وَیُؤْتِرُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ)

اور فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آکر ملو گے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔

اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے جہاں

آنحضرت ﷺ کی آخری نماز جماعت اور صدیق اکبر کو نماز پڑھانے کا حکم

آں حضرت ﷺ میں جب تک طاقت رہی اُس وقت تک آپ برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد، بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہو گیا صحیح بخاری میں ام فضلؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں والمرسلات پڑھی اس کے بعد آپ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی، جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ لوگ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے کئی بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدت مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اخیر میں فرمایا کہ ابو بکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو بکر بہت رفیق القلب ہیں یعنی نرم دل ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو (اُن پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ) لوگوں کو نماز نہیں پڑھاسکیں گے اور گریہ و زاری کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے لہذا آپ عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیں۔ حضرت عائشہ نے ظاہر تو یہ کیا مگر دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، اس نے آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو (کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے) ابو بکر کو حکم دو کہ وہی

نماز پڑھا میں، صحیح بخاری میں ہے کہ اس حضرت ﷺ کے حکم دینے کے بعد عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ یہی فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکر نماز پڑھانے لگے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ نے احیاء العلوم میں عائشہ صدیقہ کا کلام معرفت التیام نقل کیا ہے جس میں عائشہ صدیقہ نے اپنی دلی منش کو ظاہر فرمایا ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر باپ کی امامت کو کیوں ناپسند کرتی تھیں۔

قالت عائشة رضي الله عنها ما قلت ذلك ولا صرفته عن ابى بكر الارغبة عن المخاطرة والهلكة الا ما سلم الله وخشيت ايضا ان لا يكون من الناس رجلا صلى في مقام النبي صلى الله عليه وسلم وهو حي الا ان يشاء الله يحسدونه ويبغون عليه ويتشاءمون به فاذا الامر الله والقضاء قضاءه وعصمه الله من كل ما تخوفت عليه من امر الدنيا والدين۔

عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی امامت سے اس لئے انکار کرتی تھی کہ میرا باپ دنیا سے بالکل علیحدہ رہے اس لئے کہ عزت و وجاہت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی، اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے مگر جس کو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھے وہی دنیا کے فتنہ سے بچ سکتا ہے اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص اس حضرت ﷺ کی حیات میں آپ کی جگہ پر کھڑا ہوگا۔ تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور عجب نہیں کہ حسد میں اس پر کوئی زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں پس جب اللہ کا حکم اور اس کی قضاء و قدر یہی ہے کہ میرا باپ رسول اللہ ﷺ کا قائم مقام بنے اور ان کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کے ہر خوفناک امر سے محفوظ اور مامون رکھے۔

سبحان اللہ یہ ہے صدیقہ بنت صدیق کی فہم و فراست کہ وہ اس امامت و نیابت کو آئندہ خلافت اور امامت کا پیش خیمہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل و جان سے اس کوشش میں ہیں کہ

میرے باپ نہ امام بنے اور نہ امیر یہ امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ میرے باپ سے ہٹ کر کسی اور کے پاس چلی جائے تاکہ میرا باپ دین و دنیا کے فتنہ سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ یہ تو بیٹی کا حال تھا اور باپ یعنی ابو بکر صدیق کا حال بیعت کے وقت کے خطبہ سے معلوم کرو۔ فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس امارت و خلافت کی نہ کبھی دل سے تمنا کی اور نہ کبھی زبان سے دعا مانگی مسلمانوں پر فتنہ کے خوف سے اسے قبول کر لیا۔

صدیق اور صدیقہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کا دل مال و جاہ کی طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ مگر سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کا نبی اور اس کا رسول جس کے امام بنانے پر مصر ہو وہ بالیقین امام المتقین ہوگا اور اس کا ظہر و باطن امارت اور خلافت کی طمع سے بالکل منزہ ہوگا اور کسی فتنہ کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اللہ کے رسول نے جس شخص کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا تبھی لو کہ جو عنایات ربانی اور تائید آسمانی نبی کے ساتھ تھیں وہ اس کے قائم مقام کی بھی ضرور معین اور دستگیر ہوں گی، اس لئے کہ اللہ کا رسول بدون حکم خداوندی اپنا نائب اور قائم مقام نہیں مقرر کر سکتا۔

جس طرح کسی بادشاہ کا اپنی زندگی میں کسی کو اپنا تخت اور چتر سپرد کر دینا اس کو ولی عہد بنانے کے مرادف ہے۔

اسی طرح امام المتقین کا کسی کو اپنے مصلے پر امامت کے لئے کھڑا کر دینا یہ اس کے مرادف ہے کہ یہ شخص اللہ کے رسول کا ولی عہد اور اس کا جانشین ہے۔

شنبہ یا یکشنبہ کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے آپ مسجد میں تشریف لائے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ ابو بکر کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی آپ امام تھے اور ابو بکر آپ کی اقتدا کرنے لگے اور باقی نمازی ابو بکر کی تکبیروں پر نماز ادا کرنے لگے۔

(بخاری شریف)

یہ ظہر کی نماز تھی اور حضور پر نور کی یہ امامت آخری امامت تھی اس کے بعد مسجد کی حاضری سے بالکل انقطاع ہو گیا اور امام فضل کی روایت میں جو یہ نرزا ہے کہ حضور کی آخری نماز مغرب کی نماز تھی، اس سے مستقل امامت کی نفی مراد ہے کہ از اول تا آخر جس نماز میں

امامت اور قرأت فرمائی ہو وہ مغرب کی نماز ہے۔ ہفتہ کے روز حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ جن کو جہاد پر مامور فرمایا تھا آپ سے ملنے کے لئے آئے اور آپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جُرف میں پڑاؤ ڈالا، تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے مگر آپ کی علالت کی وجہ سے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ یکشنبہ کو پھر مرض میں شدت ہو گئی حضرت اسامہ یہ خبر سنتے ہی پھر افتاں و خیزاں آپ کو دیکھنے کے لئے مدینہ واپس آئے دیکھا تو مرض کی شدت ہے آپ بات نہیں کر سکتے حضرت اسامہ نے جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، آں حضرت ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر اسامہ پر رکھ دیئے، اسامہ کہتے ہیں میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں بعد ازاں اسامہ جُرف میں واپس آ گئے جہاں پڑاؤ تھا۔

ابن سعد طبقات میں اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اسی روز یعنی یکشنبہ کے دن لدود کا واقعہ پیش آیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ مرض کی شدت میں ذات الجنب سمجھ کر آپ کے منہ میں دوا ڈالی، آپ اشارہ سے منع بھی فرماتے رہے، مگر ہم یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری ہے جیسا کہ مریض عموماً دوا کو ناپسند کرتا ہے، بعد میں جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا، تمہاری سزایہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے۔

یوم الوصال

یہ دو شنبہ کا روز ہے جس میں آپ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اسی دو شنبہ کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے چہرہ انور کا یہ حال کہ گویا مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سپید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں۔

صدیق اکبرؓ نے ارادہ کیا کہ چھپے نہیں آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے (رواہ البخاری)

آں حضرت ﷺ کا پردہ اٹھ کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرہ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابہ کرام کے لئے جمالِ نبوت کی آخری زیارت کا آخری موقع تھا۔ عشق کی زبان حال سے وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

و کنت اری کالموت من بین ساعۃ

ف کف بئین کان موعده الحشر

میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو۔

صدیق اکبرؓ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو اب سکون ہے جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی اور چونکہ یہ دن صدیق اکبرؓ کی دو بیویوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔ آں حضرت ﷺ سے اجازت لیکر وہاں چلے گئے۔

اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔

يَا نَبِيَّ اللَّهِ اِنِّي اَرَاكَ قَدْ
اَصْبَحْتَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَ
فَضْلٍ كَمَا نَحْبُ وَالْيَوْمَ يَوْمٍ
بُنْتُ خَارِجَةً اَفَاتِيهَا قَالَ نَعَمْ
یا نبی اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی
اصبحت بنعمة من الله و
فضل کما نحب واليوم يوم
بنت خارجة افاतिها قال نعم
آؤں آپ نے فرمایا ہاں چلے جاؤ۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

حضرت علی حجرہ مبارکہ سے باہر آئے لوگوں نے آپ کا مزاج دریافت کیا حضرت علی نے کہا بھگداند اب اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے، حضرت عباس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ اے علی خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصا (لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی اور کوئی حکم ہو گا۔ اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں وفات پائیں گے بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں دریافت کر میں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا۔ اگر ہم میں سے ہو گا تو معلوم ہو جائے گا۔ ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے۔ حضرت علی نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرمادیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے، خدا کی قسم میں آپ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

عالم نزع

لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ زری تھی کہ عالم نزع شروع ہو گیا۔ عائشہ صدیقہ کے آغوش میں سر رکھ کر بیٹ گئے، اتنے میں حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپ ان کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں، آپ نے اشارہ فرمایا ہاں، میں نے کہا اس کو نرم کردوں آپ نے اشارہ سے فرمایا ہاں میں نے چبا کر وہ مسواک آپ کو دی۔ اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ بطور خرا اور بطور تحدیث بانعمتہ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر وقت میں میرا آب و بن آپ کے آب و بن کے ساتھ ملا دیا اور آپ کی وفات میرے حجرہ میں اور میری نوبت کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسی کے درمیان ہوئی۔

فائدہ: ملا علی قاری نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو جاتا ہے اور ایون کھانے والے کی زبان پر جاری نہ ہو گا۔

آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بیتاب ہو کر بار بار ہاتھ اس پیالہ

میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ان للموت
سکرات اللہ سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختی ہیں، پھر چھت کی طرف
دیکھا اور ہاتھ اٹھ کر یہ فرمایا اللھم فی الرفیق الاعلیٰ اے اللہ میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا
چاہتا ہوں (یعنی حظیرۃ اقدس) جو انبیاء و مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ سے سن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی روح اُس
وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقامِ جنت میں اس کو دکھل نہ دیا جائے اور اس
کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں سی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ
رہیں گے آپ نے ملاءِ اعلیٰ اور قربِ خداوندی کو اختیار کر لیا ہے، لغرض آپ کی زبان
مبارک سے یہ کلمات نکلے (اللھم فی الرفیق الاعلیٰ) اور روح مبارک عالم بالا کو
پرواز کر گئی اور دستِ مبارک نیچے گر گیا۔

تاریخ وفات

یہ جان گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی
ربانی کے انوار و تجلیات سے محروم کر دیا بروزِ دو شنبہ دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کی وفات ماہِ ربیع الاول میں بروزِ دو شنبہ کو ہوئی
اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں کہ ربیع الاول
کی کونسی تاریخ تھی۔

مغازی ابنِ اسحق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن
عقبہ میں زہری اور عروۃ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا یہی روایت
زیادہ صحیح اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فصل نہیں، البتہ
تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے، مشہور قول کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی۔ موسیٰ
بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے ۱۱ ربیع الاول کو تاریخ وفات بتدیا ہے اور کلبی اور ابو

مخفف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دیا ہے۔ علامہ سیوطی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے۔

عمر شریف

انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔

صحابہ کا اضطراب

اس خبر قیامت اثر کا انوں میں پہنچنا تھا کہ قیامت آگئی سنتے ہی صحابہ کے ہوش اڑ گئے تمام مدینہ میں تہلکہ مچ گیا جو اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا ششدر و حیران رہ جاتا تھا۔ ذی النورین عثمان غنی ایک سکتہ کے عالم میں تھے، دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے، شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، حضرت علی کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے، روتے روتے بے ہوش ہو گئے، کثرت صدیقہ اور ازواج مطہرات پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ اس کا پوچھنا ہی کیا۔ حضرت عباس بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے، حضرت عمر کی پریشانی اور حیرانی سب ہی سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلواریں کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باواز بند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمن ہے کہ حضورؐ پر نور انتقال کر گئے، آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے، خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے، حضرت عمر جو ش میں تھے تلواریں سے نکالے ہوئے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آں حضرتؓ کا انتقال ہو گیا ابو بکر صدیق وصال کے وقت موجود نہ تھے، دو شنبہ کی صبح کو جب دیکھا کہ آپ کو سکون ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ بحمد اللہ اب آپ کو سکون ہے اگر اجازت ہو تو گھر ہوؤں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، صدیق اکبر آپ سے اجازت لے کر گھر چلے گئے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا، صدیق اکبر تو گھر چلے گئے اور

زوال کے وقت حضور پر نور کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کو جب اس جان گداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازہ پر گھوڑے سے اترے اور حنین و غمگین حجرہ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے آں حضرت ﷺ بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواجِ مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیق کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبر نے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا و انبیاء۔ و اخلیاء۔ و اصفیاء تین مرتبہ ایسا کیا کما رواہ احمد وغیرہ

(کافی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۳۰۰ ج ۱۰)

اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آچکی یہ کہہ کر حجرہ شریفہ سے باہر آئے دیکھا کہ عمر جو ش میں بھرے ہوئے ہیں، صدیق اکبر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے ہیں۔ اے عمر کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مُّیْتُونَ وَاٰمَّا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَلِيلٍ الْخُلْدَ۔ اب تمام لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق اکبر کے پاس جمع ہو گئے۔

۱۔ صدیق اکبر کا مقصود ان لوگوں کا رد کرنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ دوبارہ پھر زندہ ہوں گے۔ اور منافقین کے ہاتھ پیر کاٹیں گے کیونکہ اگر آپ کی وفات اور موت دوبارہ ہو جائے گی، اس لئے ابوبکر صدیق نے کہا کہ جو موت آپ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آچکی اب دنیا میں دوبارہ موت نہیں آئے گی اور اللہ تعالیٰ آپ پر دو موت جمع نہ کرے گا جیسا کہ پہلی امت میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور ایک منزل میں پہنچ کر غضب الہی سے مر گئے پھر اپنے نبی کی دعاء سے زندہ ہوئے اور پھر اپنے وقت پر مرے تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت کا دو مرتبہ مزہ چکھایا جن کا قصہ اَلَمْ نَرِ الْيَتٰمٰی خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ خَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا اَنْتُمْ اَحْيَاہُمْ میں مذکور ہے اور جیسا کہ اس شخص نے موت کا دو مرتبہ مزہ چکھا کہ جس کا ایک قریہ پر گزر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال کے لئے مردہ بنا دیا اور پھر اس کو زندہ کیا جس کا قصہ اَوْ كَلْبِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ فَاَمَانَةُ اللّٰهِ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ میں مذکور ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا میں دو مرتبہ موت کا مزہ چکھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر دو موتوں کو جمع نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں اور بھی قول ہیں تفصیل کے لئے فتح الباری ص ۹۱ ج ۲ کتاب الجنازہ و زرقانی شرح مواہب ص ۲۷۸ ج ۸ اور مدارج النبوة ص ۵۵۸ ج ۲ قطع خرد و یکھیں و شرح قسطنطینی ص ۳۶۱ ج ۲ یکھیں

صدیق اکبر کا خطبہ

صدیق اکبر منبر نبویؐ کی جانب بڑھے اور آواز بلند لوگوں سے کہا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں سب لوگ بیٹھ گئے صدیق اکبر نے حمد و ثناء کے بعد یہ خطبہ پڑھا۔

أَمَّا بَعْدُ مِنْ كَانٍ مِنْكُمْ يَعْبُدُ
اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ
فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدَمَاتِ قَالَ اللَّهُ
تَعَالَى وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
أَفَأَنْتُمْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى
أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى
عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَ
سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَقَدْ
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ
إِنَّهُمْ سَيِّئُونَ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ
الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَقَالَ
اللَّهُ تَعَالَى - كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا
فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ
ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَقَالَ
تَعَالَى كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
إِنَّمَا تُوفُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ - وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَمَّرَ

اما بعد جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا
تھا سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور
اس پر موت نہیں آسکتی اور اگر بالفرض کوئی
شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو جان
لے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے اور نہیں ہیں
محمد مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے اور
بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر
آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو
جائیں تو کیا تم دین اسلام سے واپس ہو
جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے واپس
ہوگا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں
پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو
انعام دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو
مخاطب بنا کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ
مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی
مرنے والے ہیں، سب چیز فنا ہونے
والی ہے، صرف خداوند ذوالجلال والاکرام
کی ذات بابرکات باقی رہے گی، ہر نفس
موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن
سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور

ابو بکر صدیق نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عمر درازی اور ان کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا اور اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا، اور رسول اللہ ﷺ تم کو سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہوگا وہ حق واضح ہونے کے بعد گمراہ ہوگا، پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہو تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آسکتی اور جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اور ان کو خدا جانتا تھا تو جان لے کہ اُس کا معبود تو ہلاک ہو گیا۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو تحقیق اللہ کا دین قائم اور دائم رہے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور اللہ اس شخص کا مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے اور اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی نور ہدایت اور شفاء دل ہے اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کے حلال و حرام کردہ چیزوں

محمداً ﷺ وابقاء حتی اقام
دین اللہ و اظهر امر اللہ و بلغ
رسالة اللہ و جاهد فی سبیل
اللہ ثم توفاه اللہ علی ذالک
وقد ترککم علی الطریقة فلن
یہلک ہالک الا من بعد
البینة والشفاء فمن کان اللہ
ربہ فان اللہ حی لا یموت ومن
کان یعبد محمداً وینزلہ الہا
فقد ہلک الہہ فاتقوا اللہ ایہا
الناس واعتصموا بدینکم و
توکلوا علی ربکم فان دین
اللہ قائم وان کلمۃ اللہ تامۃ
وان اللہ ناصر من نصرہ و معز
دینہ وان کتاب اللہ بین
اظہرنا و هو النور والشفاء وبہ
ہدی اللہ محمداً ﷺ و فیہ
حلال اللہ و حرامہ واللہ
لانبالی من اجلب علینا من
خلق اللہ ان سیوف اللہ
لمسلولة ما وضعنا ہا بعد
ولنجا ہدن من خالفنا کما
جاہدنا مع رسول اللہ ﷺ فلا
یُبغین احد الا علی نفسه لے

کا ذکر ہے خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پروا نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا) تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمنوں پرستی ہوئی ہیں۔ وہ تلواریں ہم نے ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں کیا کرتے تھے پس مخالف خوب سمجھ لے اور اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔

صدیق اکبر کا ان آیات کی تلاوت کرنا تھا کہ یکنخت حیرت کا عالم دور ہو گیا اور غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آں حضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ یہاں معبود ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی جسے دیکھو وہ انہی آیتوں کی تلاوت کر رہا تھا۔ (زرقانی، طبقات ابن سعد)

حضرت عمر فرماتے ہیں میری حالت بھی یہی ہوئی کہ گویا میں نے آج ان آیتوں کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والا ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بنا پر فقط حوس ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پر نور کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا، صدیق اکبر کے خطبہ سے فاروق اعظم کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور اپنے خیال سے رجوع فرمایا، دیکھو قرۃ العینین ص ۲۷۰ ج ۱۱ سے نازک وقت اور جانکاہ حدیث میں ایسی ثابت قدمی اور ایسا استقلال صدیق اکبری کا کمال تھا۔

ہم ان کے زور کے قائل ہیں، ہیں وہی شہ زور جو شوق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر کو جب آل حضرت یونس علیہ السلام کی وفات کی خبر پہنچی تو فوراً اپنے مسکن سے جو سخ میں تھا روانہ ہو گئے اور کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور سینہ سانس سے پانی کے گھڑے کی طرح ہل رہا تھا اسی حالت میں صلاۃ و سلام پڑھتے ہوئے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے مگر باوجود اس بے مثال حزن و ملال کے عقل و گویائی میں ذرہ برابر اختلال نہ تھا۔

آپ کے چہرہ انور کو کھولا پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور زار و قطار روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے آپ کی وفات سے نبوت اور وحی منقطع ہو گئی جو کسی اور نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی آپ تو صیغ سے بالا اور برتر ہیں اور گریہ و زاری سے مستغنی ہیں آپ کی ذات بابرکات اس اعتبار سے خاص اور مخصوص ہے کہ آپ کی وفات سے لوگ تسلی حاصل کریں گے اور آپ عام بھی ہیں کہ ہم سب آپ کے رنج و الم میں برابر ہیں اگر آپ کی موت آپ کی خود اختیار کردہ نہ ہوتی (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اختیار دیا تھا مگر آپ نے خود آخرت کو اختیار کیا) تو ہم آپ کی موت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے اور اگر آپ ہم کو زیادہ رونے سے منع نہ فرماتے تو ہم آپ پر اپنی آنکھوں کا پانی ختم کر ڈالتے البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ہٹانا اور مٹانا ہمارے اختیار میں نہیں ایک غم فراق اور دوسرے غم میں

وفی رواية ان ابا بكر رضى الله عنه لما بلغه اخبر وهو بالسبع جاء وعينه تهلان ورقراته تتردد في صدره وغصصه ترتفع كقطع الحرة وهو في ذلك رضوان الله عليه جلد العقل والمقالة (ای ثابت العقل والقول) حتى دخل على رسول الله ﷺ فاكب عليه وكشف وجهه ومسحه وقبل جبينه وجعل يبكي ويقول يا ابي انت وامي طبت حيا وميتا واقطع لموتك ما لم يسقط لموت احد من الانبياء من النبوة فعظمت عن الصفة وجللت عن البكاء وخصصت حتى صرت مسلاة وعممت حتى صرنا فيك سواء ولولا ان موتك كان اختيارا منك لجدنا لموتك بالنفوس ولولا انك نهيت عن البكاء لانفدن عليك ماء الشؤون فاماما لانستطيع نفيه فكمدوا دنوف يتحالفان لا يرحان اللهم ابلغه عند واذكرنا يا محمد عند ربك ولكن من بالک کدافی الروض الانف ص ۳۷۶ ح ۲ و کدا ذکره العرالی فی الاحیاء وقال الریدی قال العراقي رواه ابن ابی الدنيا فی کتاب انصراء من حدیث ابن عمر بسند ضعيف کدافی الانحاف ص ۲۹۹ ج ۱۰

بسمِ کالِ غرو نجیف ہو جانا یہ دونوں چیز باہم ایک دوسرے کی حلیف ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔ اللہ ہمارا یہ حال ہمارے نبی کو پہنچ دے اور اے محمد ﷺ ہم ۷ شقوں کو بارگاہِ خداوندی میں یہ درجۂ امید ہے کہ ہم ملحوظِ خاطر رہیں گے۔

اگر آپ اپنے فیضِ صحبت سے ہمارے دلوں میں سکینت وطمینیت نہ چھوڑ کر جاتے تو ہم اس وحشتِ فراق کا کہ جو آپ ہم میں چھوڑ کر چلے گئے ہرگز ہرگز تحمل نہ کر سکتے۔

پھر ابو بکر حجرہ سے باہر گئے اور لوگوں کی تسلی کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس کا ایک کثیر حصہ صلاۃ و سہم پر مشتمل تھا اور آپ نے خطبہ میں یہ فرمایا۔

بقیہ خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۲

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ وَ
صَدَقَ وَعْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَ
غَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلِلَّهِ
الْحَمْدُ وَحْدَهُ۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں اور اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا تھا
وہ سچ کر دکھایا اُس نے اپنے برزیدہ بندہ کی
مدد کی اور کافروں کی جماعتوں کو شکست دی
پس حمد اور شکر ہے اس وحدہ لا شریک نہ کا۔

۱۔ یہ اسی زمرہ روایت کا بقیہ ہے جو صرفِ روضِ الانف میں مذکور ہے اور قبل کا حصہ روضِ الانف اور حیا و العموم دونوں
میں مذکور تھا اس لئے اس حصہ سے تم پر دونوں کتابوں کا جو یہ دیدیا اب روایت کا وہ بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جو
صرف روضِ الانف میں مذکور ہے تو وہی سہلہ فلولاً ما خلعت من السکینۃ لہم تقم لہما خلعت من
الوحشۃ اللہم ابع سیف عبا واحفظہ فیما تم حرج لہما قصی انہما عمر ابراہیم وقام خطیباً
فیہم بخطبۃ حینہما صلاۃ علی السی محمد ﷺ وقد فیہا اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا
شریک لہ الی آخر الحصة۔ روضِ الانف ص ۳۷۶ ج ۲

۲۔ یہاں سے آخر تک جو مذکور ہے وہ تحفِ شریح حیا و العموم میں مذکور ہے، علامہ زبیری اس خطبہ کو نقل کر کے لکھتے
ہیں۔ رواہ بطولہ سیف بن عمر التمیمی فی کتاب الفتوح عن عمرو بن تمام عن ابیہ عن
اسقعقاع قال ابن ابی حاتمہ سیف بن عمر التمیمی متروک و اخرجہ ابن السکین من طریق
ابراہیم بن سعد عن سیف بن عمر عن عمرو بن ابیہ و قال سیف بن عمر صعیف قلت ہو
من رجال الترمذی و هو وان کان صعیفا فی الحدیث فهو عمدۃ فی التاریخ مقبول النقل
کدافی الاتحاف ص ۳۰۲ ج ۱۰

واشهد ان محمد اعبدہ و رسولہ و خاتم انبیاءہ و اشهد ان الكتاب کما نزل وان الدین کما شرع وان الحدیث کما حدث وان القول کما قال وان اللہ هو الحق المبین۔

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول اور آخری نبی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب الہی یعنی قرآن کریم اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور دین اسی طرح ہے جس طرح مشروع ہوا تھا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے حادث اور ظاہر ہوئی تھی اور قول اسی طرح سے ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے۔

اللہم فصل علی محمد عبدک و رسولک و نبیک و حبیبک و امینک و خیرتک و صفوتک فافضل ما صلیت بہ علی احد من خلقک اللہم و اجعل صلواتک و معافاتک و رحمتک و برکاتک علی سید المرسلین و خاتم النبیین و امام المتقین محمد قائد الخیر و امام الخیر و رسول الرحمة اللہم قرب زلفہ و عظم برہانہ و کرم مقامہ و ابعثہ مقاما محمودا یغبطہ بہ

اے اللہ پس تو اپنی خاص رحمتیں اور عنایتیں نازل فرما محمد ﷺ پر جو تیرے خاص برگزیدہ بندہ اور رسول اور نبی اور حبیب اور امین اور بہترین خلایق اور خلاصہ عالم ہیں ان پر ایسی بہترین صلاۃ و سلام نازل فرما کہ جو تو نے اپنے کسی خاص بندہ پر نازل فرمائی ہو اور اے اللہ اپنی صلوات اور عافیت اور رحمت اور برکت نازل فرما سید المرسلین اور خاتم النبیین اور امام المتقین اور قائد الخیر اور امام الخیر اور رسول رحمت پر، اے اللہ ان کے قرب کو اور زیادہ فرما اور ان کی دلیل اور برہان کو عظیم فرما اور ان کے مقام کو مکرم فرما اور ان

الاولون والآخرون و انفعنا
بمقامه المحمود يوم القيامة و
اخلفه فينا في الدنيا والاخرة و
بلغه الدرجة والوسيلة من
الجنة اللهم صل على محمد
وعلى آل محمد وبارك على
محمد وآل محمد كما
صليت وباركت على
ابراهيم انك حميد مجيد

کو مقام محمود (مقام شفاعت) میں کھڑا کر کے
جس پر تمام ازمین اور آخرین رشک کریں گے
اور قیامت کے دن ہم کو ان کے مقام محمود سے
نفع دے اور دنیا و آخرت میں ہمارے لئے ان
کے عوض اپنی رحمت فرما اور آپ کو جنت میں
درجات عالیہ نصیب فرما اے اللہ محمد اور آل محمد
پر اپنی خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل فرما
جیسے خاص رحمتیں اور برکتیں تو نے ابراہیم اور
آل ابراہیم پر نازل کیں انک حمید مجید۔

ثم قال ايها الناس من كان
يعبد محمد افان محمدا
قدمات ومن كان يعبد الله
فان الله حي لم يموت وان الله
قد تقدم لكم في امره فلا
تدعوه جزعا وان الله تبارك و
تعالى قد اختار لنبيه عليه
السلام ما عنده على ما
عندكم وقبضه الي ثوابه و
خلف فيكم كتابه وسنة نبيه
فمن اخذ بهما عرف ومن
فرق بينهما انكر۔ يايها الذين

پھر ابو بکر صدیق نے یہ کہا کہ اے لوگو! جو تم
میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا سو جان
لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رحلت فرما گئے اور جو اللہ کی
عبادت کرتا تھا سو اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے
اس پر موت نہیں آسکتی وہ زندہ ہے مرا نہیں
اور حق تعالیٰ نے آپ کی وفات کے متعلق
پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا لہذا گھبرانے کی
ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے
لئے بجائے تمہارے اپنے قرب اور جوار کو
پسند کیا اور دار کرامت کی طرف ان کو بلا لیا
اور ان کے بعد تمہاری ہدایت کے لئے اپنی
کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو تم میں باقی

ایہاں تک جو خطبہ تھا یایہا الخائفون احیاء العلوم ۳۰۴ سے قال یایہا الخائفون کہ خطبہ کے
چھ جزء روض الانفس ۶۳۷ میں بھی مذکور ہیں اس کے بعد جنی ثم قال ایہا الناس من کان یعبد
محمد الخ سے شروع ہوا ولا تستنظروہ فیلحق بکم تک خطبہ اتحاف شرح حیاء اور روض انفس دونوں
کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

تعالیٰ قبل الان لمانزل بنا
اشهد ان الكتاب كما نزل
وان الحديث كما حدث وان
الله تبارك وتعالى حي
لا يموت انا لله وانا اليه
راجعون صلوات الله على
رسوله وعند الله نحسب
رسوله۔

کہ گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس
سے پہلے سنی ہی نہ تھی میں گواہی دیتا ہوں
کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل
ہوا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ
حدث اور صادر ہوئی اور اللہ تبارک و تعالیٰ
حی یموت ہے۔ انا لله وانا اليه
راجعون اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اُس
کے رسول پر اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں
کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع

اوپر تو یہ حادثہ جان گداز پیش آیا۔ اور کچھ یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں
اور آپ کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہے مہاجرین نے صدیق اکبر سے کہا کہ آپ بھی سقیفہ میں
شریف لے جائیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ابوبکر اور عمر مع مہاجرین کے سقیفہ میں
شریف لے گئے (مفضل واقعات، اللہ عنقریب ذکر کریں گے)

ابوبکر و عمر کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا عجلت میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھیں اور بعد میں وہ
فتنہ کا سبب بنے اور مسلمانوں کے لئے مصیبت بن جائے۔ جب اس مسئلہ کا تصفیہ ہو گیا اور
باتفاق صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین مان لئے گئے تب اگلے روز آپ کی تجہیز و
تکفین میں مشغول ہوئے، سقیفہ میں اجتماع کا واقعہ دو شنبہ کی شام کو پیش آیا اس لئے کہ
حضرت ﷺ کی وفات حسرت آیت دو شنبہ کے روز وال کے قریب ہوئی اس کے
بعد صدیق اکبر سے شریف لے گئے اور خطبہ دیا۔ وغیرہ وغیرہ اس کے بعد کہیں شام کو سقیفہ
میں اجتماع کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت اہل بیت جبرۃ نبوی میں جمع تھے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم انصار کے جمع
ہونے کی خبر سن کر سقیفہ میں پہنچ گئے، ان حضرات کو یہ فکر تھی کہ اس حضرت ﷺ کا توصف

ہو گیا اور آسمان سے وحی کا اترنا ختم ہوا اور حضور پر نور ہم کو آنے والے فتنوں سے ڈراتے رہے ہیں مبادا اس وقت امت میں تشتت اور افتراق کا کوئی فتنہ نہ قائم ہو جائے جس سے اسلام کا تمام نظام درہم و برہم نہ ہو جائے اور تیغیس سالہ نبوت میں جو اسلام کا فتنہ قائم ہوا ہے خدا نخواستہ وہ باہمی افتراق کی نذر نہ ہو جائے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے جس کا جوڑ پھر مشکل ہو۔

اگر کسی بادشاہ کا انتقال ہو جائے تو جب تک اس کا کوئی جانشین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی تجبیز و تکفین کا انتظام نہیں کیا جاتا، ایسے وقت میں تجبیز و تکفین کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا کہ جانشینی کا مسئلہ اہم ہوتا ہے، خیر خواہان حکومت کو یہ فکر ہوتی ہے کہ انتظام مملکت میں خلل نہ آنے پائے غنیم موقع پا کر بے خبری میں حملہ نہ کر بیٹھے جس میں تمام ملک کی تباہی اور بربادی کا اندیشہ ہے بلکہ بس اوقات بنظر مصلحت بادشاہ کی وفات کو بھی چھپا لیتے ہیں اور جانشینی کے بعد اس کا اعلان کرتے ہیں اور شیعہ حکومتوں میں بھی یہی قاعدہ ہے۔

اور اگر بادشاہ کے انتقال کے بعد سلطنت میں دو امیر ہو جائیں تو وہ سلطنت ضرور برباد ہو جائیگی ایک سلطنت میں دو خیفہ کا ہونا موجب خرابی اور باعث بربادی ہے اور آپ کی وفات کے بعد منافقین اور کفار کی طرف سے اندر اور شور و شر کا احتمال اور اندیشہ تھا ایسے وقت میں شیرازہ اسلام کی حفاظت اولین کام تھا بایں نظر شیخین۔ (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) نے یہ گمان کیا کہ تجبیز و تکفین کوئی مشکل کام نہیں اور اہل بیت (گھرواؤں) سے متعلق ہے سب صحابہ کا اس میں شریک ہونا ضروری نہیں غلامانِ غلامان اہل بیت بھی یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

اور آں حضرت ﷺ نے اس تیغیس سالہ مدت میں جو مصیبتیں اسلام کے سر بلند کرنے اور کفر کے سرنگوں کرنے میں اٹھائیں اب ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اس وقت آں حضرت ﷺ دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں اب اگر آپ کے ان مہمات کے لئے کوئی صحیح جانشین مقرر نہ ہوا تو اندیشہ ہے کہ طرفۃ العین میں ریاست اسلام کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائے اور سالہا سال کی محنت و مشقت اور غزوات اور سرایا اور تبلیغ اور دعوت میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ یکلخت سب رائگاں ہو جائیں اور سرے سے پھر کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جائے اور شیطان علیہ اللعنة حسب سابق لوگوں کو اپنی راہ پر گالے اور نبوت آپ پر ختم ہو چکی ہے تو اگر پھر ویسی ہی تاریکی دنیا میں پھیل جائے تو پھر کہاں سے قیامت بدایت نکلا گا۔

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ چارہ نبود در مقامش از چراغ

اس لئے ابوبکر و عمر کو یہ فکر ہوئی کہ بحرِ وفات آں حضرت کوئی آپ کا جانشین مقرر ہو جائے تاکہ اسلام کی ریاست اور سیاست کا کام بدستور جاری رہے اور اسلام کی بات جوں کی توں بنی رہے۔ اور کوئی منافق اور دشمن اسلام (جو اسی تاک میں ہیں) سر نہ اٹھا سکے اسی میں تمام امت کی صلاح اور فلاح مضمر ہے ابوبکر و عمر کو تو یہ فکر تھی اور تجہیز و تکفین کی طرف سے بسبب اہل بیت کے بے فکر تھے نیز تمام صحابہ کرام کو یہ معلوم تھا کہ وفات سے انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں کوئی تغیر نہیں آتا، اس لئے تاخیرِ دفن کا کوئی اندیشہ نہ کیا اور کمالِ دانش مندی سے فتنہ اور فساد کا دروازہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو افتراق سے بچا لیا۔ تجہیز و تکفین میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اگر اسلام کی ریاست کا انتظام نہ ہوا تو نہ معلوم کہ دم کے دم میں کیا کیا خرابیاں برپا ہو جائیں اور پھر تجہیز و تکفین بھی حلاوت سے نہ ہو سکے۔

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چنانچہ انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ ایک سرداران میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو یہ ایک عظیم فتنہ تھا، ایک سلطنت میں دو امیروں کا ہونا یہی سلطنت کی بربادی کا باعث ہے اس لئے ابوبکر و عمر نے اس طرف خاص توجہ کی اور جب جانشینی کا مسئلہ طے ہو گیا تب اطمینان کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے رضی اللہ عنہم و جزاھم من الاسلام والمسلمین حیرا خیرا امین۔

چشم بداندیش کہ برکنہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

ابوبکر صدیق تو سقیفہ میں رفعِ فتنہ کے لئے گئے تھے مگر قدیری کی کسی کو کی خبر لوگوں نے ابوبکر ہی کو گھیر لیا۔ اور زبردستی خلیفہ بنا لیا، بتاؤ اس میں ابوبکر کا کیا قصور ہے وہ بیچارے تو بہت کچھ نالتے رہے مگر ان کے ہوتے ہوئے لوگوں کی نظر میں کوئی جچا ہی نہیں ابوبکر صدیق کو تو اپنی خلافت کا وہم و گمان بھی نہ تھا فقط رفعِ فتنہ مد نظر تھا ان کو کی خبر تھی کہ خلافت میرے ہی سر پر جائے گی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تجہیز و تکفین اور غسل

صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ لیکھت سب پر ایک غنودگی طاری ہو گئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو چنانچہ پیر بن مبارک ہی میں آپ کو نہلایا گیا۔ اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کر دھیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔ ۱۔ غسل کے بعد حول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ اور وہ پیر بن جس میں آپ کو غسل دیا گیا وہ اتار لیا گیا۔ ۲۔

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر اہٹا کر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، مہاجرین نے کہا مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے ابو عبیدہ بغلی قبر اور ابو طلحہ کھودنے میں ماہر تھے۔ یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا جائے جو نسا شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابو طلحہ پہلے آ پہنچے اور آپ کے لئے لحد تیار کی ۳۔

اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

فائدہ: ہر نبی کا دفن۔ ان کے محل دفات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ محل دفات میں ان کو دفن کیا جائے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے دوسری جگہ دفن ہوں تو یہ اور بات ہے۔

نماز جنازہ

سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک سروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آ جاتا تھا کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آ جاتے تھے۔

شامل ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، آپ نے فرمایا جنازہ پڑھو لوگوں نے کہا کس طرح ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ لوگوں کا ایک ایک سروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے پھر درود اور دعاء پڑھے اور باہر آ جائے پھر دوسرا سروہ داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہیں اور پھر درود اور دعاء کے بعد واپس آ جائیں اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقۃً نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے (اتنی کلامہ) اور اسی کو امام شافعی نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ لوگ حجرہ شریفہ میں فوج فوج داخل ہوتے تھے اور صلاۃ و سلام اور درود و دعاء پڑھ کر واپس آ جاتے تھے۔

چنانچہ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر اور عمر ایک سروہ کے ساتھ حجرہ نبوی میں داخل ہوئے اور جنازہ نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا۔

السلام علیک ایہا النبی	سدا ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کی
ورحمۃ اللہ اللہم انا نشہد	رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر اے اللہ ہم
انہ قد بلغ ما انزل الیہ و نصبح	گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے وہ سب
لامتہ و جاہد فی سبیل اللہ	کچھ پہنچ دیا جو اس پر اتارا گیا اور آپ نے
حتی اعز اللہ دینہ و تمت	امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد
کلمتہ فاجعلنا یا الہنا ممن	کیا یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو

يَتَّبِعُ الْقَوْلَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ وَ غَالِبٌ عَلَيْهِمُ الْمُنَافِقُونَ أُولَئِكَ جَاثِلُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بَلَاءٌ شَدِيدٌ مِنَ اللَّهِ وَعَذَابُهُمْ شَدِيدٌ ۝۱۸۵
 يتبع القول الذي انزل معه و غالب کی اور اس کا بول بلا ہوا اے اللہ ہم کو
 اجمع بیننا و بینہ حتی يعرفنا و ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے آپ کی
 نعرفہ فانہ کان بالمؤمنین رؤفا و وحی کا اتباع کیا اور ہم کو آپ کے ساتھ جمع کر
 رحیما لا نبتغی بالایمان بدلا آپ ہم کو اور ہم آپ کو پہچانیں آپ
 ولا نشتری بہ ثمنا۔ مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے ہم اپنے

ایمان کا کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے۔

لوگوں نے آمین کہی۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتوں نے عورتوں کے بعد بچوں نے

اسی طرح کیا۔ ۱۔

تنبیہ: اس روایت میں صراحۃً ابو بکر و عمر کا نماز جنازہ پڑھنا مذکور ہے اور یہ امر متواتر
 اور قطعی ہے لہذا حضرات شیعہ کا یہ کہنا کہ خلفاء ثلاثہ جنازہ رسول میں شریک نہیں ہوئے۔
 سپید جھوٹ ہے اور خلاف عقل ہے کہ خلفاء آپ کے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ نے ایک روز مرض الوفا میں اہل بیت کو
 حضرت عائشہ کے گھر میں بلایا۔ اہل بیت نے دریافت کیا: رسول اللہ آپ کے جنازہ کی نماز کون
 پڑھائے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو تھوڑی دیر کے لیے حجرہ
 سے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر جبریل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک
 الموت پھر باقی فرشتے اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلاۃ و سلام پڑھنا۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
 وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

اس آیت میں ہر مسلمان کو صلاۃ و سلام کا فرداً فرداً حکم ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں
 صلاۃ و سلام بغیر امام اور بغیر جماعت کے فرض تھا۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی بغیر
 کسی جماعت اور امام کے صلاۃ و سلام کا فریضہ فرداً فرداً ادا کیا گیا۔ ۲۔

فائدہ: ابن وحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

تدفین

دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ چہار شنبہ کی شب میں آپ دفن ہوئے، جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔

حضرت علی اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم نے آپ کو قبر میں اتارا۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان کی شکل میں آپ کی تربت تیار کی اور پانی چھڑکا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن سے فارغ ہو کر کفِ افسوس ملتے ہوئے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔

نَفْسِی الْفِدَاءَ لِقَبْرِ اَنْتَ سَاکِنُہِ فِیْهِ الْعَفَافُ وَ فِیْهِ الْجُودُ وَالْکَرَمُ
اَلَا یَا ضَرِیْحًا ضَمِ نَفْسًا زَکِیَّۃً عَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ فِی الْقَرْبِ وَالْبَعْدِ
عَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ مَا هَبْتَ الصَّبَا وَمَا نَاحَ قَمْرِیْ عَلَی الْبَانِ وَالرَّندِ
وَمَا سَجَعْتَ وَرَقَ وَغَنَتِ حَمَامَۃٌ وَمَا اَشْتَاقَ نَوَاجِدَہِیْ سَاکِنِیْ نَجْدِ
وَمَا لِیْ سِوٰی حَسْبِیْ لَکُمْ اَلْاِحْمَدُ
اَمْرَغْ مِنْ شَوْقِیْ عَلٰی بَابِکُمْ خَدٰی ۲

لطائف و معارف

آں حضرت ﷺ کی وفات کا بیان قارئین کرام نے پڑھ لیا اب ہم اس کے متعلق کچھ لطائف و معارف ہدیہ نظرین کرتے ہیں سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔

(۱)

سفر آخرت کی تیاری حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ حضرات انبیاء کو اپنے زمانہ وفات کے قریب ہونے کا علم، وحی خداوندی اور اشارات غیبیہ سے ہو جاتا ہے۔ میان عاشق و معشوق رمزیت کرام کاتبین راہم خبر نیست اور عبدا صالحین کو بذریعہ الہام اور رویائے صالحہ کے بعض اوقات اپنی وفات کی آمد کی اطلاع ہو جاتی ہے نبوت ختم ہو گئی مگر رویائے صالحہ اور رویائے صادقہ ہنوز امت میں باقی ہیں کہ جس کے ذریعہ بعض اوقات آئندہ پیش آنے والے واقعات کبھی صراحتہ اور کبھی بطور رمز اور اشارات بتلا دیئے جاتے ہیں مگر یہ امر ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ خواب دیکھنا کسی کے اختیار میں نہیں خواب دکھلانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو چاہیں اور جس وقت چاہیں اور جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں دکھلائیں اور نہ چاہیں تو نہ دکھلائیں اور کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں۔ ع

کس نکشو دو نکشاید حکمت ایں معمارا

اور علامہ مومنین کو کبھی بذریعہ خواب اور کبھی بتقاضائے عمر اور کبھی بابتلاء بیماری تنہ ہو جاتا ہے کہ وقت قریب آ گیا ہے اور کبھی اپنے ہم عصروں اور ہم عمروں کے انتقال کو دیکھ کر خیال آ جاتا ہے کہ میرے ہم عمر اب دنیا سے جا رہے ہیں، مجھے بھی تیاری کر لینی چاہیے اور موت کی آمد آمد کی خبر اور اطلاع کا سب سے واضح اور روشن ذریعہ ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ جانا اور بڑھاپے کا آ جانا ہے کہ جس کے بعد حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ أُولَئِم نُنْعِمُز کُم مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَن تَذَکَّرَ وَجَاءَ کُمُ النَّذِیْرُ۔

بہر حال تنہ کا فقط ایک ذریعہ نہیں بہت سے ذرائع سے موت کی تیاری کر سکتا ہے پھر یہ خیال کرنا چاہیے کہ حضرات انبیاء کرام اللہ کے برتریدہ بندے ہیں معصوم ہیں ان کی مغفرت قطعی اور یقینی ہے اور ہم گنہگار و ناکار و نالائق و ناہنجار تو سراپا جرم و قصور ہیں ہمیں تو تیاری میں کوئی کسر ہی نہ چھوڑنی چاہئے جس قدر ممکن ہو توبہ اور استغفار کریں اور یہ دعاء کیا کریں۔ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِیَّ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَالْحَقِّنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ آمِیْنِ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

(۲) واقعہ قرطاس

واقعہ قرطاس کے متعلق حضرات شیعہ فاروق اعظم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آخری وقت میں پیغمبر خدا کو وصیت کرنے سے منع کیا اور کاغذ نہ لکھنے دیا اس طرح آپ کی نافرمانی اور حکم عدویٰ کی

جواب

یہ ہے کہ اس حکم کے مٹی طبع خاص حضرت عمرؓ نہ تھے بلکہ تمام حاضرین حجرہ سے کاغذ قلم دوات لانے کو فرمایا تھا۔ ورنہ ہر ہے کہ حجرہ نبوی کے حاضرین اکثر حضرات اہل بیت ہی تھے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی تھے اگر حضرت عمر کاغذ اور قلم دوات نہیں لانے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو کس نے منع کیا تھا، جب حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی کاغذ و قلم دوات نہ لائے تو معصوم ہوا کہ حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کی بھی یہی رائے تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی کہ ایسی تکلیف اور بیماری کی شدت میں حضور پر نور کو تکلیف نہ دی جائے، پس اگر یہ حکم وجوب اور فرضیت کے لئے تھا تو تمام حاضرین گنہگار اور فرمان نبوی کے مخالف ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ خصوصیت کہ جو خاص انہی کو مورد طعن بنایا جائے۔

نیز اس گفتگو کے بعد۔ اس حضرت ﷺ پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے نہ تو حضور نے دوبارہ کاغذ قلم دوات حاضر کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرات اہل بیت اور نہ دیگر اصحاب میں سے کسی نے اس بارہ میں کچھ عرض کیا، معصوم ہوا کہ یہ کوئی مرد واجب نہ تھا ورنہ حضور پر نور خود ضرور بکھوادیے بقولہ تعالیٰ - يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔ اور حضرت امیر بھی ان پانچ دن میں کسی نہ کسی وقت کاغذ قلم دوات، اس امر و جوابی کی تعمیل کر لیتے اور نافرمانوں کے زمرہ میں نہ رہتے۔ حضرت عمرؓ حجرہ نبوی کے دربان و پاسبان تو نہ تھے کہ کوئی شخص بغیر حضرت عمرؓ کی اجازت کے کاغذ و قلم لا کر لکھوانہ سکے حضرت عمرؓ کی یہ گزارش ایسی تھی جیسے حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں صبح نامہ میں سے لفظ رسول اللہ مٹانے کو کہا مگر حضرت علیؓ نے نہ مانا پس حضرت علیؓ کا یہ حکم نہ ماننا صورتہ اگرچہ معصیت ہو مگر درحقیقت کمال محبت اور کمال عظمت ہے جس پر ہزاروں طاعتیں قربان ہیں۔

اور حضرت عمر کا یہ فرمان کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ۔ ہمیں قرآن کافی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں حدیث کی حاجت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے جس میں تمام ضروری امور بتلا دیئے گئے ہیں، اب دین کا کوئی تازہ حکم باقی نہیں رہا غالباً آپ کو بمقتضائے شفقت یہ اندیشہ ہے کہ ہم آپ کے بعد گمراہی میں نہ مبتلا ہو جائیں یعنی ہمارے دین میں خلل نہ واقع ہو جائے۔ حضرت عمر نے ازراہ محبت و شفقت عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ اس بیماری میں تکلیف نہ برداشت فرمائیں کتاب اللہ ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ پس حضرت عمر کی یہ گزارش عین محبت اور عین خیر خواہی ہے معاذ اللہ نہ فرمانی اور حکم عدولی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آں حضرت رضی اللہ عنہ خلافت کے متعلق کوئی تحریر لکھوانا چاہتے تھے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ابو بکرؓ خلافت لکھوانا چاہتے تھے یا حضرت امیر کی بصورت اول تو خود ہی آں حضرت نے اس کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ یا سائی اللہ والمؤمنون الا اباکر۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سوائے ابو بکر کے کسی کی خلافت کو قبول ہی نہیں کریں گے، اس معاملہ کو آپ نے حق تعالیٰ پر اور پھر مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق پر چھوڑ دیا اور اگر حضرت علیؓ کی خلافت لکھوانا منظور تھی تو حضرات شیعہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ اس واقعہ سے پہلے ہزاراں ہزار لوگوں کی موجودگی میں غدیر خم کے میدان میں حضرت علیؓ کی ولایت کا خطبہ فرمادیا تھا اور حضرت امیر کو ہر مؤمن اور مؤمنہ کا مواہبنا دیا تھا۔ اور یہ قصہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا تھا پس اس شہرت اور تواتر اور اعلان عام کے بعد ایک خانگی نوشتہ کی جو ایک مختصر سے حجرہ میں چند اہل بیت کے سامنے ہو کیا ضرورت ہے۔

(۳) امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبر و نماز کا امام مقرر کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم نے علیحدہ علیحدہ روایت کیا ہے۔ آھ صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر باوجود اس کے آں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بار بار یہی فرماتے رہے کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھا میں اور بے شمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو اس امر کی تاکید فرمائی کہ نماز کا امام ایسے شخص کو مقرر کریں کہ جو علم اور قراءت اور ورع اور تقویٰ میں سب سے فائق ہو اور حضرات شیعہ کے نزدیک تو سوائے افضل اور اشرف کے کسی کو امام بنانا جائز ہی نہیں۔

اب ان ارشادات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا اپنی جگہ ابو بکر کو امام مقرر کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضور کی نظر میں ابو بکر ہی سب سے زیادہ اعظم اور افضلی تھے۔ جیسا کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے سورہ لیل کی یہ آیتیں وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الْخ ابو بکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئیں اور اس آیت میں اُتقی (سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار) سے ابو بکر مراد ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ حضرات شیعہ بتلائیں کہ اگر حضرت ابو بکر کا مرتبہ تھا یا فاسق تھے یا منافق تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کیوں امام بنایا اور بعض نمازوں میں کیوں ان کی اقتداء کی اور آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت امیر۔ شیخین اور حضرت عثمان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں

وَالْمَقْصُودُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدِمَ ابْنُ أَبِي بَكْرٍ أَمَامًا لِلصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ فِي الصَّلَاةِ الَّتِي هِيَ أَكْبَرُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ الْعَمَلِيَةِ قَالَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَتَقْدِيمُهُ لَهُ أَمْرٌ مَعْنُومٌ بِالضَّرُورَةِ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ قَالَ وَتَقْدِيمُهُ لَهُ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ أَعْلَمُ الصَّحَابَةِ وَأَقْرَأُهُمْ لَمَّا ثَبِتَ فِي الْخَبَرِ الْمُتَّفِقِ عَلَى صِحَّتِهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ رَسُولَ

اللہ ﷻ قَالَ يَوْمَ الْقَوْمِ
اقْرَأْهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَاَنْ كَانُوا
فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمَهُمْ
بِالسُّنَّةِ فَاَنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ
سَوَاءً فَاَكْبَرَهُمْ سِنًا فَاَنْ كَانُوا
فِي السُّنَنِ سَوَاءً فَاَقْدَمَهُمْ
مُسْلِمًا (اسلاماً) قُلْتُ وَهَذَا
مِنْ كَلَامِ الشَّعْرِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ
مَتَى يَنْبَغِي أَنْ يُكْتَبَ بِمَاءِ
الذَّهَبِ ثُمَّ قَدْ اجْتَمَعَتْ هَذِهِ
الْصِّفَاتُ كُلُّهَا فِي الصَّدِيقِ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَارْضَاهُ

سے زیادہ عالم ہو اور اگر کتاب اللہ کے علم
میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت
کرے کہ جو سنت نبوی کا سب سے زیادہ
عالم ہو اور اگر علم سنت میں سب برابر ہوں
تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو (حدیث
میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بوڑھے سے
شرماتا ہے) اور اگر عمر میں بھی برابر ہوں تو
جو اسلام لانے میں مقدم ہو وہ امامت
کرے اور اس حدیث کی صحت پر تمام علماء
کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں
کہ امام اشعری کا یہ کلام آب زر سے لکھنے
کے قابل ہے اور ابو بکر صدیق تو ان تمام
صفات کے جامع تھے۔

حضرات شیعہ کو اس امر کا اقرار ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نبی اکرم ﷺ کے
حجرہ مبارکہ میں برابر آمد و رفت رکھتے تھے مگر آپ نے سوائے ابو بکر کے کسی اور شخص کو امامت
کا حکم نہیں دیا۔

صحابہ کرام نے اس امامت سے صدیق اکبر کی خلافت پر استدلال کیا اور ابن عساکر
نے علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضور پر نور نے ابو بکر کو امامت کا حکم دیا
اور ہم موجود تھے۔ غائب نہ تھے اور تندرست تھے بیمار نہ تھے پس جس شخص کو رسول
اللہ ﷺ نے دین کے بارہ میں ہمارا امام بنانا پسند کیا ہم اس کو دنیا کے معاملہ میں اپنا امام
بنانا کیوں نہ پسند کریں۔

نیز آل حضرت کا اپنے آخری خطبہ میں صدیق اکبر کے در پیچہ کے سوا تمام در پیچوں کے
بند کرنے کا حکم دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب ابو بکر صدیق کی فضیلت اور ان کی خلافت کے
اشارات تھے جو اہل نظر کے نزدیک عبارات اور تصریحات کے قائم مقام ہیں۔

(۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ مسند احمد میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔
 امر رسول اللہ ﷺ بسد الابواب الشارعة فی المسجد و ترک باب علی
 (مسند ص ۱۷۵ ج ۱) جتنے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں اور صرف حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا۔

سو مسند کی یہ روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے کہ جس میں یہ تصریح ہے کہ سوائے ابوبکر کے تمام دروازے اور درتپے بند کر دیئے جائیں۔

جواب یہ ہے

کہ مسند احمد کی روایت صحیحین کی روایت کے ہم پلہ نہیں اور اگر بالفرض مسند احمد کی روایت صحیح بھی ہو تو صحیحین کی حدیث سے منسوخ ہوگی اس لئے کہ وہ مرض الوفا کے زمانہ کا حکم ہے جو آخری حکم ہے اور حضرت علی کے متعلق جو حکم ہے وہ سابق حکم ہے یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب مسجد تمیز ہو رہی تھی اور حضرت علی مسجد کی طرف کے دروازہ سے آتے اور جاتے اور نکلتے تھے اور یہ کلمہ کہ سوائے ابوبکر کے مسجد کی طرف تمام درتپے بند کر دیئے جائیں یہ حکم وفات سے تین روز پہلے کا ہے اور آخری حکم سابق حکم کے لئے مانع ہوتا ہے۔

(۵) مدت امامت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام زہری ابو بکر ابن ابی سبرۃ سے راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں اور بعض کا قول یہ ہے کہ بیس نمازیں پڑھائیں واللہ اعلم۔
 علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حسنؒ بصری کی ایک مرسل روایت میں یہ آیا ہے کہ آں

اقار الزہری عن ابی بکر بن ابی سبرۃ ان ابابکر صلی بہم سبع عشرة صلاة وقل غیرہ
 عشرین صلاة واللہ اعلم۔ یہ روایت سنہ ۳۳۵ھ میں روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔
 و فی مراسیل الحسن البصری ان رسول اللہ مر من عشرة ايام صلی ابوبکر بالاس تسعة
 ايام منها ثم حرج رسول اللہ فی الیوم العاشر منها یہادی بین رجلین اسامة والفصل بن
 عباس حتی صلی حلف ابی بکر رواہ الدارقطنی فی هذا الحدیث انه مرض عشرة ايام
 وهو غریب کذا فی الروض الانف ص ۳۶۹ ج ۲

حضرت جعفر علیہ السلام دن پہا رہے۔ جن میں سے نو دن ابو بکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آں حضرت جعفر علیہ السلام دن اسامہ اور فضل بن عباس کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے اور ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

(۶) تاریخ وفات

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آں حضرت جعفر علیہ السلام کی وفات دو شنبہ کے دن ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی لیکن اختلاف اس میں ہے کہ جس دن حضور پر نور روجی فداہ کی وفات ہوئی اس دن کوئی تاریخ تھی مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ کا وقف عرفات بالاتفاق جمعہ کے دن تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن تھی اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو تھی تو ایسی صورت میں سال آئندہ میں دو شنبہ کو بارہویں ربیع الاول نہیں ہو سکتی خواہ تینوں مہینے یعنی ذی الحجہ اور محرم اور صفر میں دن کے مانے جائیں یا انتیس انتیس کے یا بعض تیس کے اور بعض انتیس کے اسی اشکال کی بناء پر بعض علماء نے تاریخ وفات تیرھویں ربیع الاول مانی ہے اور بعض نے چودھویں اور بعض نے پندرھویں اور بعض نے سکوت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن رجبؒ نے لطائف المعارف میں لکھا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ مکہ اور مدینہ کی تاریخوں میں اختلاف مطلع کی وجہ سے اختلاف ہو اور مدینہ منورہ میں ربیع الاول کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو ہوئی ہو تو دو شنبہ کو بارہویں ربیع الاول ہوگی واللہ اعلم مزید تفصیل اگر درکار ہو تو فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی قدس سرہ کی جلد سوم ملاحظہ کریں۔

فائدہ علمیہ (۱)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو شنبہ کے دن صبح کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے اور قدرت نہ ہونے کے باعث آپ واپس ہو گئے اس لئے کہ بخاری کے لفظ یہ ہیں وادحی السنہی جعفر علیہ السلام السحاب فلم یقدر علیہ حتی مات امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ

آں حضرت ﷺ صبح کی نماز میں شریک ہوئے۔ مگر یہ راوی کا وہم ہے، اس لئے کہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں اس کی تصریح ہے کہ آپ صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوئے، راوی کو گزشتہ نماز ظہر کی شریعت کا التباس ہو گیا۔ آخری نماز جو آپ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ دہائی وہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز تھی جس کے بعد آپ نے خطبہ دیا تھا اور اس کے بعد جمعہ اور ہفتہ اور اتوار تین دن گزرے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لائے، دو شنبہ کے روز صبح کے وقت حجرہ شریفہ سے برآمد ہوئے مگر قدرت نبوی اور واپس ہو گئے۔

اور حسن بصری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ دس روز بیمار رہے اور ابو بکر نے نو دن لوگوں کی امامت کی۔

فائدہ (۲)

دنیا سے رخصت ہوتے وقت پیغمبر خدا کا کسی کو اپنی جگہ امام مقرر کرنا اپنے مصلے پر اس کو کھڑا کر دینا ایسا ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی کو اپنے تخت پر بٹھلا کر کہیں چلا جائے۔ پیغمبر خدا کی نماز کا بوریا تخت شاہی سے کہیں بالا اور برتر ہے، اس لئے آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور دین و دنیا کا ان کو امام اور ماویٰ اور ملجا بنایا۔ کیونکہ جس طرح نبی کا امت سے افضل ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نبی کا خلیفہ اور جانشین وہی ہو سکتا ہے جو سب سے افضل ہوا فضیلت اور خلافت نبوت میں تلازم ہے خلافت راشدہ نبی کی جانشینی ہے کوئی دنیاوی ولی عہدی نہیں اس لئے صحابہ نے جس کو سب سے افضل سمجھا اس کو آں حضرت کا خلیفہ بنایا۔

فائدہ (۳)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبر حضور پر نور کی اخیر حیات تک امام رہے اور شیعوں کا یہ کہنا کہ حضور نے ان کو امامت سے معزول کر دیا تھا بالکل غلط ہے۔

(۷) سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

دو شنبہ کے روز، پہر کے وقت آں حضرت ﷺ نے اس عالم فانی سے عمامہ ودانی

کی طرف رحلت فرمائی سنتے ہی تمام صحابہ کے ہوش اڑ گئے اور تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بعضوں کو تو یہ خیال ہو گیا کہ حضور پر نور نے ابھی انتقال ہی نہیں فرمایا۔ یہ خیال فرط محبت کے سبب سے تھا نہ کہ ناہمی کی وجہ سے صدیق اکبر یہ خبر قیامت اثر سنتے ہی افتوں و خیزاں و تالاں و گریاں پہنچے اور صحابہ کو تسلی دی۔

شام کے وقت ایک شخص نے ابو بکر کو آ کر یہ خبر دی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں۔ اور سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے، انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاق خلافت انصار کو ہے اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ ہو کر اعداء اللہ سے جہاد و قتال کیا بعضوں نے اس کی مخالفت کی باہم بحث و تکرار ہونے لگی۔

رفتہ رفتہ اس امر کی اطلاع ابو بکر و عمر کو پہنچی یہ دونوں بزرگ مع ابوعبیدہ بن الجراح اس اختلاف کی روک تھام کے لئے سقیفہ کی طرف چلے مبادا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے ملاقات ہو گئی۔ عاصم اور عویم نے ان کو وہاں جانے سے روکنے کا قصد کیا۔ لیکن یہ نہ رکنے کے اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا سقیفہ میں جہاں انصار مجتمع تھے جا پہنچے اور باہم مباحثہ ہونے لگا۔

جب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر، سقیفہ میں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ وہاں موجود تھے کہیں اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ مریض تھے انصار ان کو ان کے مکان سے نکال کر لائے تھے تاکہ ان کو امیر بنائیں۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد یہ فرمایا

اما بعد فنحن الانصار و کتیبۃ ۱ اما بعد ہم انصار یعنی دین اسلام کے
الاسلام و انتہم یا معشر ۲ مدکار ہیں و اللہ اعلم ۳ ہیں اور تم اے ربوہ
قریش رہط بیننا و قد دفت ۴ مہاجرین۔ تم ہم میں یہ نہیں سمجھتے ہو

الینا دافۃ من قومکم فاذا ہم
یریدون ان یغصبونا الامر

(یعنی تم اقلیت ہو اور ہم اکثریت میں
ہیں) اور تحقیق تمہاری قوم کی ایک قلیل
جماعت ہمارے یہاں پناہ گیر ہوئی اور
اب وہ ہم سے ہمارا حق خلافت غصب کرنا
چاہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے اپنی تقریر میں یہ فرمایا:

یا معشر الانصار لکم ساقۃ و
فضیلۃ لیست لاحد من
العرب ان محمداً ﷺ لبث
فی قومہ بضع عشرۃ سنۃ
یدعوہم فما امن بہ الا القلیل
ما کانوا یقدرون علی منعه
ولا علی اعزاز دینہ ولا علی
دفع ضیم حتی اذا اراد اللہ
بکم الفضیلۃ ساق الیکم
الکرامۃ و رزقکم الایمان بہ و
برسولہ والمنع لہ واصحابہ
والاعزاز لہ ولدینہ والجهاد
لاعدائہ فکنتم اشد الناس
علی عداوۃ حتی استقامت
العرب لامر اللہ طوعاً و کرہاً
واعطی البعید المقادۃ صاغراً
فدانتم لرسولہ باسیافکم
العرب و توفاه اللہ وهو عنکم

اے معشر انصار تم کو دین اسلام کے بارے
میں ایسی سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو
عرب میں سوائے تمہارے کسی کو حاصل
نہیں۔ آنحضرت ﷺ اپنی قوم میں تیرہ
برس اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر اس
مدت میں بہت تھوڑے لوگ آپ پر
ایمان لائے جن میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ
آپ کی حفاظت کر سکتے اور نہ ان میں آپ
کے دین کو عزت دینے اور سر بلند کرنے کی
طاقت تھی یہاں تک کہ ان میں یہ بھی
طاقت نہ تھی کہ کسی دشمن کے ظلم کو اپنے سے
ہٹا سکیں حق جل و علانے جب تم کو فضیلت
دینا چاہی تو عزت و کرامت کا سامان تم
تک پہنچایا اور تم کو ایمان لانے کی توفیق
دی اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب
کی حفاظت تم سے کرائی اور اپنے دین کی
عزت تم سے کرائی اور خدا کے دشمنوں سے
تم نے جہاد کیا اور خدا کے دشمنوں پر تم سب
سے زیادہ سخت ثابت ہوئے یہاں تک کہ

راض قریر العین۔ استبدوا
بہذا الامر دون الناس فانہ لکم
دونہم!

تمام عرب حکم خداوندی کے سامنے جھک
گیا اور دور والوں نے بھی مجبور و مقبور ہو کر
گردن ڈال دی اور تمہاری تنواروں سے
تمام عرب رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار بنا
اور پھر اللہ نے اپنے نبی کو وفات دی اور
حضور پر نور نے جس وقت دنیا سے رحلت
کی تو وہ تم سے راضی تھے اور آپ کی
آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں پس تم ہی اس
منصب خلافت کو حاصل کرو۔ یہ تمہارا ہی
حق ہے۔ اوروں کا نہیں۔

حاضرین نے اس تقریر کو بہت پسند کیا اور ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ تقریر
ختم ہونے کے بعد پھر اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور مہاجرین نے اس پر اعتراض کیا کہ
ہم رسول اللہ ﷺ کے اولین اصحاب ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ کا
قبیلہ اور گروہ ہیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی یعنی خویش اور اقارب اور وطن سب کو خیر باد کہہ
کے یہاں آئے اس پر بعض انصار نے یہ کہا کہ بہتر یہ ہے کہ دو امیر ہوں ایک مہاجرین میں
سے اور ایک انصار میں سے اور دونوں امیر باہم صلاح و مشورہ سے خلافت کا کام انجام دیں
سعد بن عبادہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

حضرت عمر نے چاہا کہ کچھ بولیں مگر صدیق اکبر نے ان کو یہ کہہ کر (علی رسک) اے
عمر ٹھہرو خاموش کر دیا۔ حضرت عمر چونکہ صدیق اکبر کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے
بیٹھ گئے اور صدیق اکبر نے تقریر شروع فرمائی۔

صدیق اکبر کی تقریر

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ فرمایا۔

ان اللہ قد بعث فینا رسولاً
شہیداً علی امة لیعبدوه و
یوحدوه وہم یعبدون من
دونہ الہة شتی من حجر و
خشب فعظم علی العرب ان
یتبرکوا دین اباءہم فخص
اللہ المهاجرین الاولین من
قومہ بتصدیقہ و المواساة لہ
و الصبر معہ علی شدة اذی
قومہم و تکذیبہم ایاہ و کل
الناس لہم مخالف زار علیہم
فلم یستوحشوا لقدة عدہم
و شنف الناس لہم فہم اول
من عبد اللہ فی ہذہ الارض و
امن باللہ و بالرسول وہم
اولیاءہ و عشیرتہ و احق
الناس بھذہ الامر من بعدہ لا
ینازعہم الا ظالم و انتم یا
معشر الانصار من لاینکر
فضلہم فی الدین ولا سبقتہم
فی الاسلام رضیکم اللہ
انصارا لدینہ و رسولہ وجعل
الیکم ہجرۃ فلیس بعد
المہاجرین الاولین عندنا
بمنزلتکم فنحن الامراء و

تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا
کہ جو امت کے نگرانی کرے تاکہ لوگ ایک
اللہ کی عبادت کریں اور یہ لوگ آپ کی بعثت
سے پہلے پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے
بتوں کی پرستش کرتے تھے، عرب کو اپنے
آبائی دین کا چھوڑنا بہت شاق اور گراں ہوا
پس حق جل شانہ نے آپ کی قوم میں سے
مہاجرین اولین کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ
سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور سب
سے پہلے آپ کی خدمت کی اور آپ کے
نمکسار بنے اور قوم کی طرف سے جو سخت
سے سخت ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر
کیا حالانکہ اس وقت تمام لوگ ان کے
مخالف تھے مگر باوجود قلت تعداد کے لوگوں کی
دشمنی سے گھبرائے نہیں اور اس حالت میں
آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا پس مہاجرین
اولین۔ تمام لوگوں میں سب سے اول ہیں
جنہوں نے روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی
اور اللہ و اس کے رسول پر سب سے پہلے
ایمان لائے اور یہی لوگ آنحضرت ﷺ
کے اولیاء اور عشیرہ ہیں یعنی آپ کے قرابت
دار اور کنبہ دار ہیں اور یہی لوگ آپ کے بعد
امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں
اس معاملہ میں سوائے ظالم کے کوئی ان سے

اتم الوزراء لا تقاونون
بمشورة ولا تقضى دونكم
الامور

نہیں جھڑکتا اور اے گروہ انصار۔ تمہاری
فضیلت اور دین اسلام میں سبقت کا کسی کو
انکار نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو پسند کیا کہ اپنے
رسول کا اور اپنے دین کا انصار یعنی معین و
مددگار بنایا اور اپنے رسول کو تمہاری طرف
ہجرت کرائی پس مہاجرین اولین کے بعد
ہمارے نزدیک تمہارا ہی مرتبہ ہے کسی اور
شخص کا نہیں پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے
وزیر ہو بغیر تمہارے مشورے کے امور
انجام نہیں دیئے جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کے جواب میں یہ فرمایا۔

ماذ کرتم من خیر فانتم اهل
وما تعرف العرب هذا الامر
الا لهذا الحي من قريش هم
اوسط العرب نسبا ودارا
بجاری شریف ص ۱۰۱ کتاب محرمین۔

اے گروہ انصار تم نے جو اپنے محاسن اور
فضائل بیان کیئے بیشک تم اس کے اہل ہو
لیکن اہل عرب اس امر خدفت کو سوائے
قبیلہ قریش کے کسی اور کے لئے قبول نہیں
کریں گے کیونکہ قبیلہ قریش۔ باعتبار
حسب و نسب کے اور باعتبار مکان کے
سب سے افضل اور برتر ہے۔

صدیق اکبر کا مطلب یہ تھا کہ خیفہ ایسی قوم سے ہونا چاہیے کہ جن کی سرداری اور
شرافت جسی و نسبی لوگوں میں مسلم ہوتا کہ لوگ اسی کی مارت پر متفق ہو سکیں اور اس کی
اطاعت اور فرمانبرداری سے عار نہ محسوس کریں کیونکہ جب تک کسی قسم کی شرافت اور برتری
اور بزرگی مسلم نہ ہو، اس وقت تک لوگ طاعت پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اس کو حقیر و ذلیل
سمجھتے ہیں صدیق اکبر کا منشاء یہ تھا کہ قریش کی فضیلت اور برتری تمام عرب میں مسلم ہے اور

اوس اور خزر راج کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اس لئے اگر انصار میں سے کسی کو امیر بنایا گیا تو قبل عرب اس کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوں گے اور ملک کے عام باشندے ان کی امارت پر متفق نہ ہوں گے اور خلافت اور امارت کے لئے سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ لوگ امیر سے راضی ہوں اور اس کی امارت پر مجتمع اور متفق ہوں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کو منیٰ طیب بنا کر یہ کہا

یا معشر الانصار انا واللہ مانکر فضلکم ولا بلائکم فی الاسلام ولا حقکم الواجب علینا ولكن قد عرفتم ان هذا الحی من قریش بمنزلة من العرب فلیس بها غیرهم وان العرب لن تجتمع الا علی رجل منهم فنحن الامراء و انتم الوزراء فاتقوا اللہ ولا تصدموا الاسلام ولا تکونوا اول من احدث فی الاسلام الا وقد رضیت لکم احد هذین الرجلین لی ای لعمر ولابی عبیدة فایهما بايعتم فهو لکم ثقة الحدیث ۱

اے سروہ انصار خدا کی قسم ہم تمہاری فضیلت اور اسلام کی خدمت اور اعانت اور تمہارے حق واجب کے منکر نہیں۔ لیکن تم خوب جانتے اور پہچانتے ہو کہ قبیلہ قریش کو عزت و وجاہت کا جو مرتبہ ملک عرب میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہیں ہے اور عرب کے باشندے سوائے قبیلہ قریش کے کسی اور شخص کی امارت پر متفق نہیں ہو سکتے (اور بغیر ملک کے اتفاق کے کارخانہ حکومت کا نہیں چل سکتا) اس لئے قریش امراء ہوں گے اور انصار وزراء ہوں گے پس اے انصار اللہ سے ڈرو اور اسلام میں سب سے پہلے بدعت جاری کرنے والے تم نہ بنو اور میری رائے یہ ہے کہ خلافت اور امارت کے لئے یہ دو آدمی پسندیدہ ہیں ایک عمر اور ایک ابو عبیدہ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لو گے وہ تمہارا قابل وثوق اور قابل اطمینان امیر ہوگا۔

صدیق اکبرؑ کی اس تقریر دل پذیر کے بعد حباب بن المذربن الجموح کھڑے ہوئے اور کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے صدیق اکبرؑ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ الایمة من قریش۔ خلفاء اور امراء قریش میں سے ہوں گے۔ علامہ قاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور چالیس صحابہ سے مروی ہے، کذا فی شرح الشماک للعلامة القاری۔

محمد بن الحنفیہ راوی ہیں کہ صدیق اکبرؑ نے اس وقت یہ فرمایا:

انہ لا یحل ان یکون
للمسلمین امیران فانہ مہما
یکن ذلکم یختلف امرہم و
احکامہم و تتفرق جماعتہم
و یتنازعون فیما بینہم ہنالک
ترک السنۃ و تظہر البدعۃ و
تعظم الفتنة و لیس لاحد علی
ذالک صلاح وان هذا الامر
فی قریش ما اطاعوا اللہ و
استقاموا علی امرہ قد بلغکم
ذالک اوسمعتموہ عن رسول
اللہ ﷺ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا
وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ
اللہَ مَعَ الصَّابِرِینَ فنحن الامراء
وانتم الوزراء اخوان فی
الدین و انصارنا علیہ۔ ۲

تحقیق یہ امر بالکل روا نہیں کہ مسلمانوں کے
دو امیر ہوں اس سے مسلمانوں کے امور اور
احکام میں اختلاف پیدا ہوگا اور جماعت
میں تفرق پڑ جائے گا اور آپس میں جھگڑے
کھڑے ہو جائیں گے اور اس وقت سنت
تو متروک ہو جائے گی اور بدعت ظاہر ہو
جائے گی اور ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا۔ اس
میں مسلمانوں کی خیر نہیں اور یہ امر خلافت
قریش میں رہے گا جب تک قریش اللہ کی
اطاعت کریں اور اس کے حکم پر قائم رہیں
اور یہ حدیث تم کو پہنچ چکی ہے یا تم خود نبی
کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن چکے ہو
آپس میں نزاع نہ کرو بزدل ہو جاؤ گے اور
تمہاری ہوا خیزی ہوگی۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر
کرنے والوں کے ساتھ ہے پس ہم امیر
ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو دینی بھائی ہو اور
دین میں ہمارے معین اور مددگار ہو۔

فروق اعظم ہوئے افسوس۔ ادا تو لاریں ایک نیام میں نہیں ساتیں اور ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوتے یعنی ایک سلطنت کے دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں۔ فروق اعظم کا جواب عقلی تھا اور صدیق اکبر کا جواب نقلی تھا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صریح ارشاد نقل کر دیا اور بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ میں نے بھی یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے اور دیگر انصار اور مہاجرین نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی۔ حباب بن منذر وغیرہ جو انصار کی خلافت پر مصر تھے۔ اس حدیث کے سنتے ہی ان کا بھی خیال بدل گیا اور مجمع میں جو امارت کی بابت شور و غل برپا تھا وہ یکلخت رفع ہو گیا سب کے سب ایک خاموشی کی حالت میں ہو گئے۔

زید بن ثابت کا تب الوحی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اس لئے آپ کا خلیفہ مہاجرین میں سے ہوگا جس طرح ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعموان و انصار رہے اسی طرح ہم خلیفہ رسول کے انصار اور مددگار بن کر رہیں گے اور پھر ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہ یہ تمہارے خلیفہ ہیں ان سے بیعت کرو۔ ۲

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اعتراف

قال الامام احمد حدثنا عفان ثنا ابو عوانة عن داود بن عبد الله عن حميد بن عبد الرحمن قال توفي رسول الله و ابو بكر في صائفة من المدينة قال فجاء فكشف عن وجهه فقبله وقال فداك ابني و امي ما اطيعك حيا و ميتا

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا تو ابو بکر صدیق اس وقت اپنے گھر تھے فوراً آئے اور آپ کے چہرہ انور سے چادر مبارک اٹھائی اور بوسہ دیا اور صحابہ کرام کو تسلی دی، بعد میں جب یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہیں تو ابو بکر و عمر تیزی کے ساتھ انصار کے مجمع میں پہنچے اور ابو بکر نے کلام کیا۔ انصار کے فضائل

افروق اعظم کا یہ کلام سیرت حمید میں مذکور ہے، صلی عہدت یہ ہے۔ وفی رواية (ای عن عمر) قلت سيفان فی غمد واحد لا یكون هیات لا یجتمع فحلان فی معمر کذا فی السیرة الحلیة ص ۳۵۸ وقع فی حدیث مسند بن عبد الله عند البرار وعمره فی قصة الوفات فقالت الانصار مسا امیر و مکم امیر فقال عمر واخذ بيد ابني بکر۔ اسيفان فی غمد واحد لا یصطحح الح کذا فی فتح الباری ص ۲۵ ح ۷ مناقب ابني بکر ﷺ

سات محمد ورب الکعبة
 فذكر الحديث قال فانطلق
 ابو بکر و عمر یتعاد ان حتی
 اتوهم فتکلم ابو بکر فلم
 یترک شیئا انزل فی الانصار
 الا ذکره قال ولقد علمتم ان
 رسول الله ﷺ قال لو
 سلك الناس وادیا و سلكت
 الانصار وادیا لسلکت وادی
 الانصار لقد علمت یا سعد
 ان رسول الله ﷺ قال - و
 انت قاعد قریش ولا هذا
 الامر خیر الناس تبع لبرهم
 وفاجرهم تبع لفاجرهم فقال له
 سعد صدقت نحن الوزراء
 وانتم الامراء۔

و مناقب میں جو کچھ بھی نازل ہوا تھا ابو بکر
 نے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں
 چھوڑی کہ جس کا اس مجلس میں ذکر اور بیان
 نہ کیا ہو اور یہ کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم
 ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ ایک وادی سے
 چلیں اور انصار دوسری وادی سے چلیں تو
 میں انصار کی وادی سے چلوں گا اور خدا کی
 قسم اے سعد تم کو خوب معلوم ہے کہ ایک
 مرتبہ جب کہ تم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں
 بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے یہ فرمایا کہ
 قریش ہی اس امر خلافت کے والی اور متولی
 ہوں گے، ان میں کے اچھے اچھوں کے
 تابع ہیں و برے بروں کے تابع ہیں سعد
 بن عبادہ نے ابو بکر سے کہا کہ تم نے سچ کہا۔
 ہم وزراء ہیں اور تم ہی امراء ہو۔

اس روایت میں صراحتہ موجود ہے کہ ابو بکر صدیق نے، سعد بن عبادہ کو قسم دے کر کہا
 کہ تمہاری موجودگی میں نبی کریم ﷺ نے کہا کہ امر خلافت کے والی قریش ہوں گے، سعد
 نے لقد صدقت کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے اس
 روایت کے لئے ایک خاص عنوان قائم فرمایا وہ ہذا۔ ذکر اعتراف سعد بن عبادہ
 بصحة ما قاله الصدیق يوم السقيفة ۲

۲۔ قد علمت میں امام موطا للشمس نے اس لئے اس کا ترجمہ خدا کی قسم سے کیا گیا۔ (منہ عنہ عنہ)

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ منا امیر و منکم امیر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے تو حضرت عمرؓ نے یہ کہا اے معشر انصار تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابوبکر و گویوں کی اہمیت کریں پس تم میں سے کون شخص ہے کہ جو ابوبکر پر پیش قدمی کرنا پسند کرے، انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر پر پیش قدمی کریں رواہ النسائی والبیہقی والی کم وصحیحہ عن ابن مسعود۔ (کذا فی شرح الشرائع لمحمد بن قسطلانی ص ۲۱۹ ج ۲) مطلب یہ تھا کہ اس حضرت ﷺ کا خاص طور پر تاکید اور اصرار کے ساتھ ابوبکر کو امام بنانا اور اپنا قائم مقام مقرر کرنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں سب سے افضل اور مقدم ابوبکر ہیں۔

اور شاکل ترمذیؒ کی روایت میں ہے کہ جب انصار نے یہ کہا منا امیر و منکم امیر تو فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوبکر کی تین خصوصیتیں بیان کی اور علی الاعلان فرمایا کہ بتلاؤ کہ یہ تین خصوصیتیں سوائے ابوبکر کے کسی اور شخص میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کو قرآن میں ثانی اثنین اذہما فی الغار فرمایا، ابوبکر کو نبی کریم کا ثانی بتلایا اور آپ کا یار غار بتایا۔ (دوم) یہ کہ ابوبکر کو آپ کا صاحب خاص

۱۔ فی رویۃ النسائی و ابی یعلیٰ والحاکم وصحیحہ عن ابن مسعود انه قال لما قالت الانصار منا امیر و منکم امیر فاتاہم عمر بن الخطاب فقال یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ ﷺ قد امر ابا بکر ان یؤم الناس فایکم بطیب نفسا ان یتقدم علی ابی بکر فقلت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم علی ابی بکر۔ کذا فی شرح الشرائع۔

۲۔ فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر فال عمر من له مثل هذه الثلاث (ای الفضائل الثلاث التي لابی بکر) (۱) ثانی اثنین اذہما فی الغار (۲) اذ یقول لصاحبه لا تحزن (۳) ان اللہ معنا۔ الحدیث ثابت باللہ تعالیٰ فی ہذا الایۃ ثلاثۃ فضائل لابی بکر الاولی ثانی اثنین۔ والثانیۃ اثبات الصحبة له فی قوله تعالیٰ اذ یقول لصاحبه لا تحزن۔ الثالثۃ اثبات المعیۃ فی قوله تعالیٰ ان اللہ معنا فاثباتہ تعالیٰ نیک الفضائل الثلاث بہم القرآن یؤذن بحقیقۃ الخلافۃ کذا فی شرح الشرائع للشیخ عبد الرؤف الماوی و العلامة القاری ص ۲۲۰ ج ۲ وقال الحافظ العسقلانی فی الفتح ص ۲۵ ج ۲ ووقع فی حدیث سالم بن عبید عند البزار وغیرہ فی قصۃ الوفاۃ فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر فقال عمرو اخذ بید ابی بکر اسیمان فی عمدہ و احد لا یصطدحان واخذ بید ابی بکر فقال من له هذه الثلاث اذہما فی الغار من ہما۔ اذ یقول لصاحبه من صاحبه لا تحزن ان اللہ معنا۔ مع من۔ ثم بسط یدہ فبايعہ ثم قل بايعوه فبايعہ الناس، فتح الباری ص ۲۵ ج ۲ مناقب ابی بکر

اور محبت بااختصاص فرمایا اذِیْقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْزَنُ۔ (سوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی معیت خاص کو ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا۔ ورنہ علم و راحاطہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام ہے اور سب کو شامل اور متناول ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ یہ تین فضیلتیں ابوبکر کے لئے نص قرآن سے ثابت ہیں جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں اور وہی سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں۔

(کنز الدینی شرح اشکال للعلامۃ لقاری و الشیخ ابن ندی ص ۲۲۰ ج ۲)

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کی افضلیت کے دلائل میں فقط تین فضائل کے ذکر پر اکتفا فرمایا کہ جو روز روشن کی طرح بالکل واضح تھے ورنہ آیت کے سیاق و سباق میں صدیق اکبر کی افضلیت کے اور بھی دلائل موجود ہیں۔ فاروق اعظم نے صرف تین پر اکتفا فرمایا اور سنئے (۱)۔ ان لا تنصروه فقد نصره اللہ۔ اذ اخرجہ الذین کفروا اس آیت میں ابوبکر صدیق کے سوا سب کو ترک نصرت پر عتاب اور تہدید ہے اس لئے کہ ابوبکر صدیق تو آپ کے ساتھ تھے، اور آپ کے ناصر مددگار تھے ابوبکر عتاب سے مستثنیٰ ہیں۔

دوم یہ کہ من جانب اللہ نبی کریم ﷺ کی نصرت ابوبکر صدیق کی نصرت کو متضمن ہے کیونکہ ابوبکر صدیق آپ کے ساتھ تھے پس حضور پر نور کی طرح ابوبکر منصور اور مؤید من اللہ تھے وہی الحق بالخلافۃ ہوں گے۔

سوم یہ کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ میں صحیح قول کی بنا پر علیہ کی ضمیر ابوبکر صدیق کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت و طمانیت ابوبکر پر نازل کی اس لئے کہ ابوبکر صدیق ہی آں حضرت ﷺ کی محبت میں غایت درجہ حزین و مضطرب تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص سکینت و طمانیت سے سرفراز فرمایا۔

چہارم یہ کہ اس آیت میں ابوبکر کو ثانی اثنین بتلایا گیا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ میں آں حضرت ﷺ کے ثانی اور قائم مقام ہیں اور مقام و قرب اور غار انوار و تجلیات میں آپ کے رفیق اور یار غار ہیں۔

پنجم یہ کہ اذِیْقُولُ صاحب میں ”صاحب“ سے باجماع مفسرین ابوبکر صدیق مراد ہیں۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں خاص طور پر ابوبکر صدیق کو آں حضرت ﷺ کا صاحب

یعنی رفیق خاص اور مصاحب با اختصاص اور محب صادق و سراپا اخلاص بتایا اشارہ اس طرف ہے کہ ابو بکر صدیق کی صحبت اور معیت اور رفقت دائم اور مستمر ہے حیات دنیویہ میں آپ کے ساتھی اور رفیق ہیں اور عالم برزخ اور عالم آخرت اور میدان حشر اور حوض کوثر پر بھی آپ کے ساتھ ہوں گے اور جنت میں بھی آپ کے رفیق ہوں گے اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابو بکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس قول ”لصاحبہ“ کا منکر ہے۔

ششم یہ کہ ابو بکر کے متعلق یہ فرمایا لا تحزون اے ابو بکر تم غمگین اور رنجیدہ نہ ہو، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابو بکر صدیق آل حضرت ﷺ کے عاشق جاں نثار اور غمگین و غمگسار تھے۔ ہفتم یہ کہ لا تحزون کے بعد ان اللہ معنا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص معیت کی بشارت دی جس کی تفصیل ہجرت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ہذا کلمہ توضیح، افادہ العلامة القاری فی شرح الشمائل۔

بعد ازاں صدیق اکبر نے کہا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ دونوں یہاں موجود ہیں تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو عمر اور عبیدہ نے کہا۔ خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے والی بنیں۔ آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے اس میں آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے اے ابو بکر آپ اپنا دست مبارک بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر نے عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر دوں عمر نے ابو بکر سے کہا کہ تم افضل ہو۔ ابو بکر نے جواب دیا انت اقوی منی۔ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو ان پر عمر رنوتا رہا۔ آخر میں عمر نے کہا ان قوتی لك مع فضلک یعنی میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرنے میں ہے یعنی افضل و امیر ہوگا اور اقوی اس کا مزید ہدایہ ہوگا مذنی تاریخ شمائل اعلام القاری ص ۲۳۱ ج ۲، اس سے بعد پھر حضرت عمر نے صدیق سے کہا کہ ہاتھ بڑھائیے۔

عبیدہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر سے بیعت کریں تو بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کی اور اٹھ کر سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر حضرت عمر اور حضرت ابوجہاد نے بیعت کی۔

جب حباب بن منذر نے دیکھا کہ بشیر بن سعد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو چلا کر یہ کہا کہ تو نے قرابت کا لحاظ نہ رکھا اور اپنے ابن عم (سعد بن عبادہ) کی امارت کو پسند نہ کیا اور اس پر رشک اور حسد کیا بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ خدا کہ قسم یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں مہاجرین سے ان کا حق چھیننا پسند نہیں کرتا۔ پھر قبیلہ اوس کے لوگ قبیلہ خزرج کی امارت کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو اندیشہ یہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ سعد بن عبادہ کو امیر بنالیا اور امارت خزرج میں چلی گئی تو پھر قبیلہ اوس کو اس فضیلت میں سے کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ اسید بن حضیر قبیلہ اوس کے نقیب اور سردار وہاں موجود تھے انہوں نے قبیلہ اوس کے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اٹھو اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ لوگ اٹھے اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت سعد اور خزرج کا ارادہ درہم برہم ہو گیا۔

بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ ابوبکر کی بیعت کے لئے اُمنڈ پڑے اور کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ سعد بن عبادہ ایک گوشہ میں بیٹھنے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ دیکھو کہیں سعد دب کر نہ مر جائے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو مارے سعد اٹھ کر گھر چلے گئے اور لوگ بیعت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

بیعت خاصہ کے بعد بیعت عامہ

غرض یہ کہ ابوبکر صدیق باجماع مہاجرین و انصار خلیفہ منتخب ہو گئے اور بیعت کے بعد جلسہ ختم ہو گیا یہ بیعت دو شنبہ کی شام کو ہوئی جس دن آنحضرت ﷺ کا ۱۰ سال ہوا یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱ھ بوقت شام دو شنبہ کے دن یہ بیعت خاصہ تھی اور بیعت عامہ وفات کے دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی میں منبر پر ہوئی۔

بیعت استیفہ کے دوسرے دن یعنی بروز منگل عامۃ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔

اقوال الحافظ ابن کثیر قلت کان ہذا رای امر السیعة فی السقیفة فی بقعة یوم الاثنين فمما کان العد صبیحة یوم الثلاثاء اجتمع الناس فی المسجد فتمت السعة من المهاجرین والانصار قاضیة وکان ذلك قبل تحمیر رسول اللہ ﷺ تسلیماً کدافی السدانة و سہیة ص ۲۳۸ ح ۵۔

تمام اصحاب کبار اور مہاجرین و انصار موجود تھے پہلے حضرت عمرؓ نے منبر پر بیٹھ کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور حضرت ابوبکر خاموش بیٹھے رہے۔

بیعت عامہ سے پہلے مسجد نبوی میں حضرت عمر کا خطبہ

حضرت عمرؓ نے کہا مجھے اُمید تھی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہم سب کے بعد ہوگی پس اگر محمد ﷺ وفات پا گئے (تو انشاء اللہ دین میں کوئی خلل نہیں آئے گا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایک نور ہدایت (قرآن) باقی رکھا ہے جو تمہاری ہدایت کا ذریعہ ہے اور حضور پر نور کے بعد ابوبکر صدیق تم میں موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے یار غار اور ثانی اثنین دو میں کے دوسرے ہیں اور آپ کے صاحب خاص اور رفیق بااختصاص ہیں تمام مسلمانوں میں زیادہ وہی تمام مملکت کے ولی اور حقدار ہیں پس اے مسلمانو! اٹھو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ ۲

ایک روایت میں ہے کہ فروق اعظم نے فرمایا اے مسلمانو! بتاؤ سوائے ابوبکر کے کون ہے کہ جس کو اللہ نے ثانی اثنین اذہما فی الغار فرمایا ہو۔ اور کون ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا صاحب خاص فرمایا ہو۔ اذیقول لصاحبہ اور کون ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کے ساتھ ہو۔ ان اللہ معنا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ وہ صفات فاضلہ ہیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی فرد بشر ایسا نہیں کہ جو ان صفات فاضلہ میں ابوبکر کا شریک اور سہیم ہو پھر استحقاق خلافت میں کیسے کوئی ان کا شریک اور سہیم ہو سکتا ہے خوب سمجھ لو

اقال البحاری انبأنا ابراہیم بن موسیٰ ثنا ہشام عن معمر عن الزہری اخبرنی انس بن مالک انه سمع خطبة عمر الاخرة حين جلس على المنبر وذاك العدم من يوم توفي رسول الله ﷺ و ابوبکر صامت لا يتكلم قال كنت ارحوان يعيش رسول الله ﷺ حتى يدبرنا يريد بدالك ان يكون اخرهم

۲۱ ابدیۃ والنہیۃ ج ۵، ص ۲۴۸

فان بك محمد قد مات فان الله عز وجل بي اظهر كم نور تهتدون به هدى الله محمد ﷺ وان ابوبکر صاحب رسول الله وثانی اثنین وانه اولی المسلمین باسمور كم فقوموا بايعوه و كانت طائفه قد بايعوا قس ذلك في سقيفة بني ساعدة وكانت بيعة العامة على المنبر۔

کہ جس کو حق جل شلتہ ثانی اثنین فرمائیں وہ بلاشبہ لاثانی ہے لہذا اے مسلمانو! تم اس لاثانی کی طرف بڑھو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو رسول اللہ کے ہاتھ کے بعد یہ دوسرا ہاتھ ہے۔
شیخ فرید الدین عطار غنطق الطیر میں فرماتے ہیں:

خواجہ اول کہ اول یار او ست	ثانی اثنین اذہانی الغار او ست
صدر دین صدیق اکبر قطب حق	درہمہ چیز ازہمہ برودہ سبق
ہرچہ حق از بارگاہ کبریا	ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
اوہمہ در سینہ صدیق ریخت	لاجرم تابود ازو تحقیق ریخت
چوں تو کردی ثانی اثنینش قبول	ثانی اثنین او بود بعد از رسول

صدیق اکبر سے بیعت لینے کی درخواست

حضرت عمر جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر سے عرض کیا اصعد المنبر منبر پر چڑھیے صدیق اکبر نے تامل کیا مگر حضرت عمر برابر اصرار کرتے رہے۔ تب صدیق اکبر منبر پر جا کر بیٹھے اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بیعت عامۃ کے بعد صدیق اکبر کا پہلا خطبہ

صدیق اکبر حضرت عمر کے اصرار سے منبر پر بیٹھے مگر جس درجہ پر نبی اکرم ﷺ بیٹھا کرتے تھے، اُس کو چھوڑ کر ایک درجہ نیچے بیٹھے اور عامۃ مسلمین سے بیعت عامۃ لی۔ بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا

اما بعد۔ ایہا الناس فانی	اے لوگو! میں تمہارا والی اور امیر بنا دیا گیا
قد ولیت علیکم ولست	ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں
بخیر کم فان احسنت	اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر
فاعینونی وان اسأت فقومونی	کوئی بُرا کام کروں تو تم مجھ کو ٹھیک کر دینا
الصدق امانة والكذب خیانة	صداقت۔ امانت ہے اور کذب خیانت

اصل عبارت اس طرح ہے۔ قال الزہری عن انس بن مالک سمعت عمر یقول یومئذ لانی بکر اصعد المنبر فلم یزل بہ حتی صعد المنبر فبايعه الناس عامۃ کذا فی البدایہ والنہایہ ص ۲۳۸

والضعیف فيكم قوى عندي حتى ازيح عنه ان شاء الله تعالى والقوى فيكم ضعيف حتى اخذ منه الحق ان شاء الله تعالى لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله الا ضربهم الله بالذل ولا يشيع في قوم قط الفاحشة الا غمهم الله بالبلاء اطيعوني ما اطعت الله ورسوله فاذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم قوموا الي صلاتكم يرحمكم الله وهذا اسناد صحيح

ہے اور جو شخص تم میں ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے تاکہ اس کی تکلیف کو دور نہ کر دوں یعنی اس کا حق نہ در دوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے، اور جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری شائع ہو جاتی ہے تو ساری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں اب نماز کیلئے اٹھو اللہ تم پر رحم فرمائے آمین۔

مویٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور حاکم نے مستدرک میں عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے۔

خطب ابو بکر فقال والله ما كنت حريصا على الامارة يوما وليلة قط ولا كنت راغباً ولا سألتها الله في سرو علانية ولكنني اشفقت من الفتنة ومالي من الامارة من

صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا خدا کی قسم میں امارت اور خلافت کا کبھی خواہشمند نہیں ہوا نہ دن میں نہ رات میں اور نہ کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ حق تعالیٰ سے علانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا مانگی البتہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو

راحۃ لقد قلت امرا عظیما
مالی بہ من طاقة ولا یدالا
بتقویۃ اللہ کذا فی شرح
الشمائل للعلامة القاریؒ

جائے اس لئے بادل ناخواستہ میں نے
امارت کو قبول کر لیا اور مجھے امارت میں کوئی
راحت نہیں میری گردن پر ایک عظیم بوجھ ڈالا
گیا جس کے اٹھانے کی اپنے اندر طاقت
نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ میری مدد فرمائے۔

اور کنز العمال کی کتاب الخلافت پر صدیق اکبر کا خطبہ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن ابی بکر انہ قال یا ایہا
الناس ان کنتم ظننتم انی
اخذت خلافتکم رغبة فیہا
او ارادة استیثار علیکم و علی
المسلمین فلا والذی نفسی
بیدہ ما اخذتہا رغبة فیہا و
استیثارا علیکم ولا علی احد
من المسلمین ولا حرصت
علیہا لیلۃ ولا علانیۃ ولقد
امرا عظیما لا طاقة لی بہ الا
ان یعین اللہ تعالیٰ ولوددت
انہا الی ای اصحاب رسول
اللہ ﷺ علی ان یعدل فیہا
فہی الیکم رد ولا بیعة لکم
عندی فادفعوا لمن احببتہم
فانما انارجل منکم رواہ ابو
نعیم فی فضائل الصحابة

صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا اے لوگو اگر
تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نے یہ خلافت اس
لئے قبول کی ہے کہ میں خلافت اور امارت
میں راغب تھا یا میں مسلمانوں پر اپنی برتری
اور فوقیت چاہتا تو قسم ہے اُس خداوند
ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان
ہے میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول
نہیں کیا۔ خدا کی قسم میں نے امارت اور
خلافت کی دن اور رات کی کسی ساعت میں
کبھی حرص نہیں کی اور نہ ظاہر و باطن میں خدا
تی سے اس کی دعاء مانگی میری تمنا تو یہ تھی کہ
میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپ دیا
جاتا جو مسلمانوں میں عدل کرتا۔ اور اب میں
تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ تمہاری خلافت اور
امارت تم کو واپس ہے اور جو بیعت تم میرے
ہاتھ پر کر چکے ہو وہ سب ختم ہے، اب جس کو
چاہو یہ امارت اور خلافت پہ درو تم میں کا
ایک فرد میں بھی ہوں و السلام۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو صدیق اکبر نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو لوگوں میں حضرت علی اور حضرت زبیر کو نہ پایا فرمایا کہ میں اس مجمع میں علی اور زبیر کو نہیں دیکھتا ان کو بھی بلا لو۔ انصار میں سے کچھ لوگ اٹھے اور حضرت علی اور حضرت زبیر کو بلا کر لائے۔

(کنز العمال ص ۱۳۱ ج ۳ کتاب الخلافہ)

صدیق اکبر نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد کیا تم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو اور یہی حضرت زبیر سے کہا حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ آپ ہمیں ملامت نہ کریں ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے اور عرض کیا۔

قال علی والزبیر ما غضبنا
الا لانا اخرنا عن المشورة وانا
نری ابا بکر احق الناس بها انه
لصاحب الغار وانا لنعرف
شرفه وخیره ولقد امره رسول
الله ﷺ ان یصلی بالناس
وهو حی۔ اسناد جید ولله
الحمد والمنة ۲

حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ ہمیں کسی چیز کا رنج نہیں۔ خیال صرف اس بات کا ہے کہ خدفت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا باقی ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے یار غار ہیں اور ہمیں ان کا فضل اور شرف اور ان کی بھدائی بخوبی معلوم ہے اور تحقیق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنی زندگی میں امام مقرر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (یہ بھی ان کے فضل ہونے کی دلیل ہے) اس روایت کی سند نہایت کھری ہے۔

و فی روایۃ انہ رضیہ لدیننا
افلا نرضاه لدنیانا

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے یہ
فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو ہمارے
دین کے لئے پسند فرمایا۔ پس کیا ہم ابو بکر کو
اپنی دنیا کے لئے پسند نہ کریں۔

اور یہ کہہ کر ان دونوں حضرات نے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی خراجہ الحاکم
(ازلہ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۷)

صدیق اکبر نے حضرت علی اور حضرت زبیر سے معذرت کی اور یہ کہا کہ خدا کی قسم مجھے
امارت کی ذرہ برابر حرص نہ تھی نہ کبھی دل میں اس کی رغبت ہوئی اور نہ کبھی حق تعالیٰ سے ظاہراً
اور پوشیدہ امارت کی دعا مانگی مگر مجھ کو فتنے کا اندیشہ ہوا یعنی یہ اندیشہ ہوا کہ اگر معاملہ کو تمہاری
آمد تک مؤخر رکھوں تو مبادا کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے۔ ۳

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو نہ کسی نے پوچھا اور نہ بلایا تو حضرات شیعہ
بتلائیں کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر کو کس نے پوچھا اور کس نے بلایا تھا خود ہی فتنہ کے خوف
سے چپے گئے تھے، نیز خدفت کا کام ان کی نظر میں کوئی بڑا کام نہ تھا کہ جس کے واسطے یہ
انتظار کرتے کہ فلاں کو آجانے دو اور فلاں کو تشریف لانے دو۔

بہر حال حضرت علی اور حضرت زبیر نے ابتدا ہی میں صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔
وقد صحح ابن حبان وغیرہ من
حدیث ابی سعید الخدری

شرح الشماک۔ ج ۲ ص ۲۲۲ ۴۔ قال الامام احمد حدثنا علی بن عباس ثنا الولید بن مسلم
اخبرنی یرید بن سعید عن عبد الملک بن عمیر عن رافع الطائی رفیق ابی بکر الصدیق فی
غزوۃ ذات السلاسل قال وسألتہ عما قبل فی بیعتہم فقال وهو یحدثہ عما تقاونت بہ الانصار
وما کلمہم بہ وما کلم بہ عمر بن الخطاب الانصار وما دکرہم بہ من امامتی ایاہم یا سر
رسول اللہ ﷺ فی مرضہ فبايع بی لذلك و قبلتہا مسہم و تخوفت ان تكون فتنۃ بعد ہارۃ
و هذا اسناد جید قوی و معنی ہذا نہ رضى اللہ عنہ انما قبل الامامۃ تخوفاً ان تصع فتنۃ اری
من ترکہ قبولہا رضى اللہ عنہ و ارضاه کذا فی البدایہ والنہایہ ص ۲۳۷ ۵۔ اور ایک روایت ہے۔
فقال رای ابو بکر ان رسول اللہ ﷺ قبض والناس حدیث عہد بکفر و کفرت علیہم ان یرتد
واوان یختلفوا فادخلت فیہا و انا کاره ولم یزل یبکی اصحابی فلم یزل اعتذر حتی عذرتہ رواہ
ابن راہویہ والعدنی والبغوی و ابن خزیمہ کذا فی کترالعمال ص ۱۲۵ ج ۳

وغیرہ ان علیا بایع ابابکر فی ۱۱ کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر
اول الامر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح اور حق یہی ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر
کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، حضرت علی کسی وقت بھی صدیق اکبر سے جدا نہیں ہوئے تمام
نمازیں ابوبکر کے پیچھے پڑھتے تھے۔ ۲

نیز ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے کہ حضرت علی
نے شروع ہی میں ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس کو حاکم کے علاوہ ابوداؤد و سی
ور ابن سعد اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ ۳

اور صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت علی نے چھ ماہ بعد جب
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تب ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی بعض علماء
نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بیہقی نے ابن حبان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور
بعض علماء نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علی نے ایک بیعت تو
شروع ہی میں کر لی تھی لیکن جب بعد میں فدک کا واقعہ پیش آیا اور رنجش اور مدال کی نوبت
آئی اور پھر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے
پس آنا جانا بھی کم ہو گیا تو لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ حضرت علی صدیق اکبر کی خلافت سے
راضی نہیں تو اس وہم کے دور کرنے کے لئے حضرت علی نے مجمع عام میں دوبارہ بیعت کی تو
یہ دوسری بیعت درحقیقت پہلی بیعت کی تجدید تھی۔ ۴

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کی وفات کے بعد
حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی دوسرا
شخص آپ کے ہمراہ نہ ہو۔ (اشارہ حضرت عمر کی طرف تھا کہ وہ سخت ہیں اور ابوبکر نرم ہیں)
حضرت عمر نے سنا تو کہا کہ خدا کی قسم آپ تنہا نہ جائیں۔ ابوبکر صدیق نے کہا خدا کی قسم میں
ضرور جاؤں گا، مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ میرے ساتھ کچھ کریں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر

تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ نے حمد و ثناء کے بعد کہا

انا قد عرفنا فضلك وما اعطا
 الله لم نفس عليك خيرا ساقه
 الله اليك ولكنك استبددت ل
 علينا بالامر وكتا نرى لقرا بتنا
 من رسول الله ﷺ ان لنافى
 هذا الامر نصيبا حتى فاضت
 عينا ابى بكر فلما تكلم ابو بكر
 قال والذي نفسى بيده لقرا به
 رسول الله ﷺ احب الى ان
 اصل قرابتى واما الذى شجر
 بينى وبينكم من هذه الاموال
 فلم آل فيها عن الخير ولم
 اترك امرا رأيت رسول
 الله ﷺ يصنعه فيها
 الا صنعت فقال على لابی بكر
 موعدك العشية للبيعة فلما
 صلى ابو بكر الظهر رقى المنبر
 فتشهد و ذكر شأن على و
 تخلفه عن البيعة و عذره
 بالذى اعتذر اليه ثم استغفر و
 تشهد على فغطم لى حق ابى

اے ابو بکر ہم آپ کے فضل اور شرف کو
 خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور جو خیر اور
 عزت یعنی خلافت اللہ تعالیٰ آپ کی طرف
 کشاں کشاں لایا ہے ہمیں اس پر ذرہ برابر
 رشک اور حسد نہیں لیکن ہمیں شکوہ اس کا ہے
 کہ خلافت کا معاملہ ہم سے بغیر مشورہ کیے
 اکیسے ہی طے کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی
 قرابت کی وجہ سے مشورہ میں ہمارا بھی حق
 ہے، حضرت علیؓ اسی قسم کے گلے اور شکوے
 کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ابو بکر
 صدیق کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے
 ابو بکر صدیق بولے قسم ہے اس ذات پاک
 کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔
 رسول اللہ ﷺ کی قرابتوں کی پاس داری
 مجھے اپنی قرابتوں کی پاس داری سے کہیں
 زیادہ محبوب ہے اور ان اموال فدک و بنی
 انصیر کے بارہ میں باہم جو اختلاف پیش آیا
 سو ان میں میں نے خیر اور بہتری میں کوئی
 کمی نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے
 طریقہ کو ترک نہیں کیا جس طرح

اقول و ملک استبددت ہا، مر قال، لما زمرى لعل عليا اشرك ان اب بكر سبدا حايه با مور عظاما كان مشد حايه ن سخر فيها
 و يشاوره و ان اشار الى ان لم يستشر في عقد الخافه ل او ا و لعذر رايي بمرانه شي من ان خر من البيعة ا اختلاف لما كان وقع
 من ا، فسار كما تقدم في حديث السقييه فلم ينظر و وقع ابى بكر ص ۳۷۹ ج ۷ ۱۲ ابدية و النهية ج ۵ ص ۳۴۹

بکر وحدث انه لم يحمله على
الذى صنع نفاسة على ابى
بكر ولا انكر الذى فضله الله
به ولكننا كنا نرى لنا فى هذا
الامر نصيبا فاستبد علينا
فوجدنا فى انفسنا فسر
بذلك المسلمون وقالوا
اصبت۔ ۱

آپ ان اموال کا انتظام کرتے تھے ان
طرح میں نے بھی کیا حضرت علی نے صدیق
اکبر سے کہا کہ میرا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ
زوال کے بعد بیعت کے لئے حاضر ہوں گا،
ابو بکر صدیق ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر منبر پر
چڑھے اور خدا کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد
حضرت علی کی شان کو اور ان کی بیعت نہ
کرنے کو اور ان کی تاخیر کے عذر کو بیان فرمایا
اور استغفار کے بعد منبر سے اتر آئے۔

ان کے بعد حضرت علی نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر حضرت ابو بکر کے فضائل اور حقوق
بیان کیے اور ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ کہا کہ مجھ سے جو کچھ تاخیر ہوئی اس کی
وجہ معذرت اللہ یہ نہ تھی کہ مجھے صدیق اکبر کی خلافت پر کچھ شک تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ مجھے ان کی
فضیلت اور برتری سے کوئی انکار تھا بلکہ صرف اتنی بات تھی کہ اس معاملہ میں ہمارا بھی کچھ حق
تھا۔ کہ ہم سے کچھ رائے دیتے لیکن ابو بکر نے استبداد سے کام لیا اور ہمارے بلا مشورہ یہ
معاملہ طے کر لیا۔ اس لئے ہم اپنے دل میں رنجیدہ ہوئے مسلمان حضرت علی کی یہ گفتگو سن
کر خوش ہو گئے اور سب نے اُصْبَتْ اور اُحْسِنَتْ کہا۔

ان تمام روایات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت علی کو صدیق اکبر کی
افضلیت اور اہمیت خلافت میں ذرہ برابر شک نہ تھا اور نہ ذرہ برابر خلاف صدیقی پر کوئی حسد
یا رشک تھا اور بصد رضا و رغبت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو شکوہ شکایت تھی وہ بنا بر
محبت تھی۔ غیروں سے شکایت نہیں ہوتی، بلکہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
علی کا دل حضرت ابو بکر کی محبت سے لبریز تھا اور ان کی افضلیت میں کوئی شک و شبہ نہ تھا،
بیعت سے میلحدگی کا سبب معاذ اللہ کوئی رشک و حسد نہ تھا بلکہ ایک مجاہد و مخلصانہ شکوہ تھا اور
بطور ناز تھا۔ حقیقت اس کی کچھ نہ تھی۔ ابو بکر صدیق سقیفہ میں اپنی بیعت لینے نہیں گئے تھے

بلکہ مہاجرین و انصار کے باہمی نزاع کو رفع کرنے گئے اور وہاں جانے کے بعد خود اپنی بیعت کی درخواست نہیں کی۔ بلکہ حاضرین نے بالاتفاق خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کی ایسی حالت میں اگر بیعت نہ لیتے تو فتنہ اور فساد کا اندیشہ تھا اور خطرہ تھا کہ بات اختیار سے بہرہ نہ ہو جائے، ایسے نازک اور ناگہانی حالت میں یہ کہنا کہ فلا نے کو نہیں بلایا اور فلا نے سے مشورہ نہیں کیا مناسب نہیں صدیق اکبر نے حضرت علی کو جب یہ باتیں بتلائی تو سارا گلہ اور شکوہ دم کے دم میں دور ہو گیا اور دل و جان ہے ابو بکر سے بیعت کی۔

علامہ صبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین اور انصار جمع ہو گئے تو صدیق اکبر نے حضرت علی کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب حضرت علی آگئے تو یہ فرمایا:

ما خلفک یا علی من امر
الناس قال خلفنی عظیم
المعتبة ورايتکم استقلتکم
برایکم فاعتذر الیہ ابو بکر
رضی اللہ عنہ بخوف الفتنة
لواخرثم اشرف علی الناس
وقال ایہا الناس ہذا علی بن
ابی طالب لابیعة لی فی عنقہ
وہو بالخیار عن امرالا وانتم
بالخیار جمیعاً فی بیعتکم فان
رأیتم لہا غیری فاننا اول من
یبیع فلما سمع ذلک علی
کرم اللہ وجہہ زال ما کان قد
داخلہ فقال اجل لانری لہا
غیرک امد دیدک فبیاعہ ہو
والنفر الذین کانوا معہ الخ

اے علی تم کو اس بیعت کے معاملہ سے کسی چیز نے مؤخر رکھا حضرت علی نے کہا ایک بڑے شکوہ اور رنج نے ہم کو مؤخر رکھا کہ تم نے ہم سے بغیر مشورہ کیے یہ معاملہ طے کر لیا۔ ابو بکر صدیق نے معذرت کی کہ وہ وقت نہایت پریشانی اور اضطراب کا تھا اگر اس امر کو ملتوی رکھا جاتا تو اندیشہ فتنہ کا تھا اور پھر صدیق اکبر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے لوگو یہ علی بن ابی طالب تمہارے سامنے ہیں ابھی تک میری بیعت کا قلاوہ اُن کی گردن میں نہیں اُن کو پورا اختیار ہے کہ چاہے میرے ہاتھ پر بیعت کریں یا نہ کریں اور اے مسلمانو تم اگرچہ میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہو لیکن تم کو بھی پورا اختیار ہے کہ اپنی بیعت کو

واپس لے لو اور اگر میرے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہو تو تم کو اختیار ہے جس کو چاہو دوبارہ اپنا امیر بنالو۔ اس دوسرے امیر کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا میں ہوں گا۔ صدیق اکبر کا یہ کلام سنتے ہی حضرت علی کے تمام شکوے اور شکایات یکنخت دل سے دور ہو گئے اور یہ کہا کہ ابوبکر ہم تم سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ پنا ہاتھ بڑھاؤ حضرت علی نے اور ان کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت

سفینہ بنی سعدہ میں سب لوگوں نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی مگر سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کر دیا اور گھر چلے گئے کچھ روز تک صدیق اکبر نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ سعد سے ضرور بیعت لینی چاہئے۔ بشیر بن سعد نے کہا تنہا آدمی ہے اس سے درِ زکر و اور ان کی حالت پر رہنے دو ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں دوبارہ چھیڑنے سے اندیشہ ہے کہ اُن کا کنبہ اور قبیلہ اُن کی حمایت کے سے کھڑا ہو جائے اور گشت و خون کی نوبت آجائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ مگر سعد اس واقعہ کے بعد نہ تو ابوبکر کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے تھے (کسی اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں گے) اور نہ اُن سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ ابوبکر کے انتقال کے بعد سعد شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ سعد نے بھی تھوڑی دیر کے بعد اسی دن ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی واللہ اعلم۔

صدیق اکبر کا خلافت سے دستبرداری کا ارادہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتنہ اور اختلاف کے اندیشہ سے اور پھر لوگوں کے صرار

سے خلافت کو قبول تو فرمایا مگر دل پر صدمہ گزرا کہ تو نے اس بار امانت یعنی خلافت کو کیوں اپنے سر رکھا اور رنجیدہ اور غمگین اپنے گھر میں بیٹھ گئے فاروق اعظم۔ جب صدیق اکبر کے پاس گئے تو صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو بہت مددست کی اور شکوہ و شکایت کی کہ تو نے مجھ کو اس بلا میں پھنسایا۔ لوگوں میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے، فاروق اعظم نے تسلی دی اور کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد معلوم نہیں۔ کہ والی اور حاکم اگر اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچے تو اس کے لئے اس فیصلہ میں دواجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو اس لئے ایک اجر ہے یہ سن کر صدیق اکبر کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، (ابن راہویہ و خیثمہ فی فضائل الصحابة) ص ۱۰۰۔

ایک روایت میں ہے کہ بیعت کے بعد صدیق اکبر تین دن تک دروازہ بند کیے گھر میں بیٹھے رہے، جب مسجد میں تشریف لاتے تو منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں۔

ایہا الناس قد اقلتکم بیعتکم
فبايعوا من احببتم کل ذلك
يقوم اليه علي بن ابی طالب
فيقول لا والله لا تقيلك ولا
تستقيلك من ذالذي
يؤخرک وقد قدمک رسول
الله ﷺ
اے لوگو! میں تمہاری بیعت واپس کرتا ہوں جس سے چاہے بیعت کر لو۔ بار بار کہتے ہر بار حضرت علی کھڑے ہوتے اور یہ جواب دیتے خدا ان قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم نہ آپ کو واپس کریں گے اور نہ آپ سے واپس لیں گے، کون ہے جو آپ کو پیچھے بٹائے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آگے کیا۔

اروایت کے اصل الفاظ یہ ہیں عن موسیٰ بن ابراہیم عن رجل من آل ربيعة انه بلغه ان اباہر حنین استخلف قعدی بیتہ حزینا فدخل علیہ عمر فاقبل علیہ بیومہ و قال انت الذی کہتہنی هذا الامر و شکا الیہ الحکم بن النضر فقال له عمر اوما عنیت ان رسول اللہ ﷺ قال ان الوالی اذا اجتهد فاصاب الحق فله اجران وان احتجہ فخطا الحق فله اجر واحد فکانہ سهل علی ابی بکر۔ ابن راہویہ و خیثمہ فی فضائل الصحابة ص ۱۳۵

حکایت

عن یحییٰ بن سعید عن
القاسم بن محمد قال توفی
رسول اللہ ﷺ و عمرو بن
العاص بعمان او بالبحرین
فبلغتهم وفاة رسول اللہ ﷺ
واجتماع الناس علی ابی بکر
فقال له اهل الارض من هذا
الذی اجتمع الناس علیہ ابن
صاحبکم قال لا قالوا فاخوه
قال لا قالوا فاقرب الناس الیہ
قال لا قالوا فما شأنہ قال
اختاروا خیرہم فامرہ فقالوا
لن یزالوا بخیر ما فعلوا هذا
(ابن جریر)

یحییٰ بن سعید قاسم بن محمد سے راوی ہیں کہ
جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو عمرو
بن العاص اس وقت عمان یا بحرین میں
تھے، جب وہاں یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت
ﷺ کا وصال ہو گیا اور لوگوں کے اتفاق
سے ابوبکر خلیفہ ہو گئے تو وہاں کے
باشندوں نے عمرو بن العاص سے پوچھا
کہ جس شخص کی خلافت پر لوگ متفق
ہوئے۔ یہ کون شخص ہے کیا یہ شخص تمہارے
نبی کا بیٹا ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں
لوگوں نے کہا کہ کیا پھر ان کا بھائی ہے عمرو
بن العاص نے کہا کہ یہ آپ کا بھائی بھی
نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر یہ شخص
تمہارے نبی کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ
دار ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں
نے کہا پھر یہ کون شخص ہے کہ جس کو لوگوں
نے متفقہ طور پر اپنا امیر بنایا عمرو بن العاص
نے کہا کہ جو شخص سب سے افضل اور بہتر
تھا لوگوں نے اس کو منتخب کیا اور اس کو اپنا
امیر بنایا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہ
لوگ ہمیشہ خیر میں رہیں جب تک ایسا
کرتے رہیں گے۔

خفاء را شدین کے بارہ میں جو گ تعصب رکھتے ہیں اُن کے بارے میں شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

اے گرفتار تعصب ماندہ
در خلافت نیست میل اے پیغمبر
میل گر بودے در اں دو مقتدا
کے روا داری کہ اصحاب رسول
یا نشا نندش بجائے مصطفیٰ
اختیار جملہ شان گر نیست راست
بلکہ ہر چہ اصحاب پیغمبر کنند
گر خلافت از ہوا می راندی

دائما در بغض و در حب ماندہ
میل کے آید ز بو بکر و عمر
ہر دو کردندے پسر را پیشوا
مردنا حق را کنند از جان قبول
بر صحابہ نیست ایں باطل روا
اختیار جمع قرآن بس خطا است
حق کنند و لائق حق در کنند
خویش را بر سلطنت بنشانمی

حکایت

چوں عمر پیش اولیس آمد بجوش
ایں خلافت گر خریدارے بود
چوں اولیس ایں حرف بشنود از عمر
تو بیفکن ہر کہ می خواہد زراہ
چوں خلافت خواست افگندن امیر
جملہ گفتندش مکن اے پیشوا
عہدہ در گردنت صدیق کرد
گر تومی چچی سراز فرمان او
چوں شنود ایں حجت محکم عمر
از زمان تو صحابہ خستہ اند
در فضولی می کنی دیوان سیاہ

گفت افگندم خلافت راز دوش
می فروشم گر بدینارے بود
گفت تو بگذارو فارغ در گزر
باز بر گیر و رودتا پیش گاہ
آں زماں برخاست از یاران نفیر
خلق را سرکشہ از بہر خدا
آں نہ بر عمیا کہ بر تحقیق کرد
ایں زماں از تو بر نجد جان او
کار از ایں حجت بروشد سخت تر
در زبان بت پرستان رستہ اند
گوئے بردی گر زبان داری نگاہ

(۹) مسئلہ وصایت

تمام مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے صدیق اکبر کا خلیفہ بنایا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آں حضرت ﷺ نے کسی شخص کے لئے خلافت کی وصیت نہیں فرمائی تھی کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہوگا اور نہ صراحتہ کسی شخص کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا نہ ابوبکر کو اور نہ علی کو البتہ صدیق اکبر کی خلافت کے متعلق اشارات فرمائے اور تمام زندگی ابوبکر کے ساتھ وہ معاملہ رکھا جو بادشاہ کا ولی عہد کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے وصی اور خلیفہ تھے صحیحین میں ہے کہ حضرت عائشہ کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنا وصی بنایا تھا، حضرت عائشہ نے کہا کون کہتا ہے۔ آخر وقت میں میں آپ کو اپنے سینہ سے لگائے بیٹھی تھی، اسی حالت میں آپ کا وصال ہو گیا مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے حضرت علی کے متعلق کب وصیت کی۔

(۱) صحیحین میں ہے کہ جب فاروق اعظم کے خنجر مارا گیا اور لوگ آپ کی زندگی سے ناامید ہوئے تو عرض کیا گیا۔

الاتستخلف یا امیر المؤمنین
فقال ان استخلف فقد
استخلف من هو خير مني
يعني ابا بكر وان اترك فقد
ترك من هو خير مني يعني
رسول الله ﷺ
اے امیر المؤمنین آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ
کیوں نہیں بنا دیتے فرمایا کہ اگر میں کسی کو
خلیفہ بنا دوں تو اس میں کوئی حرج نہیں
صدیق اکبر جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے
وفات کے وقت اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور
اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو اس میں کوئی
مضائق نہیں اس لئے کہ رسول ﷺ نے
بھی کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ وجہ سے مرض الوفا میں عرض کیا گیا۔

الاتستخلف علينا فقال ما استخلف رسول الله ﷺ فاستخلف ولكن ان يرد الله بالناس خيرا فسيجمعهم بعدى على خيرهم كما جمعهم بعد نبهم على خيرهم اخرجہ البيهقي و اسنادہ جيد۔

اے امیر المؤمنین آپ ہم پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ حضرت علی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا پس میں کیوں خلیفہ بناؤں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں کے ساتھ خیر کا ہوگا تو میرے بعد لوگوں کو کسی بہتر آدمی پر متفق اور مجتمع کر دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی وفات کے بعد لوگوں کو ایک بہترین خلق یعنی ابوبکر پر متفق اور جمع کر دیا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا اور اسناد اس کی نہایت جید ہے۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے آں حضرت ﷺ کے مرض الوفا میں کہا کہ تم خدا کی قسم تین روز کے بعد عبد العاص (رائی کے غلام) ہو گے یعنی آپ کی وفات قریب ہے لہذا تم آں حضرت ﷺ دریافت کر لو کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ حضرت علی نے کہا:

انی لا استلہ ذلك تحقیق میں اس بارے میں آپ سے کچھ دریافت نہیں کروں گا۔

(۴) سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ یہ خطبہ دیا۔

یا ایہا الناس ان رسول الله ﷺ لم یعهد الینا فی هذه الامارة شیئا حتی رایننا من الراى ان نستخلف ابابکر فاقام واستقام حتی مضی لسبیلہ ثم ان ابابکر رای من

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں امارت اور خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی آپ کی وفات کے بعد سب کی حقیقت رائے سے ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے اور خلافت کا کام نہایت عمدگی سے انجام دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر

الرأی ان يستخلف عمر فاقام ابو بکر نے اپنی رائے سے عمر کو خلیفہ مقرر کیا
واستقام حتی مضی لسبیلہ عمر نے نہایت خوبی سے خلافت کا کام انجام
هذا كله من البداية والنهاية۔ دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔

(۵) صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خطبہ دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص یہ
گمان کرے کہ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں دیات وغیرہ
کے احکام ہیں۔ کوئی اور کتاب اور کوئی وصیت نامہ ہے تو وہ بالکل جھوٹ ہوتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کی خلافت کی وصیت کی
تھی اہل سنت کہتے ہیں کہ اگر آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کو خلافت کے لئے نامزد کیا
ہوتا تو ناممکن اور محال تھا کہ صحابہ کرام اس پر عمل نہ کرتے۔ صحابہ کرام جنہوں نے اللہ اور اس
کے رسول کے لئے جان و مال خویش و اقارب سب قربان کر دیئے ان کی نسبت یہ بدگمانی
کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو رد کر دیا۔ یہ قرآن کریم کی صریح
تکذیب ہے جو صحابہ کرام کی تو صیغہ سے بھرا پڑا ہے۔ نیز اگر حضرت علی یا حضرت عباس
وغیرہ کسی کی خلافت کے متعلق کوئی نص یا وصیت ہوتی تو وہ قطعاً متواتر ہوتی اس کا چھپا رہنا
عادۃ محال تھا ضرور وہ نص مجلس میں پیش ہوتی، جیسے ابو بکر صدیق نے انصار کے سامنے جب
حدیث پیش کی ”اامة من قریش“ تو انصار نے فوراً اس کی اطاعت کی اور اپنی امارت کے
خیاں کو چھوڑ دیا۔ نیز ارضاء کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو اس مجلس میں
یہ کہتا کہ تم لوگ کیوں اس قدر رڑ رہے ہو۔ حضور پر نور نے تو فلاں شخص کو امامت اور خلافت
کے لئے معین اور نامزد کر دیا ہے نبی کریم ﷺ اگر سوائے ابو بکر کے کسی اور کو مثلاً حضرت علی
یا حضرت عباس کو مقرر کر جاتے تو یہ ناممکن تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس کو ظاہر نہ کرتا سقیفہ
بنی ساعدہ کا اجتماع۔ خیفہ بنی النعیم کے لئے تو تھا وہاں اس لئے جمع ہوئے تھے، اگر
خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو انصار منا امیر و منکم امیر نہ کہتے اور نہ
سقیفہ میں کسی زبان سے یہ نکالا کہ حضور پر نور غدیر خم کے خطبہ میں من کنت مولاه
فعلی مولاه سے حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں اب اس بحث کی
ضرورت نہیں۔ نیز اگر حضرت علی کے پاس اپنی خلافت کی کوئی نص یا وصیت موجود ہوتی تو

صحابہ کرام کے سامنے اس کو ضرور پیش کرتے اور اگر نہ مانتے تو ابو بکر و عمر سے جہاد و قتل کرتے جیسے حضرت معاویہ سے قتال کیا، خصوصاً جب کہ ہوسفیان نے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور اگر تم چاہو تو ابو بکر کے مقابلہ میں تمام میدان سواروں اور پیادوں سے پاک کر بھر دوں۔

حضرت علی نے نہایت سختی سے جواب دیا کہ جو مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں تم مسلمانوں میں فتنہ اور فساد کرنا چاہتے ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی کے پاس کوئی نص یا وصیت موجود نہ تھی اور وہ دل و جان سے صدیق اکبر کی خلافت کو خلافتِ حقہ اور خلافتِ راشدہ سمجھتے تھے اور ان کی خلافت کے خلاف لب کشائی کو فتنہ اور فساد سمجھتے تھے۔

حضرت علی کے نزدیک اگر صدیق اکبر کی خلافت حق نہ ہوتی تو ضرور ابو بکر سے مقابلہ اور مقاتلہ کرتے جیسے حضرت معاویہ سے کیا اس لئے کہ اسد اللہ الغائب ہونے کے بعد اعداء اللہ سے مقابلہ نہ کرنا غایت درجہ بزدلی اور ایمان کی کمزوری ہے، پس حضرت علی کا یہ سکوت اگر بوجہ لا چاری و مجبوری تھا تو لا چار اور مجبور آدمی لائق امارت و خلافت نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی نے باوجود قدرت کے اپنی خلافت کی نص یا وصیت کو بنا برقیہ ظہر نہیں کیا تو یہ بزدلی بھی ہے اور نفاق بھی ہے اور بزدل اور منافق خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا خلفاء ثلاثہ کے ساتھ رہنا اور مسجد میں ان کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور انہی کے مطابق قرآن پڑھنا اور کسی بات میں سرمو ان کے خلاف نہ کرنا یہ سب بنا برقیہ تھا لیکن اشکال اور سوال یہ ہے کہ حضرت علی جب اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے تھے تو خلفاء ثلاثہ کے فضائل اور مناقب بیان کرتے تھے سوا اگر یہ بھی اقیہ سے تھا تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیؑ کیسے شیر خدا تھے کہ خلفاء ثلاثہ کے انتقال کے بعد بھی ان سے ڈرتے تھے اور ڈر کر ان کی تعریف کرتے تھے افسوس کہ شیر خدا ہو کر مردوں سے ڈرے اور خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی انہی کے موافق احکام جاری کرے معاذ اللہ حضرت علیؑ ایسے بزدل اور نامرد نہ تھے جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ حقیقہ شیر خدا تھے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن مختلف تھا، بندہ تو ظاہر کو دیکھتا ہے دل کی خبر اللہ کو ہے، حضرت علیؑ جب ظاہر میں برسر منبر خلفاء ثلاثہ کی تعریف فرماتے تو مسلمانوں کے ذمہ یہ فرض ہے کہ حضرت علیؑ کو صادق اور راست باز سمجھیں، شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ معصوم تھے اور معصوم کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی فسق ہے نیز یہ امر مسلمات فریقین سے ہے کہ حضرت علیؑ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ صدیق اکبر کے ابتداء خلافت سے لے کر انتہا تک اور اسی طرح عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی میں از اول تا آخر تمام آخرتاً مورمہمہ میں خلفاء ثلاثہ کے مشیر خاص اور شریک حال رہے اور جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان میں ان کا مشورہ شامل رہا اور مال غنیمت میں سے اپنا حصہ بیٹے رہے اور نمازوں میں اُن کی اقتداء کرتے رہے اور مسائل دینیہ میں اُن کے ہم نوا اور ہم صفیر رہے یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو دل سے حق سمجھتے تھے اور حیدر کرار صاحب ذوافقار کے اس پچیس سالہ عمل کو اقیقہ پر محمول کرنا، شیعہ ہی اس کی جرأت کر سکتے ہیں، ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے غلامانِ غلامان کی شان بھی اس سے اسی اور ارفع ہے کہ ہم دل سے جن کو کافر و منافق و غاصب و خائن سمجھتے ہوں ظاہراً اُن سے یہ محبانہ اور دوستانہ معاملہ کریں اور اُن کے پیچھے نمازیں ادا کریں اور انہی کا بگاڑا ہوا قرآن پڑھتے رہیں۔ ماحول ولاقوۃ ارباب اللہ۔

رہا یہ امر کہ خود نبی کریم ﷺ نے کسی کو امارت اور خلافت کے لئے کیوں نہ مقرر فرما دیا۔ سواس کا

جواب

یہ ہے کہ حضور پر نور کے ذمہ امیر اور خلیفہ کی تعیین اور نامزدگی واجب نہ تھی یہ مسئلہ آپ نے مسلمانوں کے جہتہ اور مشورہ پر چھوڑ دیا کہ اپنی صواب دید سے کسی کو اپنا امیر منتخب کریں اور اشارۃً اپنا منشاء مبارک اس طرح ظاہر فرما دیا کہ ابو بکر کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر یا، یہ خلافت کی جانب اشارہ تھا اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرا یہ اشارہ صحیح ہے کے لئے کافی ہوگا۔ اس لئے ابو بکر سے جو وصیت نامہ تحریر کرنا چاہتے تھے اس کا ارادہ بھی ترک کر دیا

کہ اب اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ قضاء و قدر میں یہ طے پا چکا ہے کہ مسلمان سوائے ابوبکر کے کسی پر متفق نہ ہوں گے۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور پر نور نے جو کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اس کی وجہ وہ ہے جو مسند بزار کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

عَنْ حذيفة قال قالوا يا رسول الله الا تستخلف علينا قال ان استخلف عليكم فتعصوا خليفتي انزل عليكم العذاب واخرجه الحاکم في المستدرک

حذیفہ راوی ہیں کہ وہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم پر کوئی امیر اور خلیفہ کیوں نہ مقرر کر جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

(۱۰) مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور

اہل تشیع کے منشاء اختلاف کی مختصر تشریح

اہل سنت اور اہل تشیع میں سب سے بڑا اختلافی مسئلہ مسئلہ خلافت ہے اس لئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہتے کہ منشاء خلاف کیا ہے۔ وہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک خلافت کا دار و مدار قرابت اور علاقہ مصہرت (دامادی) پر ہے اس لئے شیعوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت جناب امیر کوٹنی چاہیے تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور داماد بھی تھے اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ خلافت نبوی کا دار و مدار تقرب پر ہے نہ کہ قرابت (رشتہ داری) پر جو شخص سب سے زیادہ خدا اور اس کے رسول کا مقرب ہوگا۔ وہ شخص خلیفہ رسول اور جانشین نبی ہوگا۔ خلافت نبوت کو قرابت اور مصہرت یعنی رشتہ داری سے کیا علاقہ خلافت کا دار و مدار اگر قرابت نسبی پر ہوتا تو آپ کے بعد خلیفہ یا تو آپ سے چچا حضرت عباس ہوتے یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء ہوتیں بلکہ حضرت فاطمہ ہوتیں اور کوئی مرد ان کی طرف سے کار خلافت کو انجام دیتا جیسا کہ دنیا کا دستور ہے اور حضرت فاطمہ کے بعد

امام حسن خلیفہ دوم ہوتے اور امام حسن کے بعد امام حسین خلیفہ سوم ہوتے اور امام حسین کے بعد اگر حضرت علی زندہ رہتے تو پھر حضرت علی خلیفہ چہارم ہوتے، غرض یہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہو تو شیعوں نے اس قاعدہ کی بنا پر بھی حضرت علی خلیفہ چہارم ہی ہوتے ہیں پھر اگر اہل سنت نے حضرت علی کو خلیفہ چہارم بنایا تو کیا قصور کیا۔ حضرت علی کو جو خلافت ملی وہ مہاجرین اور انصار کی بیعت سے ملی۔ حضرات شیعہ نے تو حضرت علی کو کچھ بھی نہیں دیا اور اگر علاقہ مصاہرت (دامادی) پر نظر کی جائے تو اس لحاظ سے حضرت عثمان غنی سب سے زیادہ خلافت بلا فصل کے تحت تھے اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوہرے داماد تھے کہ جن کے عقد میں پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور اسی وجہ سے وہ اہل اسد ام میں ذی انورین کے لقب خاص سے مشہور ہوئے رہا یہ امر کہ حضرت عثمان ذی النورین کے عقد میں جو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں وہ حضور پر نور کے سامنے ہی انتقال کر گئیں سو یہ امر استحقاق خلافت کو زائل نہیں کرتا، اس لئے کہ اس سبب سے ان کو جو شرف خاص حاصل ہوا تھا وہ صرف نکان سے حاصل ہو چکا تھا۔ بی بی کے زندہ رہنے اور نہ رہنے کو اس میں کوئی دخل نہیں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی حضرت علی کو شرف دامادی حاصل رہا۔ حضرت علی کا یہ شرف حضرت سیدہ کے وصال سے زائل نہیں ہو گیا۔

رہا یہ امر کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صاحبزادیاں رقیہ، ام کلثوم رسول اللہ ﷺ کی نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی تھیں تو یہ صریح دھوکہ اور فریب ہے۔ ان کی کتاب کلینی شریف مطبوعہ مکتبہ مؤلف صاف لکھا ہوا موجود ہے۔

و تزوج خدیجۃ و هو ابن بضع و
عشرین سنة فولد له منها قبل
مبعثه القاسم و رقیة و زینب و ام
کلثوم و ولد له بعد المبعث
الطیب و الطاهر و الفاطمة اصول
کافی کلینی ص ۲۷۸ باب
مولد النبی ﷺ

آں حضرت ﷺ نے بیس سال سے
زیادہ عمر میں خدیجہ سے نکاح کیا اور قبل
بعثت ان کے بطن سے قاسم اور رقیہ اور
زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے
بعد طیب اور طہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔
(اصول کافی کلینی باب مولد النبی ﷺ)

غرض یہ کہ حضرت فاطمہ کی طرح رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبہ ادیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ کی پیدائش بعد بعثت ہوئی اور رقیہ اور ام کلثوم کی پیدائش قبل از بعثت ہوئی اور ولادت کے قدم اور تاخر کو خلافت میں کوئی دخل نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو دامادی کا شرف حاصل تھا وہ حضرت سیدہ کے وصال کے بعد بھی باقی رہا حضرت سیدہ کے وصال سے دامادی کا شرف ختم نہیں ہو گیا اسی طرح حضرت عثمان کے دوہرے شرف دامادی کو سمجھو۔

مسئلہ خلافت میں حضرات شیعہ کی عجیب و غریب خرافات اور مضحکات اور مبکیات (ہنسانے والی اور رولانے والی باتیں) ہیں ان کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، حضرات شیعہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ دروز تک اپنے اہل و عیال کو ساتھ لئے ہوئے ایک ایک مہاجر اور انصار کے گھر مدد طلب کرتے ہوئے پھرے کہ دیکھو مجھے پیغمبر خدا نے اپنا خیفہ بنا دیا تھا، ان لوگوں نے میری خلافت چھین لی تم میرا حق دلا دو مگر چار شخصوں کے سوا کسی نے مدد کا اقرار نہ کیا آپ نے ناچار ہو کر یہ کہا کہ تم چار شخصوں سے کیا ہوگا۔ اس قصہ کو اصلی آب و تاب کے ساتھ اُردو یکھنا، تو حق الیقین و تذکرۃ الایمہ میں دیکھیں۔ ہم اہل سنت الجماعت غلامانِ غلامانِ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سارا قصہ فرضی اور بے اصل ہے اور سراسر خلافِ عقل ہے۔ اور حضرت علی جیسے سرخیل اولیاء عالم کی شان ولایت اور شان زہد کے سراسر منافی ہے۔

متروکات نبوی

آں حضرت ﷺ کی تمام زندگی درویشانہ اور فقیرانہ تھی دو دو مہینہ تک گھر میں تو انہیں چڑھتا تھا پانی اور کھجور پر گزر رہا تھا، کچے حجروں میں زندگی بسر فرماتے تھے مہل پوش تھے اور بورے اور ناٹ پر بیٹھتے تھے آپ کے پاس سیار رکھا تھا کہ جو وفات کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ جاتے۔

حضرت عمرو بن حارث جو ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے فرماتے ہیں۔

ما ترک رسول اللہ ﷺ عند موتہ درهما ولا دینارا ولا عبدا ولا امة ولا شیئا الا بغلته البیضاء وسلاحه وارضاه جعلها صدقة۔ صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

آں حضرت ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ دینار اور نہ غلام اور نہ باندی نہ اور کوئی شیئی مگر ایک سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی ہی میں مسلمانوں کے لئے صدقہ (وقف) کر گئے تھے۔ (بخاری شریف)

عمر بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین جائدادیں مراد ہیں۔

(۱) جائداد مدینہ مدینہ کی جائداد سے بنو نضیر کی زمین مراد ہے، جو حق جل شانہ نے آپ کو بطور فنی عطا فرمائی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی اس زمین کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کا سالانہ خرچہ دیدیتے اور جو بچتا اُس سے ہتھیار اور گھوڑے اور سامان جہاد خریدتے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵ کتاب التفسیر سورہ حشر)

(۲) خیبر کی زمین جو آپ کو ہم میں ملی تھی۔

(۳) فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہل خیبر سے صلحا حاصل ہوئی تھی خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی بھی جاتی تھیں اور تاجمین حیات آپ کے قبضہ میں رہیں حق جل شانہ کی طرف سے آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ مگر حضور پر نور ان زمینوں کی آمدنی سے صرف بقدر نفقہ اہل و عیال لیتے تھے اور باقی کل آمدنی اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں، مصیبتوں میں خرچ فرماتے تھے۔ اپنی عیش و عشرت کے لئے معاذ اللہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ فرماتے تھے۔ ظاہر ان جائدادوں میں آپ کا تصرف، لگانہ تھا مگر درحقیقت متولیانہ تھا۔ یہ زمینیں اللہ کی تھیں۔ یعنی وقف تھیں اور آپ بحکم خداوندی اس کے متولی تھے، اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے چونکہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے یہ حکم تھا کہ ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کا سالانہ نفقہ بھی دے دیا کرو اس لئے آپ بنی نضیر کی جائداد سے ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ دیدیا کرتے تھے۔

حضرات اہل بیت کو آپ کی وفات کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائیداد تھیں اس لئے بطور وراثت اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہئیں چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خیبر اور فدک اور بنی نضیر کی جائیدادوں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنا حصہ طلب کیا۔ صدیق اکبر نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور خیرات ہے، البتہ جو نفقہ اور خرچ ان میں مقرر ہے وہ بدستور اسی طرح رہے گا۔ اور جس جس کام میں نبی کریم ﷺ خرچ کرتے تھے ابو بکر بھی اس میں اسی طرح خرچ کرے گا۔ اور آل رسول اس ماں میں سے اسی طرح کھائے گی جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کھاتی تھی۔ اور خدا کی قسم۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان مجھے اپنی قرابت کے سلوک اور احسان سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

صدیق اکبر کا یہ جواب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار نہ طرزا اور رنجیدہ ہوئیں۔ نہ معلوم کیوں رنجیدہ ہوئیں صدیق اکبر نے تو حضرت سیدہ کے والد محترم ﷺ کا صریح ارشاد سراپا رشاد پیش کر دیا۔ ان کا مذرتو ظاہر ہے، مگر حضرت سیدہ کے رنج و مال کی کوئی یقینی وجہ سمجھ میں نہیں آئی صدیق اکبر کہہ تو گزرے مگر حضرت سیدہ کے رنج و مال کی وجہ سے بے چین اور بے تاب رہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنون را بلائے صحبت لیلی بلائے فرصت لیلی

صدیق اکبر نے عمل تو اسی پر کیا کہ جو نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ کسی کو اس جائیداد میں سے بطور وراثت کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی عائشہ کو بھی اس میں سے کچھ نہیں دیا اور نہ حفصہ بنت عمر کو کچھ دیا اور نہ ازواج مطہرات کو کچھ بطور وراثت دیا۔ البتہ حضرت سیدہ کو راضی کر لیا اور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے معذرت کی تا آنکہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اولاً تقسیم میراث سے انکار فرمایا۔ اور بعد ازاں غالباً حضرت سیدہ نے صدیق اکبر سے یہ درخواست کی ہوگی کہ خیبر اور فدک کی زمینوں کا انتظام حضرت علی کے سپرد کر دیا جائے اور حضرت علی ہی اس کے ناظر و نگران رہیں صدیق اکبر نے اس سے بھی انکار کر دیا کہ ان زمینوں کا میں خود ہی انتظام کروں گا جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے حضرت سیدہ کو بمقتضائے بشریت رنج اور مدل ہوا۔

صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمر نے دو سال تک ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا دو سال کے بعد جب حضرت علی اور حضرت عباس نے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت عمر نے آں حضرت ﷺ اور صدیق اکبر کے طرز عمل کا حوالہ دیتے ہوئے تقسیم میراث سے تو صاف عذر کر دیا البتہ تالیف قلب کے لئے یہ صورت نکالی کہ مدینہ کی جائداد یعنی بنو نضیر کی زمین کا انتظام تو حضرت عباس اور حضرت علی کے ہاتھ میں دے دیا کہ مشترکہ طور پر تم دونوں کر اس جائداد کا انتظام کرو اور ان دونوں سے یہ عہد لے لیا کہ تم اس کی آمدنی کو ان ہی مصارف میں خرچ کرنا کہ جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے اور دونوں سے اس کا اقرار لے لیا اس اقرار سے یہ بات ان پر واضح کر دی کہ یہ میراث نہیں بلکہ وقف ہے ان دونوں حضرات نے اس صورت کو منظور کر لیا۔ اور مشترکہ طور پر بغیر تملک کے دونوں مدینہ کی جائداد کے متولی اور ناظم ہو گئے۔

اصل عبارت سطر ہے۔ بما اخبرہا بہ الصدیق انہ قال لا نورث ما ترکنا فهو صدقة فحببھا وعیرھا من ازواحہ وعمہ عن المیراث بهذا النص الصریح فسالته ان ينظر علی فی صدقة الارض التي بخبر و فدت فم یحبھا الی ذلك لانه رأى ان حقا علیہ ان یقوم فی جمیع ما کان یتولاه رسول اللہ ﷺ وهو الصادق البار الراشد التابع للحق رضی اللہ عنہ وحصل لھا وهي امرأة من السمریست براجیة العصمة عنت و تغصب ولم نکم الصدیق حتی ماتت اہ البداية و البهية ص ۲۳۹ ج ۵ پھر حافظ ابن کثیر کتاب مذکور کے ص ۲۸۹ ج ۵ پر لکھتے ہیں۔ وکانھا سالته بعد هذا ان یجعل زوجھا ناظرا علی هذه الصدقة فم یحبھا الی ذلك لما قدمناہ فتعبت علیہ بسبب ذلك وهي امرأة من بنات آدم تأسف کما یأسفون ولیست براجیة العصمة مع وجود نص رسول اللہ ﷺ وقد روینا عن ابی بکر رضی اللہ عنہ انه ترضا فاطمة و تلاینہا قبل موتہا ورضیت رضی اللہ عنہا۔ انتہی ثم ذکر حدث الاسترضاء فراجعہ۔

اور خیبر اور فدک کی جو زمینیں تھیں ان کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے پاس رکھا، اس طرح حضرت عمرؓ نے آل حضرت کی متروکہ زمینوں کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ایک اموال بنی نضیر یعنی جائیداد مدینہ جس میں سے اہل بیت ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف دیئے جاتے تھے اس کا انتظام تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سپرد کر دیا اس لئے کہ دونوں حضرات اہل بیت کی ضروریات اور مصارف سے بخوبی واقف تھے اور اسی لئے یہ دونوں حضرات خواستگار تولیت ہوئے کہ وقف نبویؐ میں ذوی القربی یعنی اقرباء نبویؐ کا بھی حق ہے بلکہ ان کا حق سب سے مقدم ہے اور یہ دونوں حضرات ذوی القربی کے احوال اور ان کی ضروریات سے بخوبی واقف تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ یہ جائیداد ان کی تولیت میں دے دینا مناسب ہے اور لا نورث ما ترکنا صدقہ کا گھر گھر چرچا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب یہ اندیشہ نہیں کہ لوگ اس دینے کو میراث سمجھ جائیں گے اس لئے اموال بنی نضیر کو ان دونوں کی تولیت میں دے دیا اور دوسری جائیداد یعنی فدک اور خیبر کی جائیداد جس کی آمدنی مصالح عامہ میں صرف ہوتی تھی اس کا انتظام بحیثیت خلیفہ ہونے کے حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں رکھا، چند روز تک دونوں حضرات حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ متفق رہے اور مل کر جائیداد مدینہ کا انتظام کرتے رہے مگر کچھ عرصہ بعد دونوں میں اختلاف پیش آیا، جیسا کہ جب ایک جائیداد کے دو منتظم ہوں تو اختلاف رائے کی وجہ سے نزاع کا پیش آنا مستبعد نہیں اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ میں دربارہ انتظام جائیداد اختلاف اور نزاع پیدا ہوا فیصلہ کے لئے دونوں حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور یہ درخواست کی کہ تولیت تو تقسیم کر دیں کہ جائیداد مدینہ کے ایک نصف کا منتظم اور متولی حضرت علیؓ کو بنادیں اور جائیداد کے دوسرے نصف کا متولی اور منتظم حضرت عباسؓ کو بنادیں تاکہ اختلاف اور باہمی منی صمت سے محفوظ ہو جائیں مگر حضرت عمرؓ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور یہ خیال فرمایا کہ اگر ہر ایک کی تولیت کا حصہ الگ الگ کر دیا گیا تو یہ صورت تقسیم میراث کی صورت کے مشابہ ہوگی اس لئے حضرت عمرؓ نے تقسیم تولیت سے صاف انکار فرما دیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ تو قیامت تک بھی نہیں ہو سکے گا۔

وریہ فرمایا کہ اگر تم سے تویت کا کام سرانجام نہ پاسکے تو یہ زمین مجھے واپس کر دو میں حسب سابق خود اس کا انتظام کروں گا۔

حضرت عباس اور حضرت علی کا منشاء یہ تھا کہ ہر ایک کو بقدر اپنے اپنے حصہ کے جداگانہ متولی کر دیا جائے تاکہ نزاع اور اختلاف کی نوبت نہ آئے۔ تویت کی تقسیم چاہتے تھے، میراث اور ملک کی تقسیم نہیں چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے اس کو منظور نہ فرمایا کہ مبادا آئندہ چل کر اس تقسیم تویت سے لوگ تقسیم میراث نہ سمجھ جائیں۔

چند روز تک یہ مشترکہ تویت اسی طرح چلتی رہی بعد میں چل کر حضرت علی نے حضرت عباس کا قبضہ اٹھ دیا اور تمام جائداد پر حضرت علی قابض ہو گئے اور اپنی صواب دید سے اس کا انتظام فرمایا حضرت علی کا تنہا اس جائداد پر قابض ہو جانا یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مال حضرت علی کے نزدیک بھی وقف تھا اور کسی کی ملک اور میراث نہ تھا، اس لئے کہ متولی کا دوسرے متولی کے قبضہ کو اٹھ دینا ظلم نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہی قرین مصلحت ہوتا ہے، البتہ کسی کی ملک اور میراث پر قبضہ کر لینا یہ ظلم ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیعوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں ان سے کسی کی ملک اور میراث کا غصب اور تغلب ناممکن ہے، نیز اگر یہ میراث ہوتی تو اس میں حضرت عباس کے علاوہ ازواج مطہرات کا بھی حصہ تھا اس کا دینا بھی لازم اور ضروری تھا۔

حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر سے اس بات کا خواستگار ہونا کہ آدھوں آدھ بانٹ کر دونوں کو جدی جدی زمین کا متولی کر دیں یہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ جھگڑا فقط تویت کا تھا میراث کا نہ تھا۔ میراث کے تقسیم کر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک شے مشترک کو دو مالکوں میں تقسیم کر دینا عقلاً و نقلاً مستحسن ہے نیز حضرت عمر کا یہ عہد بینہ کہ تم اس زمین میں وہی کرنا جو نبی کریم صلیہ الصلوٰۃ و التسلیم کیا کرتے تھے خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر نے ان کو متولی کر کے دیا تھا ورنہ اس شرط کے کیا معنی۔ اگر میراث میں دیا ہوتا تو میراث تو وارثوں کی ملک ہوتی ہے اور مالک کو اپنی چیز کا اختیار ہوتا ہے کہ اپنے حصہ میں جو چاہے تصرف کرے اس سے اس قسم کے عہد لینے کے کیا معنی ورنہ ہر شخص سے یہ نسبت اراضی مملوکہ یہی عہد لیا بیا کرتا۔ پھر حضرت عمر کا یہ فرمان کہ قیامت تک اس کے خلاف حکم نہ

دونوں کا خود اس کی دلیل ہے کہ یہ ترک نبوی حضرت علی اور حضرت عباسؓ کو جو توفیق دیا تھا نہ بطور میراث اس لئے کہ تقسیم میراث میں کوئی حرج نہیں ہر وارث کو اس کا حصہ تین حصہ ہر حصہ دے دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

بلکہ

اول بار بھی حضرت علی اور حضرت عباسؓ کا حضرت عمرؓ کے پاس آنے کا مطلب تولیت کے لئے تھا جیسا کہ لفظ اور ادفعھا الینا سے یہ بات خود ظاہر ہے اس لئے کہ دفع کے معنی کسی چیز کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں بطور میراث اور بطور تملیک کوئی چیز دینے پر دفع کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر صدیق اکبرؓ نے بطور تولیت بھی دینا کسی کو گوارا نہ کیا کیونکہ حضرت فاطمہؓ کی طلب میراث کا قصہ تازہ تھا اور اس قصہ سے سب کے کان پر تھے اس وقت اگر بطور تولیت ہی دے دیتے تو ہر کوئی اس دینے کو میراث ہی کا دینا سمجھتا اور یہی وجہ فی الجملہ موجب گرائی خاطر حضرت علی اور حضرت عباسؓ معصوم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں کو حضرت صدیقؓ سے ایک درجہ کشیدگی تھی کہ وہ ان کی تولیت تک کے بھی روادار نہ ہوئے اور عجب نہیں کہ مقتضائے بشریت ان دونوں کے دل میں خیال آیا ہو کہ اگرچہ یہ حدیث لا نورث ما ترکنا صدقہ بلاشبہ صحیح ہے لیکن ہمارے استحقاق تولیت اور اہلیت و صلاحیت میں بھی کوئی تردد نہیں مگر ہاں ہم اس زمین کو صدیق اکبرؓ نے اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہے کوئی بات ضرور ہے۔

ان دونوں حضرات کا یہ خیال پیرایہ حال سے یا کسی قال سے حضرت عمرؓ کو مترشح ہوا اس لئے انہوں نے بطور تنبیہ و شکایت یہ فرمایا کہ کیا تم ابو بکرؓ کو کاذب اور آثم اور خائن سمجھتے ہو جیسے اقارب اور احباب سے جب کوئی بے اعتنائی ظہور میں آتی ہے تو مبالغہ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا تم مجھ کو اپنا بھائی یا دوست نہیں سمجھتے حالانکہ سویداء قلب میں ان کی محبت مروز ہوتی ہے مگر محض ظاہری طوراً کوئی بات پیش آتی ہے تو ایسا کہہ دیا کرتے ہیں موقع تعریض و غتاب میں اس قسم کا محاورہ کلام اللہ میں استعمال ہوا ہے۔ کہ قال تعالیٰ حتی اذا استیأس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا جاء ہم نصرنا۔ یعنی یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یوں خیال کرنے لگے کہ نصرت و امداد کے جو وعدے ان سے کیے تھے وہ غلط تھے حضرات

انبیاء کو تہدوس سے یقین تھا کہ وعدہ ہائے الہی قطعاً و یقیناً صادق ہیں ایک روز ہاشمہ اداہی ضرور بالضرور آنے والی ہے میں بمقتضائے بشریت جب انبیاء کرام کے دلوں میں بے اختیار بے چینی اور پریشانی پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنے محبوبین و مخلصین کو بطور شکایت و عتاب مبالغہ یہ فرمایا کہ کیا امداد خداوندی میں ذرا تاخیر کی بنا پر یہ گمان کرنے لگے کہ معاذ اللہ خدا نے اپنے پیغمبروں سے غلط وعدے کیے تھے موقع تعریض و عتاب میں مبالغہ ایسا کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے کلام سے صدیق اکبرؓ سے رنج اور آزر دگی کی بو آتی ہے تو حضرت عمرؓ نے بطور شکوہ و مبالغہ عتاب آمیز ہجہ میں مبالغہ یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں ابو بکرؓ کو کاذب و خائن وغیرہ سمجھتے ہو واللہ ابو بکرؓ تو بار اور راشد اور تابع الحق تھے حالانکہ حضرت عمرؓ و یقین تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے دل میں صدیق اکبرؓ کی محبت ایسی پختہ اور راسخ ہے کہ کسی طرح بھی نکالے نہیں نکل سکتی اس لئے زبان سے ایسے کلمات کا نکالنا جن سے رنج اور آزر دگی مترشح ہوتی ہے محبت صادق کی شان کے مناسبت نہیں۔

باغ فدک کی حقیقت

باغ فدک ایک نہایت مختصر کھجوروں کا باغ تھا جس میں سے آں حضرت ﷺ اپنے اہل و عیال کو بقدر قوت و سہولت بھر کا نفقہ دے دیا کرتے تھے اور باقی جو کچھ بچتا تھا وہ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے آپؐ کی وفات کے بعد جب حضرت صدیق اکبرؓ آپؐ کے خلیفہ اور جانشین اول مقرر ہوئے تو اس وقت حضرت فاطمہؓ نے اس امر کی درخواست کی کہ یہ باغ مجھ کو وراثت میں دیدیا جائے، صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہم انبیاء کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ اور وقف ہوتا ہے۔ حضرت سیدہ یہ سن کر نادم یا غمگین ہوئیں اور پھر اس معاملہ میں کوئی کلام نہیں فرمایا۔

باغ فدک ایک معمولی سا باغ تھا کوئی لاکھوں یا کروڑوں کی جاگیر نہ تھی کہ جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ خلیفہ وقت نے اس عظیم الشان باغ کو اس لئے غصب کیا ہے کہ خلیفہ اور اس کی اولاد اس باغ کی آمدنی سے شاہانہ اور امیرانہ ٹھٹھ جمائے اور اس کی بے شمار

آمدنی سے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرے کسی خلیفہ نے اس باغ کا اپنی اولاد کے نام بیعنامہ یا ہبہ نامہ نہیں لکھ دیا بلکہ مصارفِ شرعیہ میں اس کی آمدنی کو خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ جناب امیر خلیفہ ہوئے تو وہ باغ حسب دستور آپ کی نگرانی میں آگیا اور آپ نے بھی اس باغ کو حسب قاعدہ مستمرہ خفاء سابقین بدستور قدیم جاری رکھا اور کسی قسم کے ذاتی تصرف کو اس میں دخل نہیں دیا اور جناب امیر نے اپنے دور خلافت میں اس باغ کا انتظام رکھا کہ جو سابق خفاء کے زمانہ میں رہا اگر حضرات شیعہ کے قول کے مطابق کہ باغ فدک اہل بیت کا حق تھا اور خلفاء سابقین نے اُس کو غصب کر رکھا تھا تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس غصب شدہ چیز کو اہل حق اور اہل استحقاق کو کیوں نہ واپس کر دیا۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اور ائمہ معصومین کا طریقہ یہ ہے کہ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے تو حضرات اہل سنت جواب میں یہ عرض کریں گے کہ آپ کے نزدیک جیسے باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ جناب امیر نے ایک معمولی چیز کو تو چھوڑ دیا اور بڑھیا چیز یعنی خلافت کو واپس لے لیا اور اس کے غصب شدہ ہونے کا ان کو خیال نہ آیا اور پھر ان مدعیان غصب کو یہ خیال نہیں آتا کہ خلفاء کرام نے زمانہ خلافت میں فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزاری اور اہل بیت عظام کو بیک وقت پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ ہزار درہم دینا دیا کرتے تھے۔ ہر مرتبہ کا عطیہ کیا باغ فدک کی قیمت سے کم ہوتا تھا۔ کسی محاسب سے حساب تو کرائیں۔ خیر اور عطایا کو جانے دو صرف ایک مرتبہ کے عطیہ کا شمار کو لو کہ جس وقت شہر بانوشہراوی ایران خلیفہ برحق کے زمانہ خلافت سراپا شوکت و عظمت میں مقید ہو کر آئیں تو خلیفہ وقت نے حضرت علی اور حسین کو حصہ غنیمت دینے کے بعد تینوں کو تیس ہزار درہم دیئے اور اس کے علاوہ خاص امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہر بانومع زبور جواہرات کے اُن کو عطا کی۔ جس کا ہر جوہر اور موتی اتنا قیمتی تھا کہ یک موتی کی قیمت سے کم از کم سو باغ فدک خریدے جاسکیں۔ پس اگر باغ فدک چھین ہی رہا تھا مگر جب اس کے بعد اس قدر بیش بہا عطایا اور ہدایا دیئے کہ جن سے ہزاروں باغ فدک خریدے جاسکیں تو حضرات شیعہ ہی انصاف کریں کہ یہ یہ شکوہ بیجا نہیں اگر کوئی شخص کسی کا ایک پیسہ چھین کر اس کو ایک ہزار دیدے تو کیا وہ مستحقِ شکر زاری نہیں۔

حضرات شیعہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایران جس سے کروڑوں شیعہ صدمہ ہاسال سے پرورش پا رہے ہیں وہ فاروق اعظم ہی کا توفیق کیا ہوا ہے کیا اب تک غصہ شدہ باغ فدک کا ضمان اور تاوان پور نہیں ہوا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء نے جب صدیق اکبر سے نبی اکرم ﷺ کی متروکہ اراضی سے اپنا حصہ میراث طلب کیا تو صدیق اکبر نے فرمایا کہ انبیاء کرام کے متروکہ میں وراثت نہیں ہوتی وہ جو کچھ چھوڑیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ ہے۔

فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ فہجرت ابابکر فلم تزل مهاجرة حتی توفیت۔ (بخاری شریف، باب فرض اس) اس پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ناراض ہو گئیں اور ابو بکر کو چھوڑ دیا اور اسی ترک تعلق پر قائم رہیں یہاں تک کہ حضرت سیدہ کی وفات ہوئی۔

اب اشکال یہ ہے کہ حضرت سیدہ اس ارشاد فیض بنیاد لاناورٹ ما تر کنا صدقہ سننے کے بعد کیوں ناراض اور غصہ ہوئیں بجائے رضاء و تسیم کے یہ برعکس معاملہ کیا گیا۔ صدیق اکبر تو ارشاد نبوی کی بناء پر مجبور اور معذور تھے۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک چونکہ حضرت سیدہ معصوم تھیں اس لئے اشکال ان کے مسلک پر شدید ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ رسول اکرم و سرور عالم جیسے پدر بزرگوار کا جانناہ صدمہ پیش آیا ہو دنیا کی ایک حقیر چیز کا قصہ چھیڑنا اور اس کو اس قدر طول دینا کہ اپنے باپ کے خسر اور ان کے جانشین سے صدمہ و کلام ترک کر دینا کس قدر شان عصمت کے خلاف ہے۔

اس شبہ کا جواب جس صرح اہل سنت کے ذمہ ہے اسی طرح حضرات اہل تشیع کے ذمہ بھی ہے کہ وہ بتلائیں کہ حضرت سیدہ کیوں ناحق غصہ ہوئیں۔ اہل سنت کو تو رد و انقض کی طرح مدافعت خوارین کی بھی فکر ہے کہ مباد کوئی خارجی حضرت سیدہ کی شان مطہر میں یہ لب کشائی کرے کہ وفات نبوی عالم کے سنے ایک حادثہ جاننا تھا۔ ایسے مصیبت کے وقت میں اوس تو میراث کا مطہر ہی زیبا نہ تھا اور حضرت سیدہ کی شان زہد سے بعید تھا اور اہل تشیع

کے نزدیک تو حضرت سیدہ معصومہ تھیں اور پھر جب ابو بکر صدیق نے حضور پر نور کا ارشاد سراپا رشاد سنا دیا تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا تھا غم و غصہ کے کیا معنی۔ اس واقعہ میں صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں اشکال اور شبہ جو کچھ بھی ہے وہ حضرت سیدہ کے متعلق ہے جس کا جواب فریقین (اہل سنت اور اہل تشیع دونوں) کے ذمہ ہے اہل تشیع اپنی فکر کریں۔ ہم اہل سنت و الجماعت غلامانِ غلامانِ خاندانِ اہل نبوت و گانِ کوچہ اہل بیت حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی براءت و نزاہت کے لئے جو کچھ عرض کرتے ہیں وہ سنئے۔

اہل سنت کا جواب

حضرت سیدہ کی ناراضی کے متعلق روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف ہیں بعض میں تو غلط فہم فاطمہ آیا ہے جیسا کہ نزر اور بعض روایات بخاری و مسلم میں لفظ فوجدت فاطمہ آیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ص ۶۰۹ ج ۲۔ باب غزوہ خیبر میں لفظ فوجدت فاطمہ علی ابی بکر آیا ہے۔

اور غلط فہم فوجدت جس طرح بمعنی غضب آتا ہے جو غصہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح بمعنی حزن بھی آتا ہے جو حزن و غم اور رنج و ملال پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت سیدہ نے جب صدیق اکبر سے اپنا حصہ میراث طلب کیا اور صدیق اکبر نے اُن کو پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث سنا دی تو عجب نہیں کہ ان کو اس طلب گاری پر ایک گونہ ندامت اور رنج ہوا ہو۔ اس لئے کہ انبیاء و المرسلین اور اویسہ کا مبین کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اُن سے کوئی ذرہ برابر بے اعتدالی یا کوئی سہو و غفلت۔ ظہور میں آجائے تو ندامت اور شرمندہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا بھول کر گیہوں کھانے پر نادم ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا بے خبری میں اپنے فرزند کے لئے دعاءِ نجات پر نادم ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتل پر شرمندہ ہونا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

پس عجب نہیں کہ حضرت سیدہ کو اس پر ندامت ہوئی ہو کہ میں نے اعلیٰ میں کیوں میراث کا سوال کیا۔ اگر مجھ کو پہلے سے لائورٹ ماسٹر کنا صدقہ کی خبر ہوتی تو ہرگز میراث کا سوال نہ کرتی۔ اور پھر اسی خجالت و ندامت میں حضرت سیدہ کی ملالت کا سلسلہ

شروع ہو گیا جس کے باعث صدیق اکبر کے ربط و ضبط میں فرق آ گیا ہو اور منہ جتنا بدستور سابق نہ رہا ہو اور حضور پر نور کی وفات کا صدمہ جاگھا۔ وہ کسی وقت دل سے جدا نہ ہوتا تھا معاذ اللہ یہ نہ تھا کہ سلام و کلام کی بھی نوبت نہ آتی ہو۔ ایسی متارکت تو تین دن سے زیادہ حرام ہے چہ جائیکہ تمام عمر کے لئے ہو نیز سب کو معلوم ہے کہ صدیق اکبر حضرت سیدہ کے محرم نہ تھے جن کے ساتھ ہمیشہ آپ کو کلام اور سلام کا اتفاق ہوتا ہو اور پھر اس معاملہ کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا ہو کیونکہ غیر محرم سے بلا ضرورت سلام و کلام درست نہیں۔

پس حضرت سیدہ کی یسویٰ اور علیحدگی کی علت دراصل یہ ندامت اور اپنی علالت اور صدمہ مفارقت پدری و نبوی تھی ظاہر بینوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ علیحدگی اور یسویٰ بوجہ غصہ اور ناراضگی ہے، اس سے ان روایت کرنے والوں نے اپنی سمجھ کے موافق لفظ غضبت سے روایت کیا یا نیچے کے راویوں نے وحدت کی اصل روایت کو بمعنی غضبت سمجھ کر لفظ غضبت کے ساتھ روایت بالمعنی کیا اصل اور صحیح روایت وحدت فاطمہ بمعنی عزت ہے اور غضبت فاطمہ روایت بالمعنی ہے جس کو راوی نے غصہ اور ناراضگی سمجھ کر اپنی سمجھ کے موافق روایت کیا ہے دراصل غصہ اور ناراضگی نہ تھا بلکہ بمقتضائے بشری ایک طبعی جہتی رنج اور آزر دگی تھی جو ان کے کمال بزرگی کی دلیل ہے اور وقتی اور عارضی طور پر کچھ شکر رنجی ہو جانا یہ شان نبوت کے بھی خلاف نہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان پیش آئی اس کو جھڑا نہیں کہہ سکتے ایسے امور پیش آ ہی جاتے ہیں اور پھر بہت ہی جلد زائل ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات از دیا محبت کا سبب بن جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔

(۲)۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت فاطمہ زہراء اس بارے میں صدیق اکبر سے رنجیدہ اور آزر دہ خاطر یا غصہ اور ناراض بھی ہوئیں تب بھی اس سے حضرت صدیق اکبر کا قصور وار ہونا ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ حضرت سیدہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ابو بکر کو قصور وار سمجھ کر ناراض اور غصہ ہوئی ہوں کسی خیال کی بنا پر انبیاء و مرسلین کو باہم غصہ پیش آ جاتا ہے حالانکہ وہ بالیقین معصوم ہوتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر غصہ ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے پس جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں مجبور اور معذور

اور بے قصور تھے اسی طرح اس میراث کے مقدمہ میں حضرت فاطمہ اور حضرت صدیق دونوں کو بے قصور اور دونوں کو ماجر جانو۔

(۳) اور اگر اس پر بھی حضرات شیعہ صدیق اکبر کو قصور وار ٹھہرائیں تو یہ خیال کریں کہ جب حضرت صدیق تائب ہو گئے اور حضرت سیدہ کے گھر جا کر ان کو راضی کر لیا تو حضرات شیعہ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی راضی ہو جائیں، حضرت سیدہ ان کے زعم میں معصوم ہیں اور معصوم کی اقتداء ضروری ہے اور معصوم کی مخالفت ناجائز ہے، پس جب کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں تو اب صدیق اکبر سے ناراضی اہل تشیع مذہب پر ناجائز ہوگی، حضرت سیدہ کے راضی ہو جانے کے بعد اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے، ہمیں اس کی فکر ہے اور نہ پروا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت سیدہ نے ایسے صدمے اور رنج کے وقت میراث کیوں طلب کی سو جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ مقصود مال و منال نہ تھا بلکہ تبرک نبوی اور یادگار پدری پیش نظر تھا، نیز رزق حلال کی طلب اولیاء اور اتقیا کا شعار ہے اور ظاہر ہے کہ متروکہ نبوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مال حلال نہیں ہو سکتا کہ جس میں کسی قسم کی بھی حرمت یا کراہت کا بھی احتمال نہیں پس حضرت سیدہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر آپ کا متروکہ مجھ کو مل جائے تو بد شبہ رزق حلال سے بے فکری ہو جائے اور آپ کا تبرک اور آپ کی نشانی دل کی تسلی کا سامان ہو۔

ایک ضروری تنبیہ

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر پر غصہ ہوئیں اور حدیث میں ہے کہ فاطمہ بضعة منی من اغضبها فقد اغضبنی یعنی فاطمہ میرا لخت جگر ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا۔

سو جاننا چاہئے کہ صدیق اکبر اس میں داخل نہیں اس لئے کہ غضب اور اغصاب میں فرق ہے۔ غضب کے معنی غصہ ہونے کے ہیں اور اغصاب کے معنی دوسرے کو جان بوجھ کر ناراض کرنے اور غصہ دانے کے ہیں سو صدیق اکبر نے معاذ اللہ حضرت سیدہ کو ناراض نہیں کیا بلکہ رشاد نبوی کی تعمیل کی حضرت سیدہ نہ معلوم کس وجہ سے ابو بکر سے ناراض ہوئیں۔

حضرات شیعہ ہی بتائیں کہ بوجہ کیوں غصہ ہوئیں اہل سنت تو ان کے غصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہمارے نزدیک تو حضرت سیدہ نے اعمیٰ کی بنا پر میراث کا سوال کیا صدیق اکبر نے جب ارشاد نبوی سنایا تو اپنی اس غیر مناسبت سے استدعا اور ناحق طلب پر شرمندہ اور نادام ہوئیں اور بوجہ خجاست و ندامت صدیق اکبر سے خلط و ملط اور تندہ و شد بھی سابق کے لحاظ سے کم ہو گئی لوگوں نے اس کو غصہ اور ناراضگی خیال کر لی ورنہ صدیق اکبر حضرت سیدہ کے کوئی محرم نہ تھے جن سے سلام و کلام کی رسم جاری ہوتی اور پھر منقطع ہو جاتی تو ناراضگی کا شبہ ہوتا، حضرت سیدہ کا کلام محض ایک ضرورت کی بنا پر تھا، جب ضرورت نہ رہی تو کلام کی بھی ضرورت نہ رہی باقی حضرت علیؓ برابر صدیق اکبر کے شریک حال رہے اور برابر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ادھر صدیق اکبر بوجہ کمال نیاز مندی و ردولت پر حاضر ہوئے اور اس احتمال پر کہ شاید حضرت سیدہ ناراض ہو گئیں عذر و معذرت کی یہاں تک کہ حضرت سیدہ کو راضی کر کے اپنے گھر واپس آ گئے معاذ اللہ ابو بکر خلافت اور امارت کے نشہ میں نہیں پڑے رہے کہ حضرت سیدہ کی خبر ہی نہ لیتے جگر گوشہ رسول کے رنج اور آزر دگی سے بچیں اور بے تاب ہو گئے اور در دوست پر حاضر ہو کر ان کو راضی کیا اور اگر حضرات شیعہ اس گزارش پر بھی اکتفا نہ کریں اور پھر بھی ابو بکر کو قصور وار ٹھہرائیں تو پھر عرض یہ ہے کہ صدیق اکبر نے حضرت سیدہ کو کیا ناراض کیا بلکہ حضرت علیؓ نے جب ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا اس وقت حضرت سیدہ کو ناراض کیا جس پر حضور پُر نورؐ نے خطبہ دیا اور یہ ارشاد فرمایا فاطمة بضعة منی من اغضبها فقد اغضبنى اب آپ فرمائیے کہ حضرت علیؓ نے کس بناء پر یہ ارادہ فرمایا تھا۔ صدیق اکبر کے پاس تو ارشاد نبوی لا نورث ما ترکنا صدقة کا سہارا تھا حضرت علیؓ کے پاس کیا سہارا تھا ملوہ بریں بارہا خانگی امور میں حضرت سیدہ اور حضرت علیؓ میں باہم رنجش پیش آتی تھی، چنانچہ ایک روز اسی باہمی رنجش کے باعث حضرت امیر خفا ہو کر مسجد میں آئے تھے جس پر اس حضرت جعفرؓ نے ابو تراب کے لقب سے مشرف فرمایا۔

میراث نبوی ﷺ

صدیق اکبر اور فروع اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم

سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم یعنی سرورہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات ہے۔

(۱) حکمت اس میں یہ ہے کہ خلق خدا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرات انبیاء نے دعوت حق اور تبلیغ دین میں جو کچھ بھی محنت اور مشقت اٹھائی وہ محض خدا تعالیٰ کے لئے تھی اس سے دنیا مطلوب نہ تھی یہاں تک کہ اولاد کو بھی اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔

(۲) نیز انبیاء کرام امت کے حق میں روحانی باپ ہیں لہذا ان کا مال امت کے تمام افراد کے لئے وقف ہوگا، کسی خاص فرد کے لئے مخصوص نہ ہوگا۔

(۳) نیز حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر اور مقیم رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی مالکیت ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام اپنے آپ کو کسی چیز کا بھی مالک نہیں سمجھتے جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے۔

الانبياء لا يمشدون ملكا مع
اللہ
یعنی انبیاء خدا کے سامنے کسی کی ملکیت کو
نہیں دیکھتے۔

عوام کی نظروں سے مالک حقیقی کی ملکیت چونکہ پوشیدہ ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو مالک مجازی سمجھتے ہیں مگر انبیاء کرام اپنے کو مالک مجازی بھی نہیں سمجھتے جو چیز ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس کو خدا ہی کی تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں ہم کو اس سے منفع اور مستفید ہونے کی اجازت ہے۔ اسی وجہ سے ان اموال میں انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور نہ وفات کے بعد ان میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔

حیات نبوی ﷺ

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مؤمنین بلکہ اراکینِ فاعل بھی حاصل ہے۔

احادیث صحیحہ اور ساریہ سے ثابت ہے کہ مردے سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔
مقتویٰ میں بدر سے آپ کا خطبہ فرمان صحیحین اور تمام کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے نیز
حدیث میں ہے۔

ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا
فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام رواہ ابن عبد البر
صححه ابو محمد عبد الحق
وقال ﷺ ان المیت یعرف من یغسله و یحمله و یدلیہ فی
قبرہ رواہ احمد و غیرہ۔
جو شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر گزرے
جس کو مرنے سے پہلے وہ دنیا میں پہچانتا
تھا اور اس پر سلام کرے تو وہ مردہ بھی اس کو
پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا
ہے اس حدیث کو حافظ ابن عبد البر نے
روایت کیا اور شیخ عبدالحق نے اس کو صحیح بتایا
نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد
ہے کہ تحقیق میت اس شخص کو پہچانتا ہے جو
اس کو غسل دے اور اس کو اٹھائے اور اس کو
قبر میں اتارے اس حدیث کو امام احمد
وغیرہ نے روایت کیا۔

مسند ابی یحییٰ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
ارشاد فرمایا۔

الانبیاء احياء فی قبورهم
یصلون۔
انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز
میں مشغول ہیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو حسن فرمایا اور حدیث منوی فیض القدر شرح

بہر قافی۔ ج ۵ ص ۳۳۰

۲ شیخ احمد مہدی ارتس بخاری حدیث حیات نبوی فرماید۔ ان میں حدیث معلوم شود کہ نبی زندہ ہند
قبر بعد وفات حیات میں انبیاء تین تہ حیات باشد و سید و مگر نہ ان کی تہ حیات دنیا با تہ با وجود مستغنیہ
زندہ و با حصول قوت نمودن و مچند۔ باب حاکم است کہ انبیاء حیات بہ ان شرط است و حدیث تہ تہ
ست کہ بے آن نیز زندہ ہوں گے انبیاء حیات ہوں گے و عرض آمد کہ تہ تہ (حقین بعد امر تہ تہ)
شرح شیخ احمد مہدی ارتس بخاری ج ۵ ص ۳۳۰ کتاب انبیاء و اہل بیت فقہ فصل اکلام۔

جامع صغیر میں فرماتے ہیں ”ہذا حدیث صحیح“ اور علامہ سیوطی مرقۃ الصعود حاشیہ سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء کے بارے میں احادیث درجہ تو اتر کو پہنچی ہیں اور انباء الاذکیاء حیاۃ الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

حیات النبی ﷺ فی قبرہ ہو
وسائر الانبیاء معلومة عندنا
علما قطعیا لما قام عندنا من
الدلة فی ذلك و توا تر ت بہ
الاخبار الدالة علی ذلك۔
نبی اکرم ﷺ کی حیات اپنی قبر مطہر میں
اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی قبروں
میں علم قطعی اور یقینی سے معوم ہے اس لئے
کہ حیات انبیاء دراکل سے ثابت ہے اور
احادیث متواتر اس پر شاہد ہیں۔

اور اس حدیث سے فقط انبیاء کرام کی حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ جس طرح انبیاء کرام اس حیات دنیویہ میں مشغول عبادت تھے اسی طرح اس حیات برزخیہ میں بھی مشغول عبادت ہیں بداعت کا وعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محط کلام ہوتی ہے لہذا الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون میں۔ مقصود کلام۔ صلاۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے اصل حیات امر مفروغ ہے یصلون سے پہلے حیات کا ذکر محض تمہید کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اور اعمال حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں اور اعمال و اشغال میں نماز کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے اور نماز انبیاء کرام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ غرض ۲ یہ کہ حضرت انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرت انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد اور آحاد بشر کے لئے ثابت ہے اور حدیث سے مقصود انبیاء کرام کی خصوصیت اور ان کا امتیاز بیان کرنا ہے،

اج ۳ ص ۸۴ ۲ پوشیدہ نمائندہ دیدن آں حضرات نبیہ صلوات اللہ علیہم و آلہم و سلم و تلمذاتہا چنانچہ در حدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر آں ست کہ تنہا با شخصی و ہر دیدہ و قوتی مقررہ مقررہ امور ہمیں ست کہ نبیہ بعد اوقت موت زندہ اندہ حیات دنیوی۔ تفسیر القاری ص ۲۶۲ ج ۳ باب ذکر درسیہ سلمہ یعنی ہند حیات دنیوی بلکہ حیات برزخی اشان علی و اقوی ست نہ حیات دنیویہ ہر اتب کہ عقل از تصور آں قہ صراست ۲

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔

کیف تعرض صلاتنا علیک
وقد اُرمیت یقولون بلیت فقال
ان الله حرم علی الارض ان
تأکل اجساد الانبیاء اخرجہ
ابوداؤد وقال البیهقی لہ
شواہد وقال العلامة القاری
رواہ ابن حبان فی صحیحہ
والحاکم وصححہ وقال
النووی اسنادہ صحیح اھـ

بہار صلاۃ و سلام آپ پر کیسے پیش ہوگا
حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ
اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ اس حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ
نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے
اجسام کو کھائے اس حدیث کو ابوداؤد نے
روایت کیا، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس
حدیث کے اور بھی شواہد ہیں اور یہ حدیث
صحیح ہے۔

صحابہ کا یہ سوال اور آنحضرت ﷺ کا یہ جواب اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات
سے جسمانی حیات مراد ہے۔ محض روحانی حیات مراد نہیں ورنہ اگر فقط روح مبارک پر درود کا
معروض ہونا مراد ہوتا تو صحابہ پر ام کا یہ سوال وقد اُرمیت کہ آپ کا جسم تو وفات کے بعد بوسیدہ
ہو جائے گا اور پھر حضور پر نور کا یہ جواب کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجساد انبیاء کو حرام کر دیا ہے
سب بے معنی ہو جائے محض روح پر اعمال پیش ہونے کے لئے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں
آپ جواب میں یہ فرمادیتے کہ تمہیں جسم سے کیا بحث تمہارا صلاۃ و سلام تو میری روح پر پیش
ہوگا محض روح پر اعمال ہا پیش ہونا انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر
ثابت ہے کہ مردے کلام و سلام کو سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان پر ان کے اقارب کے اعمال
پیش ہوتے ہیں جیسا کہ شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور للعلامة السیوطی میں اس پر مفصل
کلام کیا ہے، روح متصل بالجسد پر قبر میں امت کے اعمال کا پیش ہونا یہ نبی اکرم ﷺ کی
خصوصیت ہے۔ ہذا توضیح ما قلہ علامۃ القاری فی شرح مشکوٰۃ ۲۔

اور سنن ابن ماجہ میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز خاص طور پر مجھ پر کثرت

سے درود پڑھا کرو، جمعہ کا دن یومِ مشہود ہے جس میں ملکہ اللہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ ابواورداء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

و بعد الموت قال ان الله حرم
على الارض ان تأكل اجساد
الانبياء فنبى الله حى يرزق۔
رواہ ابن ماجہ قال الدسیری
رجاله ثقات کذا فی فیض
القدير۔

وقال الزرقانی رواہ ابن ماجہ برجال ثقات عن ابی الدرداء مرفوعاً۔ الخ زرقانی ص ۳۳۶ ج ۵
شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے۔

لقد اذیت رسول الله ﷺ
فمن قبرہ۔ تحقیق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ
ﷺ کو قبر میں ایذا پہنچائی۔

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے نزدیک آں حضرت ﷺ قبر مبارک میں اسی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح حکم خداوندی لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ الایہ۔ اس حیات دنیاویہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا اسی طرح اب اس حیات برزخیہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع ہے۔

اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات و در دیوار میں کسی کیل اور میخ ٹھوکنے کی آواز حجرہ نبوی تک پہنچتی تو عائشہ صدیقہ فوراً اس کے پاس یہ کہلا کر بھیجتیں۔

لا تؤذوا رسول الله ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ کو کیل اور میخ ٹھوکنے کی
آواز سے تکلیف مت پہنچاؤ۔

شیخ سبکی فرماتے ہیں کہ تمام صحیحہ ہرام اور سلف صالحین کا یہی عمل تھا کہ آپ کے ادب اور تعظیم میں مسجد نبوی میں آواز بلند نہیں کرتے تھے (کما قال تعالیٰ إِنَّ الدِّينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى)

سید الملک المقرئین سید جبریل امین ایک مرتبہ حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابھدا داب آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر عرض کیا۔ اَذْنُو مِنْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اجازت ہو تو آپ سے قریب ہو جاؤں۔ آپ نے اجازت دی جبریل امین نے حضور پر نور کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ہستہ آواز سے عرض معروض کی۔

اور علی ہذا مرض الوفات میں جب ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابھدا اب و نیاز۔ پست آواز سے قبض روح کی اجازت چاہی۔ شفاء السقام ص ۵۴ اور ید الکرما قال تعالیٰ إِنَّ الدِّينَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

من صلی علیّ عند قبری سمعته و من صلی علیّ نائیا بلغته
جو شخص میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اُسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور دراز سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو بذر یعد فرشتوں کے پہنچا دیتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قرب اور بعد کا یہ فرق حیات جسمانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ حیات روحانی کے اعتبار سے۔

علامہ منوکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وذلك لان لروحه تعلقا بمقر بدنه الشريف و حرام علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء فحاله كحال النائم الذي ترقى روحه بحسب
اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کو آپ کے جسد اطہر کے مستقر یعنی قبر شریف کے ساتھ تعلق ہے اور زمین پر انبیاء ہرام کے اجسام کو کھانا قدرۃ ممنون ہے، پس قبر شریف میں آپ کا حال ایسا

قواها ما شاء الله له بحسب
قدره عند الله في الملكوت
الا على ولها بالبدن تعلق و
لذا اخبر بسماعه صلاة
المصلى عليه عند قبره وذا لا
ينافيه ما مرفى خبره حيث ما
كنتم فصلوا على من ان
معناه لا تتكلفوا المعاودة الى
قبري فان صلاتكم تبلغني
حيث كنتم ما ذالك الا لان
الصلاة في الحضور مشافهة
افضل من الغيبة لكن
المنهي عنه هو الاعتیاد الرافع
للحشمة المخالف لكمال
الصیبة والا جلالا

ہے جیسے سونے والے کا حال ہوتا ہے کہ
اس کی روح کو عروج ہوتا ہے جس قدر جس
درجہ اللہ کے یہاں اس کا مرتبہ ہوتا ہے اسی
قدر اس کو عالم ملکوت میں عروج ہوتا ہے
اور باوجود اس کے اس کی روح کو اس کے
بدن سے تعلق رہتا ہے اسی وجہ سے
آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے کہ جو
میری قبر کے قریب سے مجھ پر صلاۃ و سلام
پڑھے گا اس کو میں خود سنوں گا اور یہ
حدیث مذکور اس حدیث کے منافی نہیں کہ
جس میں یہ آیا ہے کہ تم جہاں بھی ہو مجھ پر
درود بھیجا کرو اس لئے کہ اس حدیث کے
معنی یہ ہیں کہ بار بار میری قبر پر حاضری کی
مشقت اور کلفت مت اٹھاؤ تمہارا درود
سلام مجھ کو ہر جگہ سے پہنچے گا۔

جس سے معلوم ہوا کہ حاضر ہو کر بالمشافہ صلاۃ و سلام۔ غائبانہ صلاۃ و سلام سے افضل
ہے۔ البتہ ایسی بار بار حاضری جس سے بارگاہ نبوت کی عظمت و ہیبت میں کمی آجائے اس کو
منع فرمایا۔ اور مسند بزار میں بسند جید عبد اللہ بن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ امت کے
اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور آپ ان کے لئے دُعا سے مغفرت کرتے ہیں۔ ۲

ان تمام روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام
قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور
وفات کے بعد عبادات سے معطل نہیں بلکہ نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ کی
طرف سے اُن کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلاۃ و سلام پڑھتا ہے اس

کو خود سنتے ہیں اور امت کے عمل آپ پر قبر ہی میں پیش کیے جاتے ہیں یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضراتِ انبیاء کی حیاتِ جسمانی ہے اور ارواحِ طیبہ کا اجسامِ مبارکہ سے تعلق قائم ہے غرض یہ کہ انبیاء کرام کی حیاتِ داکل قطعاً سے ثابت ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ امت نے جسدِ اطہر کو وفات کے بعد قبر شریف میں ودیعت رکھا ہے اور شریعت نے مزارِ مبارک کی زیارت کی تاکید اکیڈ کی ہے اور قبرِ مبارک ہی میں امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور قبرِ مبارک ہی میں آپ نماز ادا فرماتے ہیں اور قبرِ مبارک ہی میں آپ کو اللہ کی طرف سے رزق پہنچتا ہے اور اجسامِ مبارکہ کا قبروں میں دفن کیا جانا مشاہدہ اور معائنہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور اجسادِ مطہرہ کا قبور سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں ثابت نہیں اور احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات ہے۔

اور قبور میں اجسام ودیعت رکھے گئے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام کی حیاتِ جسمانی ہے اور روح کا اصل تعلق اجسام سے قبروں میں ہے۔ غرض یہ کہ ان روایات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کا اصل ۲ مستقر قبرِ مبارک ہے کہ جہاں آپ کا جسدِ اطہر محفوظ ہے نہ کہ آسمان اور اسی مقام پر آپ کی روح مبارک کا جسدِ اطہر سے تعلق ہے اور اسی جگہ آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور بائیں ہمہ آپ کی روح مبارک کو عالمِ علوی سے بھی تعلق ہے لہذا اگر آپ کی روح مبارک میر و مفرج کے لئے اعلیٰ علیین اور ملکوتِ اسموات و الارض میں باذنِ خداوندی جہاں چاہے جائے تو وہ اس کے منافی نہیں حق تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنے برزیدہ بندہ کو جہاں چاہے سیر کرائے اور امور آخرت اور احوالِ برزخ کو احوالِ دنیا پر قیاس کرنا نادانی ہے۔

علامہ قاری شرح شفاء میں لکھتے ہیں ۳

المعتقد المعتمد انه ﷺ حی فی قبره کسائر الانبیاء فی ۱ وہ عقیدہ جس پر سلف و خلف کا اعتماد ہے وہ یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی قبر

۱ جذب القلوب۔ ص ۲۰۴ ۲ قدس فی فطن الفتح ج ۳ ص ۱۱۳۲۹ اجساد ہم فی فی القبور فتح الباری باب التنبیۃ ۳ ج ۲ ص ۱۴۲

قبورہم وہم احياء عند ربہم
وان لا رواحہم تعلقا بالعالم
العلوی والسفلی کما کانوا
فی الحال الدنیوی فہم
بحسب القلب عرشیون و
باعتبار القلب فرشیون واللہ
سبحانہ اعلم باحوال ارباب
الکمال هذا شرح شفاء
میں زندہ ہیں جیسے دوسرے انبیاء کرام خدا
تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کی ارواح
طیبہ کو بیک وقت عالم علوی اور عالم سفلی
دونوں سے تعلق ہے جیسا کہ دنیوی زندگی
میں دونوں عالم سے تعلق تھا یعنی وفات کے
بعد بھی اسی طرح دونوں عالم سے تعلق قائم
ہے قلب کے اعتبار سے عرشی اور قلب کے
اعتبار سے فرشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ارباب
کمال کے احوال کو خوب جانتے ہیں۔

درنیابہ حال پختہ ہیچ خام پس سخن گو تاہ باید والسلام
حضرات انبیاء کرام بلاشبہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں لیکن
شب معراج میں۔ انبیاء کرام کو نبی اکرم ﷺ کی ملاقات کے لئے مسجد اقصیٰ میں جمع کر دیا
گیا اور پھر جس کو چاہا آسمانوں پر بھی بلایا اور ظاہر یہی ہے کہ انبیاء کرام کی یہ ملاقات روح اور
جسم دونوں کے ساتھ تھی جیسا کہ شیخ نور الحق دہویؒ نے تیسیر القاری شرح بخاری میں
لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے۔ کہ شب معراج میں انبیاء کرام کے اصل اجسام مبارکہ تو قبر میں
مقیم ہوں اور مسجد اقصیٰ میں آپ کی ملاقات کے لئے ان کی ارواح مبارکہ کو ان کے اجسام
عنصریہ کے ہم شکل بنا کر جمع کیا گیا ہو مگر ظاہر اور مجتاد یہی ہے کہ حضرات انبیاء ان ہی
ابدان دنیویہ کے ساتھ جو ان کی قبروں میں محفوظ اور صحیح سالم ہیں آپ کی ملاقات کے لئے

الوشیدہ مرند کہ دیدن آنحضرت ﷺ انبیاء را بصوت بلند و سلامہ میبسم آئند چنانکہ در حدیث مذکور بوضوح بیوستہ
ناظران است کہ آنہا باشخاص و جسد دیدہ و قول مختار و مقرر جمہور نیست کہ نبیاء بعد از اقامت موت زندہ اند حیات
دنیوی کہ فی تیسیر القاری ص ۳۲ ج ۳ باب ذکر ادریس علیہ السلام معنی حیات انبیاء در برزخ ماند حیات دنیوی است
بلکہ حیات برزخی آن بزرگان اعلیٰ و اقویٰ است ز حیات دنیویہ بحر تب کر عقل ز تصور آن قاصر است ۱۲ منہ عند اللہ عند
ج ۲ ص ۴۲ ج ۳ ص ۲۶۲ ج ۲ ص ۱۶۶ باب معراج میں
نہتے ہیں و ستمثل رویۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادہم مستقرۃ فی قبورہم بالارض و حبیب ہاں رہے جسم تشکلت
بصور جسادہم حضرت جسدہم لملاقۃ النبی ﷺ ملک المیدۃ تشریف و تکریم و یوید و حدیث عبد الرحمن بن ہاشم بن
انس فقیہ و یحدث لہ آدم و من دونہ عن الانبیاء اھ

جمع ہوئے ہوں قدرت قدیرہ کے لحاظ سے لہذا روحانی و جسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقل مکانی سب برابر ہیں محض استبعاد طبعی سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے باقی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کس کیفیت اور کس شان سے ملاقات ہوئی۔ کس نشاد و نمشاید حکمت اس معمارا۔

حدیث میں ہے کہ مومن کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور جنت کا باغ بنا دی جاتی ہے۔ پس اگر روضہ اقدس کو نمونہ فردوس بریں اور رشک علمین بنا دیا جائے تو کیا استبعاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایام محاصرہ میں عرض کیا گیا کہ شام چمے جائیں تاکہ وہاں اس فتنہ اور بداء سے محفوظ ہو جائیں تو یہ فرمایا کہ میں دار ہجرت (مدینہ منورہ) اور اس حضرت علیؓ کے قرب اور مجاورت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ رحمہ اللہ وجہ نے اپنے مکان کے کواڑ بنوائے تو یہ حکم دیا کہ یہ کواڑ مدینہ سے باہر لے جا کر بنائے جائیں تاکہ ان کے بنانے کی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور اس آواز کی وجہ سے حضور پر نور کو تکلیف نہ ہو (زرقانی شرح مواہب ص ۳۰۲ ج ۸ و شفاء اسقام ص ۱۷۳)

ابونعیم وغیرہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعہ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی تنفس نہ تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آ جاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی۔ میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا، (زرقانی شرح مواہب ص ۲۳۲ ج ۵)

یہ واقعہ بھی اس کی دلیل ہے کہ روح مبارک کا اسی جسد اطہر سے تعلق قائم ہے کہ جو روضہ اقدس میں ودیعت رکھا گیا ہے سید سمودی و فاء الوفاء باب ثامن کی فصل ثانی ص ۷۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔

و اما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء ومع قوة النفوذ في العالم وقد اوضحنا المسئلة في كتابنا المسمى حياة الانبياء کے تمام درکل کا مقتضی یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنے ابدان اور اجساد مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں جس طرح دنیا میں ابدان کے ساتھ زندہ تھے یعنی یہ کہ آپ کی حیات برزخیہ حیات جسمانی ہونے میں حیات دنیویہ کے

بالوفالما لحضرة المصطفى
ﷺ اھ

مماثل اور مشابہ ہے فرق یہ ہے کہ عالم
برزخ میں باوجود حیات جسمانی ہونے
کے غذاء سے مستغنی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے
نفوذ کی قوت عطا فرمائی ہے اور ہم نے اس
مسئلہ کی پوری توضیح اپنی کتاب الوفاء میں
کی ہے۔ اھ

اور عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک اُمت کے تمام علماء و صلحاء کا یہ عمل رہا ہے
کہ جو شخص زیارت نبوی کے لئے جاتا ہے اس کے واسطے سے حضور پر نور کی خدمت میں ہدیہ
سلام بھیجتے ہیں اور بہت سے اولیاء اُمت نے جب حضور پر نور پر سلام پڑھا ہے تو حجرہ مبارکہ
میں سے وحیک السلام کی آواز اپنے کانوں سے سنی ہے۔ (فیض القدیر ص ۹۷ ج ۲۔)

جان می دہم در آرزوای قاصد آخر بازگو

در مجلس آن نازنین حرفے کہ ازمای رود

یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ روح مبارک کو جسم اطہر کے ساتھ اسی قبر منور میں تعلق
ہے اسی جگہ سلام پڑھا جاتا ہے اور اسی جگہ سے جواب سنا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ قرآن کریم صراحۃً آپ کی موت کے متعلق ناطق ہے إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ
إِنَّهُمْ مُيْتُّونَ اور حضور پر نور کا ارشاد ہے انسی رجل مقبوض اور صدیق اکبر نے
وفات کے دن یہ خطبہ دیا فان محمد اقدمات جس کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا۔ پھر حیات
نبوی کے کیا معنی۔

جواب

اں حضرت ﷺ نے بحکم کُلِّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ تھوڑی دیر کے لئے موت کا
مزدہ چکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور زمین پر آپ کے جسم و جمانا حرام کیا پس آپ

اب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حیات شہداء سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہے۔ (کنزانی شرح المواہب و مدارج النبوة باب پنجم ذکر فضل کل آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱)

قال الامام البيهقي في كتاب
الاعتقاد الانبياء عليهم الصلاة
والسلام بعد ما قبضوا ردت
اليهم ارواحهم فهم احياء
عند ربهم كالشهداء ۲

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں
کہ حضرات انبیاء کی ایک مرتبہ قبض روح
کے بعد پھر ان کی ارواح ان کے ابدان
میں واپس کر دی گئیں پس انبیاء کرام حق
تعالیٰ کے پاس شہداء کی طرح (بلکہ ان
سے بڑھ کر) زندہ ہیں۔

اور حیات شہداء کے متعلق علامہ آلوسی روح المعانی ص ۷۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

واختلف في هذه الحياة
فذهب كثير من السلف الى
انها حقيقة بالروح والجسد و
لكننا لا ندر كها في هذه
النشأة استدلو بسياق قوله
تعالى عند ربهم يرزقون و بان
الحياة الروحانية التي ليست
بالجسد ليست من
خواصهم فلا يكون لهم
امتياز بذلك على من عداهم
و ذهب البعض الى انها
روحانية

حیات شہداء کی حقیقت میں علماء کا اختلاف
ہے۔ جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ حیات
جسم اور روح کے ساتھ ہونے کی دلیل یہ
ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شہداء کو خدا
کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ
رزق جسم کے لئے ہوتا ہے، نیز حیات
روحانیہ شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں روحانی
حیات تو تمام مردوں کو حاصل ہے خواہ
مؤمن ہوں یا کافر۔ پس آیت بل احياء
سے جسمانی حیات مراد نہ ہو بلکہ روحانی
حیات مراد ہو تو پھر شہداء کا امتیاز اور
خصوصیت کیا ہوئی حالانکہ مقصود آیت سے

شہداء کا امتیاز اور ان کی خصوصیت کا بیان کرنا ہے کہ جو ان کے ساتھ مخصوص ہو

اور دوسروں میں وہ خصوصیت نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ خصوصیت اور امتیاز

حیات جسمانی ہے اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ شہداء کی حیات روحانی ہے۔

پس جب کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے تو حضرات انبیاء کرام جو شہداء سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہیں ان کی حیات بدرجہ اولیٰ جسمانی ہوگی۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ شہید کو نبی سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ حاصل ہو سکے نیز شہداء کو یہ مرتبہ عالیہ (یعنی حیات جسمانی) کا مرتبہ نبی کی شریعت اور ملت کی حفاظت میں جہ نازی اور سرفروشی کے صلہ میں ملا ہے۔ پس قیامت تک جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہوگا تو ان تمام شہداء کا اجر نبی کریم کے نامہ اعمال میں ثبت ہوگا اور آپ کا مقام ان تمام شہداء سے باعتبار حیات کے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ اس لئے کہ دین کا سنگ بنیاد رکھنے والے حضور پر نور ہیں لہذا آپ کی تنہا حیات تمام شہداء عالم کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند ہوگی۔ (دیکھو شفاء السقام ص ۱۴۰) نیز یہ کہ نبی اکرم ﷺ شہید بھی ہیں چنانچہ۔

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو پس انبیاء کرام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں کیونکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے عموم میں داخل ہیں۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ نے بحالت شہادت وفات پائی اس لئے کہ آپ کی وفات اس زہر کے اثر سے ہوئی ہے کہ جو یہود نے خیبر میں آپ کو دیا تھا۔ (رواہ البخاری)

اخرج احمد و ابو يعلى والطبرانى والحاكم والبيهقى عن ابن مسعود قال لان احلف تسعا ان رسول الله ﷺ قتل قتلا احب الى من ان احلف واحدة انه لم يقتل و ذلك ان الله اتخذه نبيا و اتخذه شهيدا۔

امام احمد ابو يعلى اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود یہ کہتے تھے کہ میں نو مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ مقتول ہوئے یہ بہتر ہے اس سے کہ میں ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ نبی اکرم ﷺ مقتول نہیں ہوئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی بنایا۔

بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سید الشہداء ہیں تمام شہداء کے اعمال آپ کے نامہ اعمال اور میزان میں ہیں پس آپ کی حیات تمام شہداء کی حیات سے اکمل اور اقویٰ ہوں۔
علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں۔

الانبياء والشهداء احياء و حياة
الانبياء اقوى اذالم يسلط
عليهم الارض فهم كالنائمين
والنائم لا يسمع ولا ينطق
حتى يتنبه (حاشیہ حیات)
الانبياء للبيهقي۔

انبیاء اور شہداء یہ دونوں گروہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں لیکن انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب زمین کو انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ پر مسلط نہیں کیا اور انبیاء کے اجسام مطہرہ بعینہ محفوظ ہیں تو سمجھ لو کہ انبیاء کرام بمنزلہ سونے والوں کے

ہیں اور سونے کی حالت نوم میں سننے اور جواب دینے سے معطل رہتا ہے جب تک وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ کا کلام معرفت التیام

اہل سنت و اجماعت کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں اور مشغول عبادت ہیں۔ عرب اور ائمہ کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء عارفین اس موضوع پر مستقل رسالے اور مقالے لکھتے چلے آئے۔

تیرھویں صدی کے اخیر میں سرخیل اولیاء و عارفین و مرتاج حضرات متکلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے اس موضوع پر آب حیات کے نام سے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی جو تفاق و معارف لدنیہ کا ایک عجیب و غریب خزینہ اور گنجینہ ہے۔

سید کمہودی وقء الوفاء ص ۴۰۵ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ لا شک فی حیاتہ رحمۃ اللہ علیہ بعد وفاتہ و کذا سائر الانبياء علیہم الصلاۃ والسلام احياء فی قبورهم حیاة اکمل من حیاة الشهداء النبی احبر اللہ تعالیٰ بہا فی کتابہ العریر و نبیا رحمۃ اللہ علیہ سید الشهداء و اعمال الشهداء فی میزانہ ام

حسب ارشاد باری تعالیٰ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَبِيتٌ وَاَنْهُمْ مَبِيتُونَ تمام سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حضرات انبیاء کرام پر موت طاری ہوئی اور اُن کی تجہیز و تکفین کی گئی اور مقابر میں دفن کیے گئے اس کے بعد حضرات متکلمین و محدثین یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ایک مرتبہ موت طاری ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے گئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے انبیاء کرام پر اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے موت طاری ہوئی مگر وہ موت دائم اور مستمر نہیں بلکہ عرض اور غیر مستمر تھی۔ اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات اور ممات تو کتاب اور سنت اور اجماع اُمت اور مشاہدہ عالم سے ثابت ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

اور انکار ناجائز ہے لیکن انبیاء کرام کی موت اور وفات کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامہ مومنین کی موت کی نوعیت اور کیفیت سے مختلف ہے عامہ مومنین کی موت۔ مزیل حیات ہے اور انبیاء کرام کی وفات سائر حیات ہے انبیاء کرام کی وفات اور ممات ظاہری ہے جس کے باطن میں اُن کی حیات مستور ہے جس طرح زیر پردہ سحاب نور قہر مستور ہوتا ہے، اسی طرح زیر پردہ ممات۔ انبیاء کرام کی حیات مستور ہو جاتی ہے۔ معذ اللہ۔ مولانا کا یہ مطالبہ بے مزہ نہیں کہ انبیاء کرام پر موت طاری ہی نہیں ہوئی بلکہ مولانا موت اور وفات کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا کا تمام کلام۔ حضرات انبیاء کرام کے وفات اور موت کی نوعیت اور کیفیت کے تعین میں ہے انبیاء کرام کی وفات سے ذرہ برابر انکار نہیں جیسے حضرات متکلمین کا یہ اختلاف کہ صفات باری تعالیٰ میں ذات ہیں یا لائین اور لا غیر۔ یہ اوصاف کی نوعیت کی تعین میں کلام ہے نفس اوصاف میں کلام نہیں اسی طرح حضرت نانوتوی کا تمام کلام انبیاء کرام کی وفات اور ممات کی تعین میں ہے اور نفس موت کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں انبیاء کرام کو انھیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں پر حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَبِيتٌ وَاَنْهُمْ مَبِيتُونَ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے۔

لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت۔ ظاہریوں کی نظر سے مستور ہے مثل اُمت

کے ان کی موت میں زوالِ حیات نہیں۔ حضراتِ انبیاء زندہ ہیں اُن کی موت اُن کی حیات کے لئے سائر ہے۔ رافعِ حیات اور دافعِ حیات نہیں!

بلکہ موت کے وقت انبیاء کرام کی حیات اور بھی شدید ہو جاتی ہے، موتِ انبیاء کرام اور موتِ عوام میں ایسا فرق ہے جیسا کہ شمع یا چراغ کو کسی ہنڈیا میں رکھ کر اوپر سرپوش رکھ دینے میں اور شمع اور چراغ کے گل ہو جانے میں فرق ہے۔ گل ہو جانے میں نور زائل ہو جاتا ہے اور ہنڈیا میں رکھ کر سرپوش رکھ دینے سے نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا بلکہ سرپوش رکھ دینے سے تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آ جاتی ہیں بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ نور اور شدید ہو جاتا ہے، پس عام مؤمنین کی موت سے ان کی حیات کا نور بالکل زائل ہو جاتا ہے اور انبیاء کرام کی موت سے ان کی حیات کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا اگرچہ ظاہرِ نظر میں فرق نہ معلوم ہو شمع اور چراغ گل ہو جائے یا کسی ظرف میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا نور مستور ہو جائے یا اعتبارِ مکان کے اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر ہے۔

اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضراتِ انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ ۳

(۱) اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیرِ ارضی سے بالکلیہ محفوظ رہنا۔

(۲)۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی ازواجِ مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

(۳)۔ اور اُن کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔ امورِ ثلاثہ میں سے ہر امرِ حیاتِ انبیاء پر شاید عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواحِ طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کو اپنے ابدان سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا بخلاف شہداء کے کہ موت سے انکی ارواح کا ان دنیاوی ابدان سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور ان ابدان کو چھوڑ کر ابدانِ جنت سے تعلق ہو جاتا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال میں میراث جاری ہوئی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مال میں میراث جاری

نہوئی حالانکہ یُوصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ- اَوَّلَا دِکُمْ لِذَکْرِ مِثْلِ حَظِّ الْاَنْشَسِیْنِ سب کو عام ہے، عوام ہوں یا رسول اللہ ﷺ نیز شہداء کی ازواج کو بعد عدت معروفہ نکاح کی اجازت ہوئی جو انقطاع حیات پر دال ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی شان میں یہ حکم آیا وَلَا اَنْ تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہُمْ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا جو ابدی طور پر حرمت نکاح ازواج مطہرات پر دال ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح منقطع نہیں ہوا جیسا کہ اَزْوَاجُہُمْ اَسْہَا تْہُمْ بھی اسی پر دال ہے کہ علاقہ زوجیت حسب سابق قائم ہے کیونکہ ازواجہ جمع زوجہ کی ہے جو صفت مشبہ ہے دوام اور ثبوت پر دال ہے اور والد جسمانی کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کو اسی طرح بیان فرمایا وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَنْکَحَ اٰبَآءُکُمْ نکل فعل ماضی ہے جو حدوث اور تجدید پر دلالت کرتا ہے جس سے منکوحیت کا زوال ہویدا ہے اور جب ازواج مطہرات کا نکاح ہی منقطع نہیں ہوا تو ازواج مطہرات منجملہ وَالْمُخَصَّنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ ہو جائیں گی!

اور بقاء نکاح بے علاقہ روح و جسد متصوّر نہیں شہداء میں باوجود حیات کے بوقت موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا شہداء اور عامہ مومنین کی موت میں فرق اتنا ہے کہ ارواح شہداء کو جسد اول سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد اور ابدان سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے ان کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مومنین امت کے لئے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہر حال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ تو پھر اشیاء متعلقہ ابدان دنیوی سے کہاں تعلق رہ سکے گا کہ اُن کے اموال و ازواج جو ان کے توں انھیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت نہ ہو اور وارثوں کو تقسیم و تصرف کرنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ مال اور ازواج ارواح کو بتقاضے تعلق جسمانی مطلوب ہوتے ہیں بذات خود مطلوب روحانی نہیں اس لئے بعد انقطاع علاقہ جسمانی ازواج و اموال کے ساتھ جو علاقہ تھا وہ بدرجہ اوے منقطع ہو جائے گا اور باوجود حیات شہداء ان کی ازواج کو مثل ازواج دیگر مومنین امت بعد انقضائے عدت اختیار نکاح ہوگا اور اُن کے اموال متروکہ میں میراث بدستور معلوم جاری رہے گی موت شہداء کے حق میں موجب زوال حیات اول ہے اور وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں وہ حیات ثانی ہے اور

لفظ عند ربہم اسی طرف مشیہ مضموم ہوتا ہے ہاں حلقہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام منقطع نہیں ہوتا اس لئے ازواجِ نبویؑ اور نیز امواں نبویؑ طلق علیہم بدستور آپ کے نکاح اور آپ کی ملک باقی رہیں گے۔ اور خیر و اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم امواں نہ ہوگا۔ باجملہ موت انبیاء کرام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استہزائے پرودہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عرض موت ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ جناب باری نے حضرت سرور عام کو انک میت سے جد خطاب فرمایا اور آپ کے سوا دوسروں کو وانہم میتون سے جدا خطاب فرمایا اور مثل حمدہ اذ قد تم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون سب کو شامل کر کے انکم میتون نہ فرمایا سو وہ موت اسی فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

پس جس طرح حیات نبویؑ اور حیات مؤمنین امت میں فرق ہے اور جس طرح نوم نبویؑ اور نوم مؤمنین میں فرق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے تنام عینای ولا ینام قلبی و كذلك الانبیاء تنام اعینہم ولا تنام قلوبہم (بخاری شریف)

اسی طرح موت نبویؑ اور موت مؤمنین میں بھی فرق ہے۔ حدیث میں ہے کہ النوم اخو الموت۔ "قرآن کریم میں ہے اللہ یتوفی الانفس جنین موتہا والتی لم تموت فی مناہیہا۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام پاک میں موت اور نوم دونوں کو ایک سبب میں ٹھینا ہے اور دونوں کی حقیقت توفی اور امساک بیان فرمائی ہے۔

عامۃ مؤمنین کو بھی موت خواب توفی و امساک روح کی وجہ سے اور اک و شعور میں جو تعطل ہوتا ہے وہ حضرات نبیاء و بوقت خواب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب میں اور وحی بیداری میں پتہ فرق نہیں ہوتا، انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں و دل ان کے بیدار رہتے ہیں اور ان کا خواب بمنزلی بیداری کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا واقعہ انہی اری فی المنام انہی اذبحک فانظر ماذا تری اس پر شاہد عدل ہے عامۃ مؤمنین کی قوت عامیہ اور ادراکیہ بوقت خواب معطل ہو جاتی ہے مگر حضرات انبیاء کرام کی قوت عامیہ بوقت خواب بدستور باقی رہتی ہے! (یہاں تک حضرت موانا و توفی کے کلام کا خاصہ ختم ہوا) حضرات اہل علم۔ اصل آپ حیات کی مرجعت فرماتے ہیں۔

اب یہ مؤلف حقیر سراپا تقصیر۔ اہل اسدھام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ یہ قرآنِ نبویہ اور احادیثِ نبویہ سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام! روحانی اور جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر سے جدا اور ممتاز ہیں اور قربِ خداوندی میں جبریل و میکائیل اور ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں حضرت آدم کو حق جل شانہ نے خاص اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور تاجِ خلافت کا ان کے سر پر رکھا اور اس جسمِ خاکی کو اجسامِ نورانیہ (ملائکہ) کا مجبور بنایا اور حضراتِ انبیاء کو جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر پر امتیاز عطا کیا کہ ان کے اجسام مبارکہ کو ایسا نظیف اور لطیف اور مطہر اور معطر پیدا کیا کہ ان حضرات کے اجسام سے جو پسینہ نکلتا تھا وہ اس درجہ خوشبودار ہوتا تھا کہ مشک اور عنبر بھی اس سے کمتر اور فروتر تھا۔

اخرج البیهقی وغیرہ عن عائشة قالت قلت یا رسول اللہ انک تدخل الخلاء فاذا خرجت دخلت فی اثرک فما اری شیئاً الا انی اجد رائحة المسک قال انا معشر الانبیاء تنبت اجسادنا علی ارواح اهل الجنة فما خرج منها من شیء ابتلعتہ الارض۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۰)

امام بیہقی وغیرہ نے عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بیت الخلاء جاتے ہیں اور آپ کے بعد میں بیت الخلاء جاتی ہوں تو وہاں کوئی چیز مجھ کو نظر نہیں آتی تا یہ کہ مشک کی خوشبو پاتی ہوں آپ نے فرمایا۔ ہم گروہِ انبیاء کی خاص شان ہے ہمارے اجسام کی پیدائش اور نشوونما اہل جنت کی ارواح کے طور و طریق پر ہوتی ہے جو چیز بھی انبیاء کے بدن سے نکلتی ہے زمین اس کو فوراً نگل لیتی ہے۔

۱۰۰ م راوی نے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۵ میں اِنَّ النَّبَّ اصْطَفٰی اَظْمَ وَنُوْحًا وَاٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں کلمہ نقل کیا ہے کہ نبیاء کرام کو اے جسمِ نبویہ و روحانیہ میں تمام عالم سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں حضراتِ اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

۱۰۱ میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام کیا اور یہ بتایا ہے کہ یہ حدیث مستند اور معتبر ہے اور سات سندوں سے مروی ہے ہندو جن لوگوں سے اس حدیث و موضوع قرآنِ نبویہ سے قطعاً صحیح نہیں، خصوصاً کبریٰ ص ۷۰ ج ۱ اور علامہ قاری نے شرح شفا قاضی عیاض ص ۱۶۰ ج ۱ میں اس حدیث کو مستند اور ثابت قرآنِ نبویہ سے چنانچہ فرماتے ہیں۔ قرآن ابن وحیہ بعد ان اور دھندلہ سند ثابت قبل وھو اتوی فی الباب ۷

یعنی انبیاء کرام کے اجسام اہل جنت کی ارواح کی طرح نظیف اور لطیف اور پاکیزہ ہوتے ہیں جس طرح اہل جنت کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے وہ مشک و عنبر سے زیادہ پاکیزہ اور معطر ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام سے جو چیز نکلتی ہے وہ بھی مشک و عنبر کی طرح معطر ہوتی ہے یعنی انبیاء کرام کے اجسام کی فطرت اور حقیقت اور مزاجی کیفیت اور ساخت و پرداخت اہل جنت کے طور و طریق پر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے انبیاء کے اجسام مبارک وفات کے بعد اہل جنت کے ارواح اور اجسام کی طرح بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت آں حضرت ﷺ کے فضیلت اور بول و براز کی طہارت کی قائل ہے، (دیکھو شرح شفاء قاضی عیاض للعلامة القاری) ۱۔

حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے پچھنے لگو اے تو عبد اللہ بن زبیر کو حکم دیا کہ یہ خون کسی ایسی جگہ ڈال آؤ کہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے عبد اللہ بن زبیر اس خون کو پی گئے، جب واپس آئے تو آں حضرت نے دریافت فرمایا کہ اے عبد اللہ کیا کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ آیا ہوں کہ جہاں کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی، آپ نے فرمایا شاید تو نے اس کو پی لیا ہے افسوس۔ (اخرجہ ابن زبیر اور ابو یعلیٰ والطبرانی والحاکم والبیہقی) ۲۔ اور ام ایمن۔ اور ام یوسف کا بول نبوی پی جانا اور پھر ان کا کبھی بیمار نہ ہونا یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ ۳۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام اپنے باپ آدم علیہ السلام کے جسم مبارک کا نمونہ ہیں کہ جو جنت میں حق تعالیٰ کے دست قدرت سے پیدا ہوا اس لئے وفات کے بعد صحیح و سالم رہتے ہیں اور تغیرات ارضی سے محفوظ ہوتے ہیں جس طرح اہل جنت کے اجسام تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں گے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام بھی وفات کے بعد تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم کی اصلی اور محبوب ترین اولاد۔ انبیاء کرام ہیں اور حدیث میں ہے کہ الولد سر لایہ پس عجب نہیں کہ ما خلقت بیدی کے انوار و برکات اور بلاوا۔ طے دست قدرت سے تخلیق و تکوین کے آثار انبیاء کرام کو اپنے والد محترم حضرت آدم سے وراثت میں ملے ہوں اور جو چیز اصطفاء اور اجتناء کے لوازم میں

سے ہو اس کی توریث فقط مصطفین الاخیار کی حد تک محدود ہے اور سلامت اجساد انبیاء بعد الوفات اسی اصطفا، آدم کے لوازم میں سے ہو جس کی توریث خاص برگزیدہ بندوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہو آں حضرت ﷺ کے جسمانی خصائص کی تفصیل اگر درکار ہو تو شرح شفاء قاضی عیاض اور خصائص کبریٰ کو ملاحظہ فرمائیں۔

جو شخص حضرات انبیاء کرام کی جسمانی و روحانی خصوصیتوں کو پیش نظر رکھے گا اس کو اس امر میں ذرہ برابر شک نہ رہے گا کہ حضرات انبیاء اگرچہ ظاہراً جنس حیات میں عامۃ البشر کے ساتھ شریک ہیں لیکن درحقیقت اور در پردہ حیات انبیاء کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامۃ الناس کی حیات سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور تمام عالم کی بیداری کو ان حضرات کی بیداری کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہوتی ہے، یہ تو انبیاء کرام کی حیات اور بیداری کا کچھ حال عرض کیا۔ اور انبیاء کرام کے خواب کا یہ حال ہے کہ بحالت خواب انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل ان کے بیدار ہوتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں متعدد جگہ مذکور ہے اور بخاری شریف کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم انبیاء کا ناقض وضو نہیں۔

نوم النبی عند الامام الاعظم لا ینقض الوضوء حتماً فاعلم
اور حدیث میں ہے کہ:

ماشاء بنبی قط وما احتلم کسی نبی کو کبھی جمائی نہیں آتی اور نہ کسی نبی
قط کو کبھی احتلام ہوا

کیونکہ متاع و اور احتلام شیطان کے تلاعب سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام اس سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں!

اور انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَاَنْظُرْ مَا ذَا تُرِیْ اس کی صریح دلیل ہے یہ ناممکن ہے کہ انبیاء کرام کا خواب اضغاث احلام کے قبیل سے ہو اور اس ناچیز کا ایک شعر بھی ہے۔

خواب پیغمبر چون صبح صادق است وحی بیداری چو روز روشن است

حدیث میں ہے۔

وكان النبي صلى الله عليه وسلم اذا نام لم يوقظه حتى يسكون هو يستقظ لانا لا ندرى ما يحدث له في نومه۔ (بخاری شریف باب الصعيد الطيب وضوء المسيم من كتاب التيمم ص ۲۹ ج ۱ وقسطلانی ص ۳۶ ج ۱ وفتح الباری ص ۳۸ ج ۱)

صحابہ کرام کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب سویا کرتے تھے تو ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار ہوں، اس لئے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ خواب کی حالت میں آپ کو من جانب اللہ کیا چیز پیش آرہی ہے اور اس حالت میں آپ پر کیا وحی نازل ہو رہی ہے تو ہم آپ کو جگا کر اس وحی کے انقطاع کا سبب کیوں بنیں۔

موسیٰ علیہ السلام جب سو گئے تو حضرت یوشع نے فرمایا: اوقظه میں موسیٰ علیہ السلام کو جگاؤں گا نہیں۔ (بخاری شریف)

پس جس طرح حضرات انبیاء کی حیات اور ان کی بیداری اور ان کا خواب عامہ مؤمنین کے حیات اور بیداری اور خواب سب سے جدا اور ممتاز ہے اسی طرح سمجھو کہ انبیاء کرام کی وفات و ممات بھی عامہ مؤمنین کی وفات اور ممات سے جدا اور ممتاز ہے۔

حق جل شانہ نے اللہ یتوفی الأنفس حیث موتہا واللتی لم تموت فی منامہا میں۔ عامۃ الناس کی توفی کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے ایک توفی نوم۔ اور ایک توفی موت۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کی توفی منام عامۃ الناس کی توفی منام سے بالکل جدا اور ممتاز ہے، بوقت خواب عامۃ الناس کے قوائے حسیہ اور قوائے عسیہ معطل ہو جاتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام کے قوائے اور اکیہ بوقت خواب معطل نہیں ہوتے۔ ان حضرات کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتے ہیں یعنی ان حضرات کی غفلت بحالت خواب محض ظاہری ہوتی ہے اور باطنی طور پر اس میں بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرات انبیاء کی توفی موت۔ عامۃ الناس کی توفی موت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہے اور منام کی طرح ان کی وفات اور ممات ظاہری ہوتی ہے جس کے پردہ میں حیات مستور ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہی اعتقاد ضروری ہے اور لازمی ہے کہ وہ بمقتضائے بشریت سوتے ہیں لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان کا سونا ہمارے سونے کی طرح ہے بلکہ ان کے خواب میں بیداری مستور ہوتی ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہ اعتقاد ضروری اور لازمی ہے کہ حسب ارشاد باری کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ۔ حضرات انبیاء کو بھی موت عارض ہوتی ہے لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان حضرات کی موت ہماری موت کی طرح ہے اور جس طرح ہم موت کا مزہ چکھتے ہیں اسی طرح انبیاء نے موت کا مزہ چکھا ہے بلکہ ایسا اعتقاد سراسر خلاف ادب ہے جو بلاشبہ اپنے اندر گستاخی کو چھپائے ہوئے ہے، ہر شخص اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق موت کا مزہ چکھتا ہے

مرگ ہر ایک اے پسر ہر رنگ دوست پیش دشمن دشمن و بردوست دوست

خلق در بازار یکساں سے روند آں یکے در ذوق و دیگر درد مند

ہم چنیں در مرگ یکساں سے رویم نیم در خسراں و نیم خسر ویم

اور برابر و احرار کی موت کا یہ حال ہوتا ہے، جس کو عارف رومی نے بیان کیا ہے

ظاہر مرگ و باطن زندگی ظاہرش ابر نہاں پائندگی

حضرات عارفین کے اس قسم کے کلمات نقل کرنے سے صرف اتنا مقصود ہے کہ مولانا نانوتوی کی یہ تعبیر کہ انبیاء کرام کی وفات سائر حیات تھی بالکل یہ مزیل حیات نہ تھی۔ یہ ایسی تعبیر نہیں کہ جو محل انکار بن سکے۔

مولانا نانوتوی۔ آب حیات اور اپنے مکتوبات میں اس امر کا صراحت کے ساتھ ذکر فرماتے کہ حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ۔ انبیاء کرام کے حق میں نسبت موت کا اعتقاد ضروری اور لازم ہے کلام صرف اس کی نوعیت کی تعیین میں فرماتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جنس عام میں اشتراک کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ درجات اور مراتب اور صفات اور کیفیات میں بھی اتحاد ہو جائے۔ فرق مراتب بہر حال لازم ہے۔

گر فرق مراتب کنی زندگی

پس جس طرح انبیاء کرام کی نوم اور خواب میں اُن کی بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے، اسی طرح اگر انبیاء کرام کی وفات میں اُن کی حیات مستور ہو تو کیا استبعد ہے۔

حضرات اولیاء عارفین فرماتے ہیں کہ ممکنات موجود ہیں مگر ان کے وجود عارضی میں ان کا عدم ذاتی مستور ہے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں

بشناس کہ کائنات رودر عدم اند بل در عدم ایستاده ثابت قدم اند
ممکنات کا وجود کوئی حقیقی وجود نہیں محض ایک نمود بے بود ہے۔

کل ما فی الوجود وہم او خیال او عکس فی المرایا او ظلال
اور برائے نام ہماری یہ تہستی ہماری نیستی کا آئینہ ہے جس میں سے قدم قدم پر عدم چمکتا
ہوا اور جھلکتا ہوا نظر آتا ہے بخوان باب العلل۔ انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس وقت اس کو
اپنی حیات میں موت نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہ بیماری بمنزلہ آئینہ کے ہے جس میں سے
انسان کو اپنی موت نظر آتی ہے جہاں کوئی مجبوری اور لا چاری پیش آئی تو اسی وقت اپنی
قدرت حادثہ کے پردہ میں سے اپنا ذاتی عجز نظر آنے لگتا ہے اور جب کوئی دقیق اور غامض
مسئلہ سامنے آتا ہے اور عقل اس کے حل سے جواب دے بیٹھتی ہے تو اس وقت اپنے علم
حصولی حادثہ کے پردہ میں سے اپنا جہل ذاتی نظر آنے لگتا ہے۔

پس اگر اسی طرح کسی عالم ربانی اور عارف یزدانی اور چودھویں صدی کے ایک مولوی
معنوی یعنی مولانا نانوتوی کو اپنے نور بصیرت سے حضرات انبیاء کی وفات اور ممات کے پردہ
میں سے ان کی حیات ذاتی نظر آتی ہو تو کیا استبعاد ہے۔

اذالم تر الہلال فسلم لاناس راوہ بالابصار
موت اور حیات بیشک ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ایک ضد کا دوسری ضد کے تحت
میں مستور اور مغموں ہونا بارگاہ انبیاء اور اولیاء میں مسم ہے، عارف رومی فرماتے ہیں۔

در عدم ہستی برادر چوں بود ضد اندر ضد کے مکنون شود
اور مولانا روم نے مثنوی میں شرح و وسط سے اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے یُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ بَدَا إِلَى آخِرِهِ۔

بات لمبی ہو گئی۔ اس نابکار و ناہنجار کا تو یہ حال ہے کہ جب سلف صالحین اور علماء ربانین
کی حیات طیبہ اور ان کی پاکیزہ زندگی کا خیال آتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگانی۔
بمنزلہ موت کے ہے اور ہماری بیداری بمنزلہ خواب کے ہے یعنی ہماری یہ ناقص اور

مکدر حیات ہماری ممات کی ستر ہے اور ہماری اس برائے نام بیداری میں ہمارا خواب غفلت مستور ہے ہمارا حال تو یہ ہے:-

وَحَبَّرَنِي الْبَوَابُ اَنْكَ نَائِمٌ فَقُلْتُ اِذَا سَتِيقُظْتُ اَيْضًا فَنَائِمٌ
اور عارف رومی کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے:-

آزمودم مرگ من در زندگی است چوں رہم زیں زندگی پابندگی است

اقتلوننی اقتلوننی یا ثقات ان فی قتلی حیاتا فی حیات

یا منیر الخدیاروح البقاء اجتذب روحی وجُدلی باللقاء

امام قرطبی حیات انبیاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

يَحْصُلُ مِنْ جَمَلَتِهِ الْقَطْعُ بَانَ مَوْتَ الْأَنْبِيَاءِ اِنَّمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلَى
ان تمام دلائل سے اس امر کا علم یقینی اور قطعی حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے کہ ہم ان کا ادراک اور احساس نہیں کر سکتے اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع کا کوئی فرد ان کو دیکھ نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کو بطور کرامت اور خرق عادت بحالت بیداری اپنے کسی نبی کی زیارت سے شرف فرمائے۔

۱۴۹ ج ۲- از مجموعة رسائل سيوطي-

اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی اور علامہ زرقانی اور حافظ ابن قیم کے نزدیک بھی یہی حق ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے وہ بلاشبہ زندہ ہیں اگرچہ ہم اپنی آنکھوں سے اُن کی حیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے جیسے سونے والا زندہ ہوتا ہے مگر ہم کو اس کی حیات کا ادراک اور شعور نہیں ہوتا تمام حضرات محدثین کا یہی مسلک ہے۔

اور امام بیہقی نے جرح حیات الانبیاء کے اخیر میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام کی موت من کل الوجوہ موت نہیں بلکہ ان کی موت کی حقیقت صرف بیہوشی اور عدم احساس کا درجہ ہے۔

علامہ من وکی فیئس القدر ص ۱۹ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ موت کا اطلاق کبھی تعض عن الحوس والا دراک پر کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیدار ہونے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الدِّیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اَلِیْہِ النُّشُورُ کا پڑھنا آیا ہے اس حدیث میں اَحْیَانَا سے جگانا مراد ہے اور اَمَاتَنَا سے سوانا مراد ہے، موت کا اطلاق نوم پر کیا گیا ہے اور اسی طرح شیخ ابن عدنان مکی نے شرح کتاب اذکار میں لکھا ہے۔ (دیکھو شرح کتاب الاذکار) ۲

اور علامہ زبیدی نے شرح قاموس ۳ (مادہ موت) میں موت کے معانی اور اطلاقات پر مفصل کلام کیا ہے حضرات اہل علم شرح قاموس کی مراجعت فرمائیں۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام ختم کن واللہ اعلم بالسلام



ازواجِ مطہرات

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ
بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کو اہل ایمان
کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور
گاؤ ہے اور پیغمبر کی بیویاں مومنین کی محترم
مائیں ہیں۔

مومن کا وجود ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور اتصال سے ہے اس
لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہے۔
جیسا کہ ایک قرأت میں ہے کہ وہو اب لہم کہ وہ نبی بمنزلہ باپ کے ہے۔ اور
اس کی عورتیں عزت و احترام میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں۔

قَالَ تَعَالَىٰ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُ
كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ اِنْ اَتَقَيْتُنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ
قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ
وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْأُولَىٰ وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ
الرَّكُوعَ وَاطْعَنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
ط اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ
عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُم تَطْهِيرًا وَاذْكُرْنَ
مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ
اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللَّهَ كَانَ
لَطِيفًا خَبِيرًا ٤٠

اے پیغمبر کی عورتو! تم مثل اور عورتوں کے
نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو پس تمہارے
تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم بات کرتے
وقت نرمی سے کام نہ لینا مبادا کوئی دل کا
روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں
پڑ جائے اور کہو بات، بات کے طریقے
کے مطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی
جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو
اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں رہی
رہو۔ اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ
صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور

کردے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبردار ہے۔

فوائد و لطائف

(۱) امہات المؤمنین کا عظیم الشان لقب انھیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربہ سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اور اسی وجہ سے کہ ازواجِ مطہرات۔ مؤمنین کی محترم مائیں قرار دی گئی ہیں آپ حضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا کہا قال اللہ تعالیٰ:-

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَرْوَاحَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ تُبْذُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفَوُہُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کروا بہتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے اگر تم اس قسم کی کوئی شے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔

ایک باغیرت اور باحمیت انسان کے لئے یہ تصور ہی باعثِ ایذا اور موجبِ تکلیف ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد کسی اور کے نکاح اور زوجیت میں جائے اور ظاہر ہے کہ کائنات میں آپ حضرت ﷺ سے براہِ کون غیور ہو سکتا ہے۔

دوم یہ ہے کہ جب وہ امہات المؤمنین قرار دی گئیں تو پھر کسی کی زوجیت میں جانا ان کی شان اور مرتبہ کے خلاف ہے۔

سوم یہ کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً اور عرفاً ہر اعتبار سے قبیح اور مذموم ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ
مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ
كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ
سَبِيلًا۔

تم ان عورتوں کو نکاح میں مت لاؤ جن کو تمہارے آباؤ اجداد نکاح میں لا چکے ہیں مگر جو اس سے پیشتر ہو چکا سو ہو چکا۔
اسمیں شک نہیں کہ یہ نہایت بیجائی ہے اور خدا کے سخت غضب کا موجب ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً سے عقلی قبیح کی طرف اشارہ ہے یعنی عقلاً کھلی ہوئی بے حیائی ہے کہ باپ کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لایا جائے۔

اور مقتا سے شرعی قبیح کی طرف اشارہ ہے یعنی شرعاً یہ فعل نہایت مذموم ہے اور خدا کی سخت ناراضی کا سبب ہے۔

اور وَسَاءَ سَبِيلًا سے عرفی قبیح کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ طریقہ نہایت بُرا طریقہ ہے۔ براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں کو دیکھا کہ جھنڈا لئے جا رہے ہیں میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے جواب دیا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے آں حضرت ﷺ نے مجھ کو اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا تمام مال ضبط کر لوں۔ (رداء عبد الرزاق وابن ابی حنیہ و احمد والحاکم والبیہقی)

پس جبکہ جسمانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانا عقلاً شرعاً اور عرفاً ہر طرح قبیح اور مذموم ہے تو روحانی باپ یعنی پیغمبرِ روحی فداہ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کا تصور کس درجہ قبیح اور مذموم ہوگا۔

چہارم یہ کہ اگر عورت دوسرے شوہر کے سامنے پہلے شوہر کے کچھ مہی سن اور منقہ ذکر کرے تو دوسرے شوہر کو طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے جسمانی اور

روحانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کو سخت ممنوع قرار دیا تاکہ اپنے جسمانی اور روحانی باپ سے نسب میں کوئی سدورت نہ آنے پائے خصوصاً روحانی باپ یعنی پیغمبر سے کدورت تو کفر اور شقاوت کے مترادف ہے۔

پنجم یہ کہ ازواجِ مطہرات نے جو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہ کر خصوصاً عورتوں کے متعلق خصوصی احکام اور مسائل معلوم کیے ہیں وہ لوگوں تک بلاشبہ اور تردد کے پہنچ جائیں بالفرض اگر آپ کی وفات کے بعد دوسرے کی زوجیت میں جائیں تو ازواجِ مطہرات کی روایت سے سنن و اور وثائق میں طعنیں کولب گشتی کا موقع مل جائے گا۔

(۳) آیت تطہیر اصل میں ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق اس کے سے شہد عدل ہے جس کے سے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اول سے آخر تک خطاب ازواجِ مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ اَذْهَبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيراً۔ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گند کو دور فرما اور ان کو پاک کر جس طرح یہ لَمْ تَسْجُدْ لِبَيْتِيْ عَلٰى التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ وراصل مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔ اسی طرح آیت تطہیر دراصل ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل و اولاد بدرجہ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس کے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کا نزول ہی ازواجِ مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخر تک تمام خطابات ازواجِ مطہرات ہی کو ہیں۔ بلکہ اصل مقصد نے نعت یہ ہے کہ ازواجِ اصالت داخل ہوں اور ذریت تبعاً کیونکہ اہل بیت کے معنی نعت میں گھر والوں کے ہیں۔ اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اور فقط آل اصل میں اہل تھا اس لئے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعداد اور ترتیبِ نکاح

آپ کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہ۔ دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اور نو بیٹیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ قَالَ	ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ	اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ
وَسَلَّمَ مَا تَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ	اپنی کسی بیٹی کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا
نِسَائِي وَلَا زَوْجَتِ شَيْئًا مِنْ	جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کے
بَنَاتِي إِلَّا بُوْحَى جَاءَنِي بِهِ	پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں
جِبْرِئِيلُ عَنْ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ	آگئے۔ اس روایت کو نیشاپوری نے اپنی
أَخْرَجَهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدٍ	سند سے ذکر کیا ہے۔
النَّيْسَابُورِيُّ بِسَنَدِهِ	

ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالاجماع آپ ﷺ کی پہلی بیوی ہیں اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں۔ حضرت خدیجہ قبیہ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ سلسلہ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچکر آں حضرت ﷺ سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم و رواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

آپ کا پہلا نکاح ابوہلہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا

ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح و بلیغ تھے حلیہ نبوی کے متعلق مفصل روایت! انہی سے مروی ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائد مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ رہ گئیں۔

نفیسہ بنت منبہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں جب بیوہ ہو گئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا۔ لیکن جب آں رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ میں آپ سے آکر ملی اور کہا کہ آپ کو نکاح سے کیا چیز مانع ہے آپ نے فرمایا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اس فکر سے کفایت کیے جائیں اور مال اور جہل اور کفایت کی طرف آپ کو دعوت دی جائے یعنی پھر تو کوئی عذر نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ کون ہے۔ میں نے کہا۔ خدیجہ آپ نے قبول کیا۔

اصل وجہ یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت اور بعثت کا قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر آپ کی کرامتیں اور آپ کے ظہور کی بشارتیں ظاہر ہوتی جاتی تھیں کبھی علماء توریت اور انجیل کی زبان سے اور کبھی کانہوں سے اور کبھی ہوائف اور غیبی آوازوں سے توریت اور انجیل کا جو عالم آپ کو دیکھتا تھا یہی کہتا کہ یہی نو نہال اور یہی نو جوان وہ پیغمبر آخر الزمان ہونے والا ہے جس کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے پیشین گوئی کی ہے۔

حضرت خدیجہ کو ان واقعات کا خوب علم تھا۔ ابھی اپنے غلام میسرہ سے سفر شام کے واقعات اور راہب کا قصہ سن چکی تھیں بحیرا راہب کا قصہ اس اس سے پیشتر پیش آچکا تھا۔ ادھر ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل توریت و انجیل کے زبردست عالم تھے۔ نبی آخر الزمان کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کا مفصل واقعہ بعثت نبوی کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ان واقعات کی وجہ سے حضرت خدیجہ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا اور اسی اثنا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جاہلیت کی ایک عید میں مکہ کی عورتیں جمع ہوئیں اور ان میں حضرت خدیجہ بھی تھیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ یکا یک ایک شخص نمودار ہوا اور باواز بلند یہ ندا دی۔

انہ سیکون فی بلد کن نبی	اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب ایک
یقال لہ احمد فمن استطاع	نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا۔ جو عورت
منکن ان تکون زوجہ لہ	تم میں سے اس کی بیوی بن سکے تو وہ اس کو
فلتفعل فحصبہ الا خدیجہ	ضرور کر گزرے۔ سب عورتوں نے اس
فاغضت علی قولہ رواہ	ندادینے والے کے سنگریزے مارے مگر
المدائنی عن ابن عباس	حضرت خدیجہ نے کوئی سنگریزہ نہیں مارا
	بلکہ سنگر خاموش ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ کا قلب پہلے ہی سے اس سعادت کے حصول میں تمناؤں اور آرزوں کا جولانگہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس ہاتفِ غیبی کی آواز نے اور آتش شوق کو بھڑکا دیا۔

ابن اسحق کی ایک روایت ہے کہ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ جب سفرِ شام سے واپس آئے اور تمام حالات اور واقعات اور دستورِ راہب کی گفتگو بیان کی تو حضرت خدیجہ نے سنگر یہ فرمایا ان کان ما قال الیہودی حقا ما ذلک الا ہذا۔ اگر اس یہودی کا ہن کی بات سچی ہے تو پھر اس کا مصداق آپ ہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید میں عورتوں کے جمع ہونے کا واقعہ میسرہ کی واپسی سے پیشتر کا ہے۔ حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوا یا گیا تھا تا کہ ان کی طہارت و زاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کو امین کہلوا یا گیا۔ تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۃ خدا سمجھو۔ چونکہ خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی وَطَّهَّرْکَ وَاضْطَفَّاکَ عَلٰی نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ سے خاص حصہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ

اور مطہرہ خاتون کا میاں ان کی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ **الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ** سب کو معلوم ہے کہ نبوت و رسالت کوئی بادشاہت نہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم و دینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ الا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جاتے ”اگر ماند شے ماند شے دیگر نمی ماند“ ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولہا نہ سلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہو اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال و دولت عیش و عشرت زر اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر بایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشراف اور رؤساء مکہ کو باوجود ان کی تمنا اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دور بین اور دور اندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور پچھونے کو کنجواب اور زربفت کے لحاف پچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا۔ فقر و فاقہ کی تمنا ہے اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ مرنے کے بعد میرا مال عقل الناس (سب سے عاقل اور سمجھدار کو دیا جائے) تو مرنے کے بعد اس شخص کو دیا جائے کہ جو دنیا میں سب سے زائد زاہد ہو (کذا فی تنبیہ المغترین للشعرانی ص ۵۰) اس لئے کہ سب سے زیادہ عاقل وہی ہے کہ جو فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کرے اس سے زیادہ کون احمق ہوگا کہ جس نے آخرت کی لازول نعمتوں کو دیکر ایک جیفہ اور مردار کو خرید لیا، **وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ**۔

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتدا کی۔ اور رؤساء مکہ کی سرزوں کو خاک میں ملا دیا۔ بھلا جس مبارک خاتون نے دنیا ہی کے ٹھکرانے کا عزم باجزم کر لیا ہو تو وہ اپنا دنیا کو کہاں نظر میں لاسکتی ہے جب مال ہی سے کوئی علاقہ

نہیں رہا تو پھر اس کے فرزندوں سے کیا علاقہ کسی شریف اور رئیس کی ثروت اس خاتون کو اپنی طرف کب مائل کر سکتی ہے۔ کہ جو اپنی ہی دولت کو خدا کی راہ میں لٹانے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔

آپ نے اپنے شفیق چچا ابوطالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابوطالب معہ اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا (جو ابتداء کتاب میں گزر چکا ہے) اور پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی اور آں حضرت کی عمر ۲۵ سال تھی۔ مجلس عقد میں میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ ابوطالب جب خطبہ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصری تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے۔

ولیمہ

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب و قبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔

الحاصل

حضرت خدیجہ کی تمنا اور آرزو کا ابتدائی مرحلہ طے ہوا لیکن منزل مقصود (یعنی بعثت نبوی) ابھی دور ہے اور امید و بیم کی کشمکش اور انتظار کی بے چینی ہنوز بدستور ہے۔

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا۔ اور کہا

بانی وامی واللہ ما فعل هذا
النشیء ولكنی ارجوان تکون
انت النبی الذی ستبعث
فان تکن هو فاعرف حقى
ومنزلتی وادع الاله الذی
یبعثک لی قالت فقال لها
واللہ لئن کنت انا هو قد
اصطنعت عندی مالا اضعیعه
ابدا وان یکن غیری فان الاله
الذی تصنعین هذا لاجله
لا یضیعک ابدا۔
(باب تزویج النبی صلی اللہ
علیہ وسلم خدیجۃ وفضلہا)

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس فعل
سے میری کوئی غرض نہیں۔ مگر یہ مجھ کو امید
ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب
مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ
ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق
کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے
سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا
فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں
ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ
احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول
سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ
لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے
وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کریگا۔

زبیر بن بکار راوی ہیں کہ حضرت خدیجہ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ
کے متعلق دریافت کرتیں ورقہ یہ جواب دیتے۔

ما اراه الا نبی هذه الامۃ الذی
بشر به موسیٰ وعیسیٰ
میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی
حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت
دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے جا کر آپ کا حال بیان
کیا تو ورقہ نے ایک قصیدہ کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

هذی ۲ خدیجۃ تاتیننی لأخبرها ومالنا بخفی الغیب من خبر
بأن احمذ یاتینہ فبخبیره جبریل انک مبعوث الی البشر

۱ فتح الباری۔ ج ۷ ص ۱۰۰ ۲ ہذی کا اشارہ اصل خدیجہ کی طرف نہیں بلکہ اس شوق اور انتظار کی طرف ہے کہ
جس نے ان کو بے چین کر رکھا ہے ویسا کہ ان کا شوق و اضطراب ایک محسوس شے ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے

یہ خدیجہ بار بار میرے پاس آتی ہے کہ میں اس کو خبر دوں اور مجھ کو غیب کی خبر نہیں کہ جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیام لیکر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں

فَقُلْتُ عَلَى الَّذِي تَرْجِيْنِ يَنْجِزُهُ لَكَ اِلَّا لَهُ فَرَجِي الْخَيْرِ وَانْتَظِرِي

ورقہ کہتے ہیں میں نے خدیجہ کو جواب دیا کہ عجب نہیں کہ جس کی تو امید کرتی ہے اللہ اس کو پورا کرے تو اللہ سے خیر کی امید لگائے رکھ اور اس کی منتظر رہ (اصابہ ترجمہ ورقہ بن نوفل) ورقہ کے یہ اشعار مستدرک میں بھی مذکور ہیں حافظ ذہبی نے اس پر سکوت کیا ہے۔

ورقہ کے اور بھی قصائد ہیں جن سے ورقہ کے اشتیاق اور انتظار کا پتہ چلتا ہے

اولاد

انھیں کے بطن سے آپ کی چار صاحبزادیاں زینب۔ رقیہ و ام کلثوم و فاطمہ اور دو لڑکے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آئندہ آئے گا)

اولاد ذکور صغریٰ ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا۔ اور حجون میں دفن ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر میں اتارا نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی پچیس سال آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فضائل و مناقب

۱۔ بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا بنے آ رہی ہیں جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام

کہہ دیجئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیدیجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ اور اس محل میں نہ کوئی شور و غل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت تھی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے سن کر یہ جواب دیا۔

ان اللہ هو السلام وعلی
جبریل السلام وعلیک یا
رسول اللہ السلام ورحمة اللہ
وبرکاتہ وزاد ابن السنی من
وجه آخر وعلی من سمع
السلام الا الشیطان۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی قدوس اور سلام
ہیں یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے البتہ
اے جبریل آپ پر سلام ہو اور یا رسول اللہ
آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں
اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن
کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں
نازل ہو رہی ہیں۔ ابن سنی کی روایت میں
اس قدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو
جو اسکو سن رہا ہو سوائے شیطان کے۔

طلبہ حدیث اگر اس حدیث کے لطائف و معارف معلوم کرنا چاہیں تو فتح الباری (باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ وفضلہا) اور زرقانی شرح مواہب کی مراجعت کریں۔ چونکہ ان لطائف و معارف کا تعلق عربیت اور بلاغت سے ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کسی کو سلام کہلا کر بھیجنا یہ وہ فضیلت اور منقبت ہے کہ جس میں حضرت خدیجہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں،
۲۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے افضل یہ تین عورتیں ہیں۔ حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان تین میں کون افضل ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی ایک مرفوع روایت سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے۔
وہ روایت یہ ہے:

سَبْدَةُ نِسَاءِ الْعُلَمَاءِ مَرْيَمُ ثُمَّ فَاطِمَةُ ثُمَّ خَدِيجَةُ ثُمَّ أَسِيَّةُ قَالَ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ يَرْفَعُ الْأَشْكَالَ

تمام عالم کی عورتوں کی سردار مریم ہیں پھر فاطمہ اور پھر خدیجہ اور پھر آسیہ امراۃ فرعون۔ ابن عبد البر کہتے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے جس سے اشکال اٹھ جاتا ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو زرقانی شرح مواہب اور فتح الباری اور تفسیر روح المعانی ۲ کی مراجعت کریں۔

ام المؤمنین سودہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپ کے نکاح میں آئیں یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں انکا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سودہ بنت زیدہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ (سیرۃ ابن ہشام و عیون الاثر)

لوئی بن غالب پر پہنچکر آں حضرت ﷺ سے سلسلہ نسب ملتا ہے والدہ کا نام شمس بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے انصار میں سے قبیلہ بنی النجار کی تھیں۔ ابتداء نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے۔ جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹا عبد الرحمن نامی یادگار چھوڑا عبد الرحمن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولاء میں شہید ہوئے۔

آں حضرت ﷺ حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ ایک دن خولہ بنت حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام اسی سے تھا۔ خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں آپ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے

۱۔ زرقانی۔ ج ۲۔ ص ۲۲۳ ۲۔ سورۃ آل عمران کی اس آیت پامسرتکم إن اللہ اصطفاکم و طہرک واصطفاکم علی نساء العالمین کے تحت میں تفسیر روح المعانی کی مراجعت کریں

خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی بیٹی۔ نثہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو۔ خولہ اول سودہ کے پاس گئیں۔ اور کہا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا پیام دیکر بھیجا ہے۔ سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں۔ مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو۔ اور جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا خورہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر انعم ضبا کا کہا پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا خولہ ہوں۔ آپ نے مرحبا کہہ کر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا میں نے کہا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لیکر آئی ہوں۔ آپ نے سکر کہا ہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آں حضرت تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبد اللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے جب ان کو اس کا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی۔ جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آ جاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت ﷺ نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ سند اس کی حسن ہے۔

چونکہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کا نکاح قریب قریب ہی ہوا ہے اس لئے علماء سیر میں اختلاف ہے کہ کونسا نکاح پہلے ہوا صحیح اور رائج قول یہی ہے کہ حضرت سودہ کا نکاح پہلے ہوا اور چار سو درہم مہر قرار پایا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت سودہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ کی ازواج میں اٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کیے دیتی ہوں آپ ﷺ نے اس کو منظور فرمایا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلاق دیدی تھی۔ بعد میں رجوع فرمایا۔ واللہ اعلم۔

شکل و صورت

حضرت سودہ کا قد لانا اور بدن بھاری تھی۔ مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آں حضرت کو ہنساتیں۔ ۵۰ ذی الحجہ ۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ بسند صحیح)

بعض کہتے ہیں کہ ۵۳ھ میں وفات پائی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کو راجح قرار دیا ہے واللہ اعلم۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن لیہا

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضرت ابو بکر صدیق کی صاحب زادی ہیں والدہ ماجدہ کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی حضرت سودہ کے بعد یا متصل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں آں حضرت ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔

خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جا کر پیغام دیا۔ (جیسا کہ پہلے گذرا) ابو بکر صدیق نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کا پیام دیا تھا جسکو میں منظور کر چکا ہوں

وَاللّٰهُ مَا اخْلَفَ ابُو بَكْرٍ وَعِدَاقُطُ ۝ اور خدا کی قسم ابو بکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔

ابو بکر صدیق یہ کہہ کر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا تمہاری کیا رائے ہے مطعم کی بیوی نے ابو بکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین

۱۱۱ ص ۲۳ ج ۲ م رومان قدیم الاسلام ہیں اسلام لائیں اور آں حضرات کے دست مبارک پر بیعت کی اور جب صدیق اکبر ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تب ام رومان عبداللہ بن ابی بکر کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ گئیں مشہور قول یہ ہے کہ ۶ھ میں وفات پائی اور آنحضرت اکیلی نعش کو اتارنے کے لئے قبر میں اترے اور ام رومان بیٹے کے ماتے بمغفرت کی۔ تفصیل بیٹے اصحابہ ص ۴۵ ج ۲ ترجمہ ام رومان کی مراجعت کریں۔

میں نہ داخل ہو جائے۔ ابو بکر صدیقؓ مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا ابو بکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کر لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ ابو بکر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آں حضرت ﷺ جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔ ۹ سال آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال کی تھی اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازاوج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد۔ اور عبد اللہ بن عبد الرحمن اور عبد اللہ بن ابی عقیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبد اللہ ان لوگوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔

ابو سعید خدریؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت قریب میں گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کی طرف سے وحی لیکر نہ آگئے ہوں چنانچہ عائشہ صدیقہ کے نکاح میں بھی یہی صورت ہوئی۔ جامع ترمذی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابو بکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبریل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں یہ مضمون صحیحین کی روایتوں میں بھی آیا ہے۔

۱۔ زرقانی۔ ج ۳ ص ۲۲۹-۲۳۶ ۲۔ زرقانی۔ ج ۳ ص ۲۳۳

یہ عالم الغیب کا واقعہ ہے اس سے علم شہادت میں جو از تصویر پر استدلال کرنا سخت نعلطی ہے۔ احادیث متواترہ سے تصویر کی ممانعت اور اس کے بنانے والے پر لعنت روز روشن کی طرح ثابت ہے جو شخص حرام سمجھ کر اس معصیت کا ارتکاب کرے وہ گنہگار ہے اور جو شخص تصویر کو حلال جانے اس پر کفر کا اندیشہ ہے وقال اللہ تعالیٰ وقاتلو الذین یؤمنون باللہ والیوم الآخر ولا یؤمنون باللہ ورسولہ۔ الآیۃ

حضرت عائشہ اپنے باپ ابو بکر کی بیٹی تھیں۔ باپ کے فہم و فراست اور مقام صدیقیت سے خاص حصہ پایا تھا۔ ام رومان آپ کی والدہ تھیں جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حور عین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھ لے کما رواہ البخاری فی تاریخہ اس لئے خداوند ذوالجلال کی مشیت اور عنایت اس کی داعی ہوئی کہ اپنے پیغمبر کے یار غار و محب جاں نثار کی دختر نیک اختر کو لڑکپن ہی سے پیغمبر کی زوجیت اور تربیت میں دیدیا جائے کیونکہ لوح قلب ہنوز بالکل پاک اور صاف ہے کوئی باطل نقش ابھی تک اس پر نہیں کھینچا گیا خود بچپن کا زمانہ تو معصومیت کا زمانہ ہے ماں باپ کی طرف سے بھی کسی نقش باطل کا امکان نظر نہیں آتا۔ باپ تو صدیق ہے۔ رشک ملائک ہے۔ اللہ جل جلالہ کی دائمی معیت اس کو حاصل ہے۔ ماں ہے کہ وہ حور عین کا نمونہ ہے ایسی ایسی صاف و شفاف لوح پر۔ علم نبوت کا جو بھی نقش ہوگا وہ ایسا محکم اور پائیدار ہوگا کہ کبھی نہ مٹ سکے گا۔ چنانچہ ۹ سال کی مدت میں ایب وسیع اور عمیق علم حاصل ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد اکا بر صحابہ کو جب کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے۔ عہد صحابہ میں حضرت عائشہ کا علم اور تفقہ اور تاریخ دانی مسلم تھی۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ سے دریافت کرتے آپ کے یہاں ضرور اس کے متعلق کوئی علم دستیاب ہوتا۔ (رواہ الترمذی و صحیح)

علم

زہری فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المؤمنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔ اصحابہ ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا (رواہ الطبرانی)

عرب کی تاریخ اور واقعات ازبر تھے۔ اشعار بکثرت زبانی یاد تھے۔ جب کوئی بات پیش آتی تو کوئی شعر ضرور سنا دیتیں۔ کمارواہ ابوالزناد وغیرہ!

زہد

یہ تو علم کا نمونہ تھا اب ایک واقعہ زہد کا بھی سن لیجئے کیونکہ ترم فضائل و کمالات کا سرچشمہ دوسری چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا زہد یعنی دنیا سے بے تعلقی جس طرح دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی طرح زہد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی جڑ ہے اَللّٰهُمَّ زَهِّدْنَا فِي الدُّنْيَا وَرَغْبُنَا فِي الْآخِرَةِ آمِينَ یا رب العالمین وہ واقعہ یہ ہے۔

ام ذرہ۔ حضرت عائشہ کے پاس آتی جاتی تھیں۔ ام ذرہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بور یوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجے جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا، روزے سے تھیں جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لا کر رکھ دیا ام ذرہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا بیٹیں تو اچھا ہوتا۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور گرتی میں پیوند لگا ہوتا تھا۔^۲

انہی فضائل و کمالات کی بنا پر آپ حضرت ﷺ سب سے زیادہ حضرت عائشہ سے محبت رکھتے تھے۔ اگر محض باکرہ ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بھول جاتے۔ مگر آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ حضرت خدیجہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی کوئی جانور ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے پاس بدینہ گوشت بھیجتے۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اور حضرت عائشہ کے ہوتے ہوئے آپ نے آٹھ نکاح فرمائے۔ اور سب بیواؤں سے۔ معاذ اللہ اگر کوئی نفسانی خواہش ہوتی تو ایک بیوہ سے بھی نکاح نہ فرماتے۔ نیز حضرت ام سلمہ اور حضرت

صافیہ۔ حسن و جمال میں حضرت عائشہ سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اور احکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرستہ النساء کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اور گھر میں ازواج مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل ہو گیا۔ مگر عائشہ صدیقہ علم و فضل میں سب عورتوں سے سبقت لے گئیں۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد تمام عورتوں میں عائشہ صدیقہ سب سے افضل اور برتر مانی گئیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حق جل و علا نے اول یہ محاسن اور کمالات عائشہ صدیقہ کی فطرت میں ودیعت رکھے اور پھر اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ اس کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ آپ کی صحبت اور تربیت سے وہ فطری کمالات ظہور میں آئیں اور ان کے علم و فضل سے دنیا استفادہ کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکابر صحابہ آپ سے مستفید ہوئے۔

فاروق اعظم اور عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن حکیم اسود بن یزید، ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم نے آپ کی شاگردی کی۔ کیا ان حالات اور واقعات کے بعد بھی کسی طاعن اور معترض کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ معاذ اللہ یہ نکاح کسی نفسانی خواہش سے کیا گیا۔ خواہش نفسانی سے نہیں بلکہ حکم ربانی اور وحی آسمانی سے کیا گیا۔

فضائل و مناقب

۱۔ حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران۔ اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے۔ جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) آپ ﷺ نے میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۲) نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لیکر نازل ہوا اور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

(۳) اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

(۵) آسمان سے میری براءت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

(۶) میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔

(۷) جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۸) میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انھوں نے سن رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۹) انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

رواہ ابو یعلیٰ والہمز ار باختصار وفيه مجالہ وهو حسن الحدیث وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح

امّ المؤمنین حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن لیہا

حضرت حفصہ - حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مطعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ پہلا نکاح حنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر حنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ غزوہ بدر کے بعد حنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی سے مل کر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کر دیا۔ کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابو بکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں ابو بکر صدیق سن کر غمناک ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملاں ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا۔ اس کے بعد ابو بکر صدیق سے ملنا ہوا۔ حضرت ابو بکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس سے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا خود پیام دینے کا خیال ہے اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آں حضرت ﷺ حضرت حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کر لیتا مشہور اور رائج قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔
ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبریل علیہ السلام وحی لکیر نازل ہوئے۔

ارجع حفصہ فانہا صوامۃ
قوامۃ وانہا زوجتک فی الجنۃ
حفصہ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گذار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔

آپ نے رجوع فرمایا۔ (اخرجہ ابن سعد والطبرانی برجال الصحیح من مرسل قیس بن سعد) ۳

شعبان ۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت معاویہ کا زمانہ خلافت تھا مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی وفات کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے ہم نے مشہور قوں کو لے لیا ہے تفصیل کیلئے ترجمہ حصہ کی مراجعت کریں۔

ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ ملقب بہ ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب آپ کا نام تھا چونکہ آپ بہت نچی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں باپ کا نام خزیمہ بن الحارث ہلالی تھا۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا ۳۱ھ میں عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ غزوہٗ احد میں شہید ہوئے۔ عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا پانسودہم مہر مقرر ہوا نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آں حضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔

ام المؤمنین ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابو امیہ قرشی مخزومی کی بیٹی تھیں ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی (جس کا مفصل قصہ ہجرت کے بیان میں گزر چکا)

ابوسلمہ۔ غزوہٗ بدر اور غزوہٗ احد میں شریک ہوئے غزوہٗ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہو گیا۔ غرہٗ محرم الحرام ۴ھ آں حضرت ﷺ نے ابوسلمہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہو گیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الاخریٰ ۴ھ میں انتقال کیا۔

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول

اللہ ﷻ سے ایک حدیث منکر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا اللہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا مانگے۔

اللَّهُمَّ عِنْدَكَ احْتَسِبُ ۝ اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں
مصیبتی ھذہ اللّٰهُمَّ اخْلِفْنِي ۝ اجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا
فیہا بخیر منها ۝ نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ (رواہ مسلم والترمذی و ابوداؤد و نسائی)

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابو سلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں!

اں حضرت ﷺ نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند عذر پیش کیے:

(۱) میرا سن زیادہ ہے۔

(۲) میں عیالدار ہوں یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔

(۳) میں بہت غیور ہوں (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپ ﷺ نے یہ جواب دیا۔ میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (۲) یعنی وہ نازک مزاجی اور شک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی ہے چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور وہی ہوا۔ (عیون الاثر ص ۲۳۰۴ ترجمہ ہند بنت ابی لہیہ)

ماہ شوال ۲ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں مسند بزار میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔

ابن احق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بچائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی گئی۔

وفات

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۰ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصحابہ اور تقریب میں اسی قول کو رائج قرار دیا ہے۔ ازواجِ مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔ (اصحابہ ترجمہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ۲

ابو ہریرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ (اصحابہ ترجمہ ہند منت ابی امیہ)

پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتار اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ورحمۃ اللہ علیہما (استیعاب ترجمہ ہند بر حاشیہ اصحابہ)

فضل و کمال

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فضل اور کمال، حسن اور جمال فہم اور فراست، عقل اور دانائی مسلم تھی۔ حدیبیہ میں اس حضرت طفولہ میں نبی کو ہدیٰ ذبح کرنے اور حلق کرانیکا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدیٰ ذبح کی اور نہ سر منڈایا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا کہ یا رسول اللہ سب سے اس صبح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نفرمائیں۔ آپ اپنی ہدیٰ ذبح کر لیں اور حلق کر لیں چنانچہ آپ کا ہدیٰ ذبح کرنا تھا۔ کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر لیا اور حلق بھی کر لیا۔ یہ عقدہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔ فخر ابواللہ خیر۔

حسن و جمال کا یہ حال تھا۔ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ جب اس حضرت نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو مجھ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔

ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش۔ اس حضرت رضی اللہ عنہا کی پھوپھی امیمہؑ است عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی حضرت زید چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور اس حضرت رضی اللہ عنہا کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے نکاح کو اپنے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اس لئے اس حضرت رضی اللہ عنہا نے جب حضرت زینب سے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔
اس آیت میں مؤمن سے عبد اللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے متبنی بھائی مراد ہیں اور مؤمنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مؤمن اور مؤمنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کرے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر زید حضرت زینب کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے۔ اس لئے گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ اس حضرت رضی اللہ عنہا سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر اس حضرت رضی اللہ عنہا زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے اور کہتے کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے۔ اس لئے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ جب بار بار یہ جھگڑے اور قہصے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید

امیمہ بنت عبدالمطلب کے اسلام میں اختلاف ہے امام ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس کا نام ثابت نہیں

کیا۔ محمد بن الحنفیہ امیمہؑ کے نام میں لکھا ہے کہ اس کا نام امیمہؑ ہے۔ امیمہؑ زید بن حارثہ کی بیوی تھیں۔

نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی وجوہی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دینگے کہ اپنے بیٹے کی جو رو کو گھر میں رکھنا یہ یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ لے پا مک یعنی متبہنی کی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو متبہنی (منہ بوا بیٹا) بنالیں اس کی مطلقہ جو رو سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسم بد کو اس حضرت ﷺ کے فعل اور عمل سے توڑ دیں اور آپ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے صدق دینے کے بعد زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر اس حضرت ﷺ نے بد باتوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبہنی کی جو رو سے نکاح کر لیا۔ شرم کے مارے اس پیش گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائیگی۔ نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دہر میں مخفی رکھا اور تشریحی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو صدق نہ دے اور بیوی کی ب اعتنائی اور چہرہ دستی پر صبر کروا کر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ جراثیم نہ آئے اور قضاء و قدر میں یہ مقدمہ ہو چکا ہے تو فی الحال تشریحی حکم کا اتباع کرنا ہوگا۔ قضاء و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔

آخر کار ایک دن زید نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے تنگ آ کر زینب کو طلاق دیدی ہے آں حضرت خاموش ہو گئے۔

حضرت اس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو اس حضرت ﷺ نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ

کے نکاح کا پیغام لے کر نینب کے گھر گئے۔ اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ مگر یہ ان کا مال و رع اور مال تقویٰ تھا) اور کہا اے نینب مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دیکر بھیجا ہے حضرت نینب نے فی ابد یہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت انھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔

چونکہ حضرت نینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آں حضرت ﷺ کا نکاح حضرت نینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین پر بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبریل امین یہ آیت لیبر نازل ہوئے۔

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ۖ
زَوَّجْنَا كَهْلًا ۚ
پس جب زید نینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دیدی تو اے نبی کریم ہم نے نینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت نینب کے گھر تشریف لے گئے اور بد اذن داخل ہوئے (رواہ مسلم واحمد والنسائی فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ الْآيَةُ-۲)

ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جا کر نینب کو بشارت سنائے اور اذتقول لِّلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِلٰى آخِرِهِ خیر تک یہ آیتیں آپ ﷺ نے ہم پر تلاوت فرما میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ

حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب کے یہاں جانے سے پیشتر قصد کے ذریعے سے حضرت زینب کو اطلاع کرادی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں چنانچہ جس وقت حضرت زینب کو یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر ادا کیا۔ رواہ ابن سعد عن ابن عباس سند ضعیف ۲

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجہ بنا کھا۔ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت زینب کا اعلان کے بعد قوال اور مملأ اس کو قبول کر لینا اور سجدہ شکر بجالانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جا چکا تھا یہ رکی نکاح سے بڑھکر نکاح ہے گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام برہ تھا تو یہی کہا کہ میرا نام برہ ہے آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز کیا۔ (استیعاب ۱، ابن عبد البر ترجمہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اس واقعہ کے بعد منافقین نے زبان طعن و راز کی اور کہنے لگے کہ پیغمبر ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ بیٹوں کی عورتوں سے نکاح حرام ہے اور دوسری طرف خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد باطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَآ كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا یعنی محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں کسی کو ان کا بیٹا نہ جو نواہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس لحاظ سے وہ سب کے روحانی باپ ہیں اور سب ان کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور وہ آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا قصہ محققین کے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح ہم نے نقل کیا اور مخالفین اسلام اور بے دینوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نظر زینب پر پڑ گئی اور آپ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور یہ فرمایا سبحان اللہ

مقلب القدوب اور تخفی فی نفسک سے اس میں زینب کی محبت کا چھپنا مراد ہے۔ سو یہ قصہ منافقین کا کذب اور افتراء ہے۔ اہل ایمان کو ہرگز ہرگز اس پر یقین نہ کرنا چاہیے۔ یہ قصہ مدحدہ اور نادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں جمہور مفسرین نے اس قصہ کا موضوع اور کذب اور افتراء ہونا بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصہ بالکل بے اصل اور بے سند ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔ اس لئے کہ زینب آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھیں اور بارہا آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ سے کوئی پردہ نہ تھا اور نہ پردہ کا حکم اب تک ناز ہو تھا۔ اور حضرت زینب شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور آپ کے سامنے آتی تھیں تو کیا اس حضرت یمینہؓ نے حضرت زینب کو زید سے نکاح کے بعد ہی پہلی بار دیکھا تھا اور اس سے پہلے بھی نہ دیکھا تھا۔ اگر آپ کو ان کا حسن و جمال پسند تھا تو پہلے ہی زید سے کیوں نکاح کر دیا جس پر خود زینب اور ان کے ورثہ اور اولیاء بمشکل راضی ہوئے آپ نے خود ہی کیوں نہ ان سے نکاح کر لیا ان کے اعزاء اور اقارب آپ سے نکاح کو بڑی خوشی کے ساتھ منظور کرتے۔

آں حضرت یمینہؓ کی نزاہتِ نظر و طہارتِ بصر

نیز عقل اور نقل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اس کی بصر اور اس کی نظر طاہر اور مظہر اور پاک اور منزہ ہوتی ہے۔

فتح مکہ کے دن اس حضرت یمینہؓ نے چند آدمیوں کا خون بہا تا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑنا اور قتل کر ڈالنا۔ انہی لوگوں میں سے ایک عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور پر نور کی خدمت میں سیکر آئے اور بار بار عرض کیا کہ آپ ان سے بیعت سے میں یعنی ان کا قصور معاف کر دیں۔ آنحضرت یمینہؓ خاموش رہے آخر بڑے اصرار و ایح کے بعد ان کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش رہا کہ تم میں سے کون شخص اٹھ کر عبد اللہ کی گردن مار دے کسی انصاری نے عرض کیا یہ رسول اللہ آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا مَآ كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةٌ الْأَغْنَيْنِ۔ یعنی کسی

پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں۔ اس کی آنکھ سے کوئی خیانت سرزد ہو۔ کما قال تعالیٰ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ معلوم ہوا کہ نبی کی آنکھ خیانت سے پاک اور منزه ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اس کی آنکھ بھی معصوم ہوتی ہے نیز قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ غض بصر یعنی نامشروع چیز کے دیکھنے سے نگاہ کو پتلی رحمہ ایمان کے مقتضیات میں سے ہے اور نبی اکرم تو اَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ہیں جس طرح تمام عالم کا ایمان۔ آنحضرت ﷺ کے ایمان کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے اسی طرح تمام عالم کی نگاہوں کی عفت اور حیا اسی ذات قدسی صفات کی عصمت مآب اور نزہت جناب کی نزہت نظر اور طہارت بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

نیز آپ کا نفس قدسی صفات اور ملکی سمات تھا ہوائے نفسانی سے پاک اور منزه تھا۔ اور آپ کا ہمراہ یعنی شیطان جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ وہ آپ کا مسخر اور منقاد اور جبراً اقہرا مسلمان یعنی آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن چکا تھا۔ سوائے خیر کے کسی جانب اس کو میلان کی قدرت ہی نہ رہی تھی۔

آیت

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ کی تفسیر

ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ بد باطنوں کا یہ کہنا کہ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ سے نذیب کی محبت کا دس میں چھپانا مراد ہے۔ بالکل غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے یہ بتلایا تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد نذیب آپ کے نکاح میں آئے گی پس جو چیز آپ دس میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ”زوجنا ہما“ سے ظاہر فرما دیا اور ”تخشی الناس“ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے۔ کہ کسی کو یہ حکم دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ خشیت سے مراد شرمانا ہے یا ڈرنا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبان طعن دراز کریں گے یا لوگ بدمانی کر کے اپنی عاقبت خراب کریں گے

اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدین اور سدی سے مروی ہیں اور حکیم ترمذی نے اس روایت کی تحسین میں اطہاب (تطویل) فرمایا ہے۔ اور ان کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری تفسیر سورۃ الاحزاب میں اختیار فرمایا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدین کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال علماء نازحة الله عليهم وهذا القول احسن ما قيل في هذه الآية وهو الذي عليه اهل التحقيق من المفسرين والعلماء الراستخين كالزهري والقاضي بكر بن العلاء القشيري والقاضي ابي بكر بن العربي وغيرهم الخ قرطبي تفسیر سورة احزاب

ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہی ہے جو کہا گیا۔ اور محققین مفسرین، و علمائے راسخین جیسے امام زہری اور قاضی بکر بن ملا، قشیری اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہم سب کا یہی قول ہے جو ہم نے بیان کیا۔ ۲

۱ اصل عبارت یہ ہے جو اہل علم کے لئے بدیہ کرتے ہیں۔

وقد اخرج ابن ابی حاتم هذه القصة من طريق السدي مساقها سيقاً واصحاً ولعله بلغنا ان هذه الآية روت في ريد بن جحش وان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اراد ان يزوجها ريد بن حارثة مولاه فكرهت فالتى لم تنهز صبت بما صنع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فزوجها اياه۔ ثم اعلم الله عرو جل بيه صلى الله عليه وسلم بعلانها من ارجحه فكان يستحي ان يامر بطلاقها وكان لا يراد ان يكون بين ريد و ريد من الناس ان يعيوا عليه ويقولوا نروح امرأة به وكان قدسى ريداً وعنده من طريق عبي بن ريد عن علي بن الحسين ابن عبي قال اعلم الله تعالى بيه صلى الله عليه وسلم ان ريد مستكون من ارجحه قبل ان يتزوجها فبما اتاه ريد يشكوها اليه وقال له اتق الله وامسك عليك روجك قال الله تعالى فاجبرته ان يزوجها وتحمي عبي نفسك ما الله مبدية وقد اطب الترمذي الحكيم في تحسین هذه الرواية وقال انها من جواهر العلم المكتون وكان لم يقع على تفسير السدي الذي اوردته وهو اوضح سيقاً واصح اسناداً اليه لضعف علي بن ريد بن جده عن (ثم قال المحقق) ووردت آثار أخرى وقيل كثير من المعسرين لا يبيح التشاغل بها والذي اوردته منها هو المعتمد والحاصل ان الذي يحويه النبي صلى الله عليه وسلم كان يحمله عبي احماء فالتى حشية قول الناس نروح امرأة ابيه و اراد الله ابطال ما كان من الجاهلية عليه من احكام النبي بامره بلع في الاصل منه وهو نروح امرأة الذي يدعى ابا ووقوع ذلك من امام المسلمين يكون ادعى قبولهم وانما وقع الخط في تلويل متعلق الحشية والله اعلم۔ فتح الباری ص ۴۰۳ ج ۸ تفسیر سورۃ الاحزاب

تاریخِ نکاح

حافظ ابن سید اناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴۷ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵۷ھ میں آپ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

مہر

مہر چار سو درہم مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام)
ابن اہلق لکھتے ہیں کہ یہ نکاح حضرت زینب کے بھائی ابو احمد بن جحش نے کیا تھا۔
بظاہر یہ نرشتہ حدیث کے معارض معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ بعد میں نکاح بھی پڑھا گیا ہو
واللہ اعلم

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح مدینہ منورہ میں اپنی خاص وایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرما دیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بیوی سے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا۔ ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھائی۔ لوگ ہانا کھا کر چمے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے شدتِ حیا کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مبارکباد دی یہی بعد دیگر تمنا و ازواجِ مطہرات کے خجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاطِرِينَ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (احزاب: ۵۳)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جبکہ تم کو اذن دیا جائے کھانا کھانے کے لئے در آنحالیکہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا تو آ جاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے سے کوئی حجب نہیں اور اگر تم بی بیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

یہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایتوں کا مضمون ہے جسکو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

فضائل و مناقب

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات سے بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا۔ اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر کیا۔

(رواہ الترمذی وصحیح من حدیث انس)

یہ حقیقت میں فخر نہ تھا بلکہ تحدیث بالنعمة تھی۔ فرط مسرت اور منعم کی محبت اس عظیم اشان نعمت کے اظہار پر آمادہ کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسکو سنتے تھے۔ اور سکوت فرماتے تھے۔

شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

(۱) میرے اور آپ کے بعد ایک ہی ہیں یعنی عبدالمطلب۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب وہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

(۳) جبریل امین اس بارہ میں مساعی رہے۔

عن عائشة أنها قالت كانت زينب بنت جحش تساميني في المنزلة عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ومارأيت امرأة قط خيراً في الدين من زينب واتفق الله واصدق حديثاً وأوصل للرحم واعظم صدقة۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صدہ رحمی کرنیوالی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

اور زہری کی روایت میں اس قدر اور زیادہ ہے۔

واشدت بذلاً لنفسها في العمل الذي يتصدق به وتتقرب به الى الله عز وجل (استيعاب لابن عبد البر ترجمہ زینب بنت جحش)

اور نہ ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

ورع

منافقین نے جب ۷۰ صدیقہ پر تہمت لگائی (جس کا مفصل واقعہ پہلے ذکر چکا ہے) تو حضرت زینب کی بہن آمنہ بنت جحش بھی اپنی سادہ وحی سے اس میں شریک ہو گئیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے عائشہ صدیقہ کے متعلق حضرت زینب سے دریافت کیا تو حضرت زینب نے یہ جواب دیا۔

یا رسول اللہ احمی سمعی وبصری واللہ ما علمت علیہا الاخیرا رواہ البخاری ص ۳۶۵ ج ۱ کتاب الشہادۃ باب تعدیل النساء بعضہن بعضا

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور کان نے نہیں سنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اب تک میرا علم اور یقین ان کی بابت سوائے خیر کے کچھ نہیں۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت زینب۔ عائشہ صدیقہ کی سوکن تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ صدیقہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتا جس سے عائشہ صدیقہ کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے گرانے کا سبب بن سکتا لیکن ان کے کمال ورع اور کمال تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ سکوت ہی کر جائیں۔ بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرمایا واللہ ما علمت علیہا الاخیرا۔ یعنی خدا کی قسم میں نے تو عائشہ میں سوائے خیر اور نیکی کے کچھ جانا ہی نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف ان الفاظ میں مذکور ہے۔ فعصمہا اللہ بالورع یعنی اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینب بنت جحش کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

اور ایک روایت میں عائشہ صدیقہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ ا

وان اللہ عصمہا بالورع تحقیق اللہ تعالیٰ نے ورع کی برکت سے ان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

عبادت

عبادت کا خاص ذوق تھا نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت یا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زید آں حضرت ﷺ کا پیام لیکر گئے۔ فوراً نماز استسارہ میں مشغول ہو گئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مال فنی مہاجرین

پر تقسیم فرما رہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینب بول پڑیں۔ حضرت عمر نے جھٹک دیا۔
آں حضرت نے فرمایا اے عمر تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔

إِنَّهَا أَوَاهَةٌ ! تحقیق یہ بڑی آواہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا یہ رسول اللہ آواہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ آواہ کے معنی خاشع اور متضرع کے ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَإِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ (رواہ ابن عبد البر وغیرہ) ۱

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لگے اور حضرت عمر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دیکھتے ہیں کہ حضرت زینب نماز اور دعائیں مشغول ہیں آپ نے فرمایا۔

إِنَّهَا لَا أَوَاهَةٌ ۲ البتہ تحقیق یہ بڑی آواہ ہے یعنی بڑی نرم دل

ہے۔

رواہ الطبرانی واسنادہ منقطع وفیہ یحییٰ بن

عبد اللہ الباہلی وبہ وضعیف ۳

امام مومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زینب کے متعلق فرماتی ہیں۔

كانت صالحة صَوَّامَةً قَوَّامَةً
صَنَاعَاتٍ تصدق بذلك كله
على المساكين - (اصابه
ترجمہ زینب بنت جحش)
بڑی نیک اور بڑی روزہ رکھنے والی اور بڑی
تہجد گزار تھیں بڑی کمانے والی تھیں جو کمائی
تھیں کل کا کل مساکین پر صدقہ کر دیتی
تھیں۔

زہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں
کہ یہ سب ازواجِ مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے۔ بہ نسبت میرے وہ
زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا۔

۱۔ زر قالی۔ ج ۳ ص ۲۴۷ ۲۔ البتہ اور تحقیق اس تاکید اور حرف تحقیق یعنی لفظ ان کا ترجمہ ہے۔ اور لفظ "بڑی"
آواہ کی تائید کی توین تعظیم کا ترجمہ ہے۔ ۳۔ مجمع الزوائد۔ ج ۹ ص ۲۴۷

قالوا هذا كله لك قالت
سُبْحَانَ اللَّهِ وَاسْتَرْت دُونَهُ
بثوب
لوگوں نے کہا یہ سب آپ کا ہے حضرت
زینب نے فرمایا۔ سبحان اللہ اور اپنے اور
اس مال کے درمیان میں کپڑے کا ایک
پروہ ڈال دیا ہے (تاکہ وہ مال نظر نہ آئے
کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے)

اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اس پر ڈھاٹک دو
اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ۔ اور پھر مٹھی بھر کر فلاں کو
دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا۔ اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا
اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا
اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو
پچاسی درہم تھے جب مال سب تقسیم ہو چکا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اللهم لا يدركني عطاء عمر ! اے اللہ اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ
بعد عامی هذا ! پائے۔

چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ انتقال ہو گیا۔ رواہ ابن سعد (وابن الجوزی عن برزہ
بنت رافع، ۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھے۔
جو صرف ایک سال کے لئے ہوتا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس
آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

اللهم لا يدركني هذا المال ! اے اللہ یہ مال سال آئندہ میرے پاس نہ
من قابل فانه فتنة ! آئے تحقیق یہ بڑا فتنہ ہے۔

اور یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اقارب اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا حضرت عمر کو
جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور

۱۔ حافظ مستدانی نے برزہ بنت رافع کے ترجمہ میں اس روایت کو منسلک سند کے ساتھ لکھا ہے۔ ص ۲۵۲ ج ۴ قسم
نامت ترجمہ برزہ بنت رافع ص ۲۴۸ ج ۳ ص ۲۴۸ ج ۳ کتاب
الزکوٰۃ باب فضل صدقہ الشیخ الحداد کے ایک باب جلد ۱ ص ۱۰۱ تفصیل مطالعہ کریں۔

بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کیئے اور سلام کہہ کر بھیج کر وہ (بارہ ہزار تو) آپؐ خیرات ردیئے۔ یہ ایک ہزار آپؐ اپنی ضرورتوں کیلئے رکھ لیں حضرت زینبؓ نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ (اصحاب ترجمہ ام المؤمنین زینب بنت جحش)

وفات

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنی ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے وہ ملے جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانا ہوگا۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوئیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کر تیں کہ کس کا ہاتھ لانا ہے۔ حضرت زینبؓ جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینبؓ کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لانا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے مائی تھیں و باغت کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات ردیتی تھیں۔ کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ نابا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ ردینا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو کا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمرؓ کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینبؓ نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

(خرید بن سعد)

عمرہ کہتی ہیں کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہو گیا تو میں نے عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے سنا۔

لقد ذهبت حميدة متعبدة
مفزع الیتامی والارامل
افسوس آج ایسی حور ت گزر گئی جو بڑی
پسندیدہ اوصاف و ان اور عبادت گزار اور
قیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی۔

کن میں ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی

انتقال کے وقت پچاس یا تیرہ سال کی عمر تھی اور جس وقت آنحضرت ﷺ سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ (ص ۱۴۳ ج ۳ ترجمہ زینب بنت جحش رحمہ اللہ)

مسئلہ حجاب پر ایک اجمالی نظر

تمہ حضرات انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور پھر تمام حکماء عالم اور دنیا کے تمام اہل عقل و اہل غیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا ایک بدترین جرم ہے کہ جو غیرت اور ناموس کے لئے ایک عظیم عار ہے اور اخلاق ذمیرہ اور افعال شنیعہ کا سرچشمہ ہے اور ایک طرف یہ مشاہدہ ہے کہ عورتوں کے دیکھنے سے مردوں کے دلوں میں اُن کی شیفتگی اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح عورتوں کو مردوں کو دیکھنے سے عورتوں کے دل میں مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ جو بس اوقات بغیر جہیز طریقہ (یعنی بغیر نکاح کے) قضاء شہوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور طرفین کی عزت و ناموس اور حسب و نسب کی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں جو کچھ پیش آرہا ہے وہ بیان سے مستغنی ہے۔ ”می باید دید و دم نمی باید زد“ لہذا حکمت اور غیرت کا مقتضی یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے اس لئے شریعت مطہرہ نے زنا سے حفاظت کے لئے احکام صادر کیے۔

- (۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى ۚ
- اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور زنا نہ
- جاہلیت کی طرح زینت کر کے باہر نہ نکلو۔
- (۲) اور اگر گھر میں بیٹھے بیٹھے غیر مرد سے بات چیت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا حکم یہ ہے۔

لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ

یعنی اگر تم کو نامحرم مرد سے بات کرنے کی

الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا

ضرورت ہو تو نزاکت اور نرمی کے ساتھ

بات مت کرو مبادا جس کے دل میں

شہوت کی بیماری ہو وہ تمہارے اندر طمع

لگا بیٹھے اور بات کرو سیدھی۔

(۳) یہ حکم تو عورتوں کو جو امردوں کو یہ حکم ہوا۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا
فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ
ذَالِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَ
قُلُوبِهِنَّ

اور اے مردو جب تم عورتوں سے کوئی چیز
مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو یہ خصلت اور
سوال کا یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں
کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۳) اور مردوں کو یہ حکم دیا کہ کسی غیر عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
يَغْضُؤْنَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ

(۵) شریعت نے عورت کی اذان اور اقامت اور اس کی امامت کو ممنوع قرار دیا۔

(۶) عورت کا جہری نماز میں جہرا پڑھنا ممنوع قرار دیا۔

(۷) عورت کاج میں آواز کے ساتھ لبیک کہنا ممنوع قرار دیا۔

(۸) جوان عورت کا نام محرم مرد کو محض سلام کرنا ناجائز قرار دیا۔

(۹) لائحہ عورت سے بدن دیوانے کو ممنوع قرار دیا۔

(۰) آئینہ یا پانی میں جو اجنبیہ کا عکس پڑتا ہو اس کا دیکھنا ممنوع قرار دیا۔ اسی بناء پر عورت کے فوٹو کا دیکھنا اور بھی ناجائز ہوگا۔ کیونکہ پانی کے عکس سے فوٹو کا دیکھنا زیادہ باعث فتنہ ہے۔

(۱۱) اجنبی عورت کے تذکرہ کو بطور لذت ممنوع قرار دیا۔

(۱۲) احبہ عورت کے تصور سے لذات لینے کو حرام قرار دیا۔

(۱۳) حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی ہی بیوی سے متمتع ہو اور تصور کسی لہیبہ کا کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

(۱۴) اجنبی مرد کے سامنے کا پی ہوا طعام عورت کے لئے استعمال کرنا اگر بطور لذت ہو تو مکروہ ہے۔ اور علی ہذا اس کا عکس یعنی عورت کے سامنے کا پی ہوا کھانا مرد کے لئے مکروہ ہے۔

(۱۵) لاجبیہ سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ممنوع قرار دیا۔ جیسا کہ بعض جاہل پیر عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ عورتوں کو بیعت کیا جائے تو ان کی بیعت میں وَرَاءَ الْحِجَاب (پس پردہ) سے ہوگی اور زبانی ہوگی دست بدست نہ ہوگی اہل عقل اور اہل غیرت۔ غور فرمائیں کہ زنا سے تحفظ اور عزت و ناموس کی حفاظت کا

اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے جو شریعت نے بتادیا۔ ہندوستان کی شرم و حیا، عفت و غیرت ضرب المثل تھی۔ ان دلدادگانِ تہذیبِ جدید نے اپنے لیکچروں سے اس پر پانی پھیر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حدیثِ نبوی

حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ایک طویل خطبہ مذکور ہے جس کا ایک جواہر پارہ یہ ہے
النِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّيْطَانِ۔ (دیکھو فیض القدر ص ۷۷ ج ۲)

یعنی عورت شیطان کا ایک جال ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کا شکار کرتا ہے جال میں پھنسا کر اس کی شہوت پرستی کا تماشا لوگوں کو دکھاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے

امش وراء الاسد ولا تمش : شیر کے پیچھے چل لینا مگر کسی عورت کے
وراء المرأة : پیچھے نہ چلنا۔

یعنی شیر کے پیچھے چلنے میں اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ عورت کے پیچھے چلنے میں خطرہ ہے اور بعض حکماء کا قول ہے۔

ایاک ومخالطة النساء فان : عورتوں کے اختلاط سے اپنے آپ کو بچنا
لحظات المرأة سہم ولفظها : عورت کی نظر ایک تیر ہے اور اس کی بات
سہم (فیض القدر ص ۷۷ ج ۲) : سم قاتل یعنی نکلیا ہے۔

حجاب کے فوائد اور بے حجابی کے مفسد

شریعت اسلامیہ نے حجاب کا حکم دیا۔

(۱) تاکہ زنا سے حفاظت ہو جائے (۳) اور تاکہ عفت و تابِ خواتین کا چہرہ اوہانوں کی ناپاک نظروں سے محفوظ ہو جائے (۳) اور تاکہ ان کے حسب و نسب پر کسی قسم کا داغ نہ آنے پائے کہ کوئی بد باطن ان کی اولاد میں شک اور شبہ نہ ڈال سکے کہ یہ ان کی اولاد نہیں اور باپ

یقین کے ساتھ یہ بہہ سکتا ہے یہ میری بیٹی ہے بے پردہ عورت کی ادا کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ادا اسی کے شوہر کی ہے۔

مغربی ملک کو دیکھ لیجئے کہ وہاں بے پردگی اور اختلاط مرد و زن سے زنا اور اولاد زنا کی جو کثرت ہے وہ بیان سے باہر ہے عیسائیوں راجہ بیان اسی بے پردگی کی وجہ سے یورپ میں زنا کی اس قدر کثرت ہوئی ہے کہ اس کو صحیح النسب کہنا بہت مشکل ہے (۴) اور تا کہ مرد و عورت کا دل۔ شیطان کے وسوسوں سے پاک اور ستھرا رہے۔ جب مرد و عورت ایک دوسرے کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تب شیطان کو دل میں بُرے خیالات ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔ (۵) اور تا کہ عورت کی عفت شوہر اور خاندان کی نظروں میں شبہ اور تہمت کے واہمہ سے بھی پاک رہے مرد جب یہ دیکھے گا کہ اس کی بیوی یا بہن یا بیٹی۔ کسی سے ہمکلام ہو رہی ہے تو اُس عقل اور غیرت والا ہوگا تو تبتلا اٹھے گا۔ اور بے عقل اور بے غیرت سے ہمارا کوئی خطاب نہیں اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے بے غیرتوں کا چہرہ نہ دکھلائے۔ آمین ثم آمین

ایسے بے غیرت لوگوں سے پردہ تو عقلاً واجب معلوم ہوتا ہے اور ایسوں کی صحبت اور مجالست عقلاً و شرعاً دونوں ناجائز ہے۔

حکایت

ابلیس لعین کا لوگوں کے پھنسانے کے لئے حق تعالیٰ سے دامِ محکم (مضبوط جال) دیئے جانے کی درخواست کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے مختلف جالوں کا اس کے سامنے پیش ہونا۔ اور اخیر میں عورتوں کے دام اور جال کے پیش ہونے سے ابلیس کا خوش ہو جانا اور جوش مسرت میں اس کا اچھل جانا اور نا چنا اور رقص کرنا۔

عارفِ ربی قدس اللہ سرہ السامی مثنوی کے دفتر پنجم میں فرماتے ہیں

گفت ابلیس لعین دادار را

دام زفتے خواہم این اشکار را

ابلیس لعین جب بارگاہِ خداوندی سے راندہ درگاہِ ہوا و قسم کھائی فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ الْمُخْلَصِينَ یعنی قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں البتہ ضرور گمراہ کروں گا ادا دہم کو اور ان کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رہوں گا۔

مگر تیرے خالص اور چیدہ اور برترزیدہ بندوں کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا۔ بعد ازاں ابلیس عین نے خدائے عاقل سے یہ درخواست کی کہ مجھے انسان کا شکار کرنے کے لئے ایسا مضبوط جال درکار ہے کہ جس میں پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے حق تعالیٰ شانہ نے شیطان کے سامنے مختلف جال پیش کیے

زروسیم وگلہ اسپش نمود

کہ بدیں تانی خلایق را زبود

حق تعالیٰ نے سب سے پہلے شیطان کے سامنے سونے اور چاندی اور گھوڑوں کے گلہ کا جال پیش کیا اور یہ چیزیں دکھلا کر فرمایا کہ تو ان چیزوں کے ذریعے سے لوگوں کو پھانس سکتا ہے۔

کیونکہ لوگ بالطبع ان چیزوں کی طرف مائل ہیں ان چیزوں کے ذریعہ انسان کا شکار کرنا اور جال میں پھنسانا آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ زینَ لِنَاسٍ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْبِ

گفت شہاش وترش آویخت لہج

شد ترنجیدہ وترش ہچوں ترنج

شیطان نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہاں یہ سیم وزر کا جال اچھا ہے مگر ترنج کی طرح تلخ اور ترش رہو گیا اور ترشی سے ہونٹ لٹکایا۔

پس جواہر ہا زمعد نہائے خوش

کرد آں پس ماندہ راحق پیش کش

جب شیطان نے سیم وزر کے جال کو پسند نہ کیا تو حق تعالیٰ نے اس راندہ درگاہ کے سامنے کانوں کے بیش بہا جواہرات کا جال پیش کیا۔

گیراں دام وگر را اے لعین

گفت زیں افزوں وہ اے نعم المعین

اور جواہرات سامنے کر کے یہ فرمایا کہ اے لعین یہ دوسرا دام ہے جا اسے بجا شیطان نے

کہا اے نعم المعین (بہترین مددگار) اس سے بڑھ کر اور بہتر جال عطا فرمائیے سیم و زر کی طرح جواہرات کا جال بھی پورا مضبوط نہیں۔

چرب و شیرین و شرابات و شمیم
دادش و پس و جامہ ابر و شمیم

بعد ازاں حق تعالیٰ نے اس کو چرب اور شیریں کھانے اور آتش شراب اور قیمتی ریشمین کپڑے دکھلائے کہ اچھا اس جال کو لیلے۔

گفت یارب بیش ازین خواہم مدد
تا بہ بندم شان کجبل من مسد

شیطان بولا۔ اے مولا اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں تاکہ بنی آدم کو ایسی مضبوط رستی میں باندھوں کہ وہ اس کو توڑ نہ سکیں اور توڑ کر تیرے دروازہ کی طرف نہ دوڑ سکیں۔

تا کہ مستانت کہ ترو پردل اند
مرد وارا این بند ہارا بکسلند

تا بدیں دام و رسنہائے ہوا
مرد تو گردد نامرداں جدا

ابستہ جو لوگ تیری شراب محبت سے مست ہیں۔ اور وہ واقع میں مرد میدان ہیں انکے دل تیری محبت سے ہریز ہیں وہ مرد نہ وار میری ان رسیوں اور بندھنوں کو توڑ کر پھینک دیں گے۔ اور سونے اور چاندی اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف التفات نہ کریں گے۔ کما قال تعالیٰ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ اور اہل دنیا ان ہو او ہوس کے پھندوں میں پھنسیں گے۔ اور اس طرح تیری راہ کے جو نامرد نامردوں سے جدا اور الگ ہو جائیں گے۔ اس لیے میں مضبوط جال چاہتا ہوں کہ مرد نامردوں سے جدا اور ممتاز ہو جائیں۔

دام دیگر خواہم اے سلطان بخت
دام مردانداں و حیلست ساز سخت

اے خداوند عالم میں اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں کہ جو مردوں کو بھی ایسا جز کرنے والا ہو کہ انکا کوئی حیلہ اور تدبیر کارگر نہ ہو سکے۔

خمر و چنگ آورد پیش اونہاد
نیم خندہ زودباں شد نیم شاد

حق تعالیٰ نے اس کے بعد شیطان کے سامنے ایک اور چال پیش کیا وہ یہ کہ شراب اور چنگ و رباب کا سامان اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس سامان کو دیکھ کر شیطان آدھا ہنسا اور آدھا خوش ہوا اور کچھ مُسکرایا اور سمجھ کہ یہ چال بھی اہلک اور فساد دہائی کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے اس سے بڑھ کر چال کی درخواست کی۔

سوئے اضلال ازل پیغام کرد
کہ برآراز قعر بحر فتنہ کرد

نے یکے از بند گانت موسیٰ است
پردہا در بحر اواز گرد بست

آب از ہر سو عنان راوا کشید
از تگ دریا غبارے شد پدید

اور حق تعالیٰ سے اضلال ازلی کی استدعاء کی اور کہا کہ دریاۓ فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا دیجئے تاکہ اہل ہوا و ہوس دریاۓ فتنہ کو خشک جھک کر اس میں قدم رکھیں اور قبطیوں کی طرح اسمیں غرق ہوں۔ جس طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو خشک کر دیا اور سمندر میں گرد سے دیواریں قائم کر دیں۔ اور پانی ہر طرف سے سمٹ کر آ گیا۔ اور دریا کی گہرائی سے غبار بلند ہونے لگا۔ اسی طرح میرے لئے بھی دریاۓ فتنہ کو خشک کر دے۔ اور اس کو میرے زیر فرمان بناد دیجئے کہ جو فتنہ چاہوں اس کی گرداڑ اسکوں اور او را آدم کو ہلاک کر سکوں۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کے اسم ”ہادی“ کے مظہر تھے۔ اور میں اسم ”مُھل“ کا مظہر ہوں۔ جس طرح آپ نے ان کی اتمام ہدایت کے لئے دریاۓ نیل کو خشک کر کے گمراہوں کو غرق کیا۔ اسی طرح میرے لئے اتمام اضلال کے لئے دریاۓ فتنہ کو خشک کر دیجئے۔ اور دریاۓ فتنہ کو میرے لئے مسخر کر دیجئے تاکہ کار اضلال مکمل ہو سکے۔ اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہدایت کا کام پورا ہوا۔ مجھ سے ضدلت (گمراہی) کا کام پورا ہو سکے۔

(ف) شاید ابلیس۔ کو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا قبل از وقوع جو علم ہوا وہ غالباً وح محفوظ سے دیکھ کر ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

دام محکم وہ کہ تاگرد تمام
والقلم در کام ایشان چوں لجام
در کند آرم کشم شاش کش کشاں
تا کہ نتوانند سر پیچہ ازاں
ابلیس نے کہا اے پروردگار کوئی ایسا محکم جل دیجئے کہ جس سے معاملہ ہی ختم ہو جائے
اور کام ہی تمام ہو جائے اور میں ان کے منہ میں اس کو گام کی طرح گادوں۔ اور اپنے جال
میں پھنس کر ان کو جدھر چاہوں کھینچتا پھروں اور وہ اس سے سر نہ پھیر سکیں۔ اور باز اوروں اور
گلیوں میں انکو لئے لئے پھروں تا کہ دنیا ان کی شہوت رانی کا خوب تماشا دیکھ سکے۔

چونکہ خوبی زناں با او نمود
کہ عقل و صبر مرداں می ربود
شیطان جب کسی جاں سے بھی پورا خوش نہ ہوا تو حق جل شہ نے اخیر میں عورتوں کا
حسن و جمال اس کو دکھایا کہ جو مردوں کی عقل اور صبر کو لے بھ گئے واپس لے آتا تھا اور فرمایا کہ اچھا یہ
جال لیجا۔ اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر اور دریائے فتنہ کی گہرائی سے سرد و غبار اڑا۔

پس زوانگشتک برقص اندر فساد
کہ بدہ زودتر رسیدم بر مراد
پس جس وقت عورتوں کے حسن و جمال کا جال شیطان کو دکھایا گیا تو رقص کرنے لگا۔
اور ناپنے لگا اور چشیاں بجانے لگا اور عورتوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہی وہ
دریائے فتنہ ہے کہ جس سے کوئی صحیح سالم بچ کر نہیں گزر سکتا اور بول کہ اے پروردگار یہ جال
مجھ کو جلد دے دیجئے پس میں اپنی مراد کو پہنچ گیا لوگوں کے پھانسنے کیلئے یہ بہترین جال ہے
اور آگے اسی جال کے حال کا بیان ہے۔

چوں بدید آں چشمہائے پُر خمار
کہ کند عقل و خرد را در خمار

جب اس لعین نے دیکھا کہ عورتوں کی آنکھیں ایسی پر خمار ہیں۔ کہ عقل و خرد پر خمار (پردہ) ڈال دیتی ہیں۔

واں صفائے عارض آں دلبراں
کہ بسوزد چوں سپند این دل براں
اور اس نے دیکھا کہ ان حسین و جمیل دبروں کے رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو حزل
کے مانند جلا کر رکھ دیتی ہے پسند حزل کو کہتے ہیں جس کو بطور بخور آگ میں ڈال کر جلاتے ہیں۔
روو و خال و ابرو و لب چوں عقیق
گویا خورتافت از پردہ رقیق
اور دیکھا کہ ان کا چہرہ اور خال اور ابرو اور عقیق کے مانند سرخ لب ایسے چمک رہے ہیں
جیسے آفتاب باریک پردہ سے چمک رہا ہو۔

قد چوں سرو خراماں در چمن
خدا ہچوں یا سمین و نستر
اور دیکھا کہ قد و قامت ایسا ہے جیسا کہ سرو چمن میں جھومتا ہو اور رخسار گل یا سمین اور
نستر کی طرح ہے۔

چوں کہ دید آں غنچ برجست اوسبک
چوں تجلی حق از پردہ تنک
جب ان سے یہ ناز و ادا دیکھے تو اُچھل پڑا اور سمجھا کہ گمراہ کرنے اور دوسوسہ کا بہترین
جال ہے اور دراصل یہ باریک پردہ میں سے جمال کبریائی کا ایک پرتو تھا۔ اہل معرفت اور
ارباب حقیقت نے اس فانی اور مجازی حسن و جمال کبریائی کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ عالم
میں جہاں کہیں بھی حسن و جمال ہے وہ اسی نور اسموات و اراض کے حسن و جمال کا ایک ادنیٰ
سکس اور پرتو ہے اور عالم کا ہر ہر ذرہ اسی کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ امر کہ کس
آئینہ کی طرف نظر کرنا جائز ہے اور کس آئینہ کی طرف دیکھنا ناجائز ہے یہ حضرات انبیاء کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بتایا۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی زوجہ کے حسن و جمال کی طرف تو نظر
کرنا جائز ہے مگر دوسرے کی زوجہ کے حسن و جمال کی طرف تو نظر اٹھا کر دیکھنا قطعاً حرام ہے

حق تعالیٰ نے جو آئینہ تم کو دیا ہے اسکو دیکھو۔ دوسرے کے آئینہ کی استعمال کی اجازت نہیں
حق تعالیٰ نے جو آئینہ تم کو دیا ہے صرف تم کو اس کے استعمال کی اجازت دی ہے اور اس کی
اجازت نہیں کہ تم اپنا آئینہ دوسرے کو دکھلا سکو۔ چہ جائیکہ دے سکو۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی
بیٹی اور بہن کی طرف چشمِ شفقت سے دیکھنا تو جائز ہے۔ اور چشمِ شہوت سے دیکھنا ناجائز ہے
اور اپنے بیٹے کے حسن و جمال کو بنظرِ محبت دیکھنا جائز ہے اور غیر کے لڑکے کے حسن و جمال کو
دیکھنا زیرِ غور اور زیرِ نظر ہے جو شخص دوسروں کی بیوی بیٹی اور بہن کی طرف دیکھنے کو جائز قرار
دیتا ہے وہ درپردہ دوسروں کو اپنی بیوی اور بہن کی طرف دیکھنے کی اجازت اور دعوت دیتا ہے
جس پر کسی غیور کی غیرت ایک لمحہ کے لئے بھی راضی نہیں۔

عالیٰ شد والہ وحیران و دنگ

زاں کرشم و زاں دلال نیک شنگ

عورتوں کے ان کرشموں اور ناز و ادا اور شوخیوں کو دیکھ کر ایک دنیا مست و حیران اور دنگ
رہ گئی۔ اس لئے شیطان کو سب سے زیادہ یہی جال پسند آیا۔ کہ گمراہ کرنے اور پھانسنے کا اس
سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ (حکایت ختم ہوئی)

(مثنوی دفتر پنجم صفحہ ۳۱۳ مطبوعہ نوز شورشکھنؤ۔ مثنوی دفتر پنجم ص ۸۴ مطبوعہ کانپور)

حکایت مذکورہ کی اردو نظم

منقول از پیراہن یوغی اردو ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم مصنفہ مولانا محمد یوسف علی شاہ
صاحب گلشن آبادی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبعہ نوز شورشکھنؤ

عرض کی ابلیس نے اللہ سے

دام دے اس صید کا بھاری مجھے

سیم وزر اور اسپ دکھلا کے اسے

کہ تو اس سے خلق کو لیجاسکے

منہ مٹھلایا اور کہا کہ واہ واہ

ترش روشل ترنج از بس ہوا

پس جواہر کان کے از بسکہ خود
 کر دیئے ملعون پے حق نے پیش کش
 دوسرا یہ دام لے تو اے لعین
 بولا اس سے بڑھ کے دے تو اے معین

چرب و شیریں اور شراب آتش
 پس اُسے دی اور جلمہ ریشمی
 بولا یارب اس سے بڑھ کر دے مدد
 تا انھیں باندھوں بکھل مین مسد

تاکہ تیرے مست نرپرد جوہیں
 مرد کی مانند بندیں کاٹ دیں
 تاکہ ساتھ اس جال و دام حرص کے
 مرد تیرا ہو جدا نامرد سے

دوسرا چاہتا ہوں دام اے شاہ نجف
 دامِ مرد اندازِ وحیلہ ساز سخت
 چنگ و بادہ آگے لا اسکے رکھا
 خوش ہوا آدھا وہ اور آدھا ہنسا

گم رہی ازلی کا وہ سائل ہوا
 گردِ قعر بحرِ فتنہ سے تولا
 نے کہ اک موسیٰ تیرے بندوں سے ہے

باندھے پردے بحر میں بس گردے
 آبِ دریا ہر طرف سے ہٹ گیا
 اور غبارِ اک تہہ سے دریا کے اٹھا

دام دے مضبوط تاہو دے تمام
 منہ میں ان کے ڈالوں میں مثل لگام

کھینچوں ان کو پھنس کر میں دام میں
 تانہیں سر کو پھرا اس سے سکیں
 جو بتائیں خویں زن کی اُسے
 کہ قرار و صبر مرد اتر کرے
 بس رگا چٹکی بجانے ناپنے
 کہ ما مقصد مرا توجہ دے
 جو کہ دیکھیں آنکھیں اس کی پُر خمار
 کہ کرے عقل و خرد کو بے قرار
 اور صفائی چہرہ و مدار کو
 کہ جلائے چوں سپند عاشق کو دو
 خال و ابرو و لب گویا کہ ہے
 جلوہ حق پردہ باریک سے
 قد ہے جو سرو چمن اندر چمن
 اور رخ چوں یاسمین و سترن
 آن جو دیکھی تو تڑپا گود کے
 چوں تجلی پردہ باریک سے

عالم ایک حیران ہوا اور بسکہ دنگ

ان کرشموں سے کہ تھے وہ شوخ و شنگ

(حکایت ختم ہوئی پیرا بن یوسفی ترجمہ منظوم مشنوی مولوی معنوی ص ۴۸، دفتر پنجم)

ام المؤمنین جویریہ بنت حارث بن ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسطح بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوہ ۱ مرتبہ میں مارا گیا۔ اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں آں حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ آپ کی زوجیت میں آنے کا

مفصل قصہ غزوہ بنی المصطلق کے بیان میں گزر چکا ہے ۵ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستانِ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ (اصابہ ترجمہ ام المومنین جویریہ) ۱۔ عبادت کا خاص ذوق تھا۔ عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ چنانچہ جامع ترمذی میں باسناد صحیح عبد اللہ بن عباس۔ حضرت جویریہ سے راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ علی الصبح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔ آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہر کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔ فرمایا کیا تم اُس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ۳۰ سُبْحَانَ اللَّهِ رِضَانُفْسِهِ ۳۰ بار

سُبْحَانَ اللَّهِ زِينَةَ عَرْشِهِ ۳۰ سُبْحَانَ اللَّهِ مَدَادُ كَلِمَاتِهِ ۳۰ بار

مسمم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے وہ کلمات یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَانُفْسِهِ، وَزِينَةَ عَرْشِهِ وَمَدَادُ كَلِمَاتِهِ

(زر قانی صفحہ ۴۵ ج ۳)

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

زمنہ آپ کا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ بعثت سے ۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا ۲۔

ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے

۱۔ الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۵ ۲۔ ان کا نام عبید اللہ تھیں کے ساتھ ہے۔ اور عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے وہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ ام حبیبہ کے پہلے شوہر کا نام عبید بن سعید ہے۔ ان کا نام عبد اللہ نہیں جیسا کہ بعض کتابوں میں غلطی سے لکھا گیا۔ ۱۲

آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہؓ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہؓ کنیت رکھی گئی۔ اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں چند روز کے بعد عبید اللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ عبید اللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب و کباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔ چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المومنینؓ کہہ کر آواز دے رہا ہے جس سے میں گھبرائی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا۔ رواہ ابن سعد (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ ۲۲ ج ۲)

ادھر رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہؓ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو ام حبیبہؓ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ اس مضمون کا جتنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دو ام حبیبہؓ نے اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے۔ ابرہہ کو دیدیئے جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبہ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقَدُّوسِ ۝ حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور
السَّلَامُ الْمُؤَبَّرُ الْمُهِيمِ ۝ غرند اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے
الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا ۝ سو کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ
اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ۝ محمد ﷺ اللہ کے برتر بندہ اور رسول برحق

۱۔ حبیبہؓ بھی صحابیہ ہیں اور اس حدیث میں یہ ہے۔ پتی و مد و جہ حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ حبشہ تشریف لے کر گئے تھے۔ اس میں تاہم کہ حبیبہؓ حبشہ میں پیدا ہوئیں یا نہ ہیں یہ علم صحابہؓ کے ہاں نہ تھا نہ بعد از ان کے۔ ام المومنینؓ مدائن کی تھیں۔ یہ خواب وید میں ہے۔ یہ خواب وید میں گھبرائی بیان معانی یہ حبیبہؓ میں تھی یہ رسول اللہ ﷺ سے نکاح کرنا میں تھا۔

وَأَنَّ الَّذِي بِشَرْبِهِ عَيْسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ - فَاِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَىٰ أَنْ زَوْجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سَفْيَانَ فَاجِبَتْ إِلَىٰ مَادَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اصْدَقْتُهَا أَرْبَعَةَ دِينَارٍ

ہیں۔ اور آپ وہی بنی ہیں جن کے عیسے بن مریم صلی اللہ علیہما وسلم نے بشارت دی ہے۔

اما بعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کروں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَاسْتَعِينَهُ وَاسْتَغْفَرَهُ وَاشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَىٰ الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

الحمد للہ۔ میں اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

أَمَّا بَعْدُ - فَقَدْ اجِبْتُ إِلَىٰ مَادَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوْجَتُهُ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ أَبِي سَفْيَانَ فَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اما بعد میں نے آپ کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ویمہ بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرہہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرہہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ بکھر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں۔ اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس سے میں ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرہہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لیکر آپ کے پاس آئی ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رانی۔ اس کے بعد ابرہہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آں حضرت ﷺ سے میرا سلام کہہ دینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کیئے آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرہہ کا سد م پہنچا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۱۔

۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا ۲۔

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہذا اس حساب سے آں حضرت ﷺ کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۶۳ سال کی تھی۔

۳۔ کثرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی (اخرجہ ابن سعد) ۴۔

ام المؤمنین صفیہ بنت حی ابن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ۔ حی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں حی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا سلام کے طلاق دینے کے بعد کننہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ کننہ غزوہ خیبر میں مقتول ہوا۔ اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہباء میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔^۱

ولیمہ عجب شان سے ہوا چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستولا لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا (بخاری و مسلم) مقام صہباء میں تین روز آپ نے قیام کیا۔ اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا۔ اور اپنی عبا سے اپر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المؤمنین ہیں۔ ام ولد نہیں۔ (بخاری و مسلم)^۲

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ کر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف تھا۔ اخرجہ ابو حاتم والطبرانی برجال اح کلاہما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما^۳

حضرت صفیہ جب خیبر سے مدینہ آئیں تو حارثہ بن النعمان کے مکان میں اتاری گئیں اُن کے حسن و جمال کو سنکر انصار کی عورتیں دیکھنے آئیں اور حضرت عائشہ بھی نقاب اوڑھ کر

۱۔ کسی شوہر سے کوئی اول نہیں ہوئی۔ بیون، ج ۳ ص ۳۰۷

۲۔ زرقانی، ج ۳ ص ۳۵۷

۳۔ زرقانی ج ۳ ص ۳۵۷

آئیں مگر اس حضرت نے پہچان لیا اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا کہ اے عائشہ کیا دیکھا کہا
ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں آپ نے فرمایا ایسا مت کہو وہ اسد م لے آئی ہے اور اس کا
اسلام نہایت اچھا اسد م ہے۔ رواہ ابن سعد۔ اصابہ۔ ترجمہ صفیہ بنت حمی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت
صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو پھینکتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم
رسول اللہ ﷺ کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ
کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر
ہو سکتی ہو باپ میرے بارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد ﷺ ہیں۔
(اخرجہ الترمذی عن صفیہ) ۲

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز اس حضرت ﷺ سے کہا کہ آپ کو صفیہ
سے اس قدر کافی ہے کہ وہ اتنی اور اتنی ہے یعنی اتنا چھوٹا ہے آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ
کہا کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو سرے سمندر کو مہر کر دے۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی)

ایک بار آپ سفر میں تھے کہ حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت نہ نب بنت جحش
کے پاس اونٹ کچھ ضرورت سے زیادہ تھے آپ نے فرمایا اگر ایک اونٹ صفیہ کو دید تو بہتر
ہے۔ انہوں نے کہا میں دہنگی اس یہودیہ کو۔ آپ کو ناوار گزرا اور دویا تین مہینہ تک آپ اُن
کے پاس نہیں گئے (رواہ ابن سعد) ۳

ایک بار تمام ازواجِ مطہرات مرضِ الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں حضرت صفیہ
نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدن میں یہ تکلیف مجھ کو
ہو جائے ازواجِ مطہرات نے آپ میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا
اور فرمایا۔

خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔ (اخرجہ
ابن سعد بسند حسن)

وَاللّٰهُ اَنّٰهَا لَصَادَقَةٌ

ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ بڑی عقلمند اور بردبار اور صاحبِ فضل و کمال عورت تھیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہ کی ایک باندی نے حضرت عمر سے جا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت صفیہ ہفتہ کے دن کو بہت محبوب رکھتی ہیں۔ اور یہود کے ساتھ بہت سلوک کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت صفیہ سے دریافت کر کے بھیجا۔ حضرت صفیہ نے کہا جب سے اللہ نے مجھ کو ہفتہ کے بدھ میں جمعہ عطا فرمایا ہے۔ اس روز سے کبھی ہفتہ کو پسند نہیں کیا۔ رہے یہود سو ان سے میری قرابتیں ہیں ان کی ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں حضرت عمر کو تو یہ جواب کہلا بھیجا اور اس کے بعد اس باندی سے دریافت کیا کہ تجھے اس کہنے پر کس نے آمادہ کیا۔ باندی نے اس وقت سچ سچ کہہ دیا کہ شیطان نے آمادہ کیا۔ حضرت صفیہ نے باندی سے فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو جاؤ۔

سعید بن مسیب سے مرسل مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا۔ اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخر جہ ابن سعد بسند صحیح) ۲

سبحان اللہ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا۔ ماہ رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ۳

ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

میمونہ آپ کا نام ہے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ ماہ ذی قعدہ ۷ھ میں جب آپ عمرہ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اس وقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا آپ سے پہلے ابو رہم بن عبد اعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابو رہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔

۱۔ صاحب صفحہ ۳۴ ج ۲ ص ۲۷۷۔ ۲۔ صاحبہ ص ۳۴ ج ۲۔ ۳۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹۔ ۴۔ حضرت میمونہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ سوتلی تھیں۔ حضرت میمونہ کی بہن مفضلہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ سے پیام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (رواہ احمد والنسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے امام بخاری کے نزدیک یہی رائج ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقدس سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے اور اہل میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

قبر میں عبد اللہ بن عباس اور یزید بن اسلم اور عبد اللہ بن شداد اور عبید اللہ خولانی نے تار تار تین ول الذکر آپ کے بھائی تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ اور امہات المؤمنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربہ سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسماء بنت نعمانؓ، جونیہ اور عمرہ بنت یزیدؓ۔ یہ ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

سراری یعنی کنیری

آنحضرت ﷺ کی چار کنیری تھیں جن سے دو مشہور ہیں۔

۱۔ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے لطن سے ہیں ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر کے زمانہ خلافت ۱۶ھ میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۱۔ اصحابہ ج ۲ ص ۴۱۱ ۲۔ تنبیہ ج ۲ ص ۴۰۸ ۳۔ ان کے نکاح اور طلاق کا مفصل واقعہ اگر دیکھنا چاہیں تو فتح الباری ج ۹ ص ۳۰۳ تا ۳۱۵ ب من طبع جمل یومہ رجال مرتبہ بالطریق کی مراجعت کریں

۲۔ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد اچھے میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اُن کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

۳۔ نفیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المؤمنین زینب بنت جحش کی جا رہی تھیں حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت بلالہ رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(زرقانی ص ۲۷۱ ج ۳ تا صفحہ ۲۷۲ ج ۳)

تعدد ازواج

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسد م سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ

۱۔ ایک عورت کے سے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ (۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مستحکم ہو تو جبہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے۔ شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے۔

۲۔ نیز مرد و فطرۃ حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لیے طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔ جب تک وہ آزاد نہ رہے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے باندی و رخصت خود آ رہیں مانتے۔ جب تک کہ مالک کی طرف سے اعتاق (آزاد کرنا) نہ ہو۔ اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کیے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہوتی جب تک طلاق نہ ہو۔ غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو یہاں طلاق ہے۔ پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یہاں ہو کہ وہ عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں دست بھی زیادہ ہوں گی۔ اس سے کہ ایک حاکم کے تحت تعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سو سو اور ہزار محکوم ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے۔ اس میں نہ کوئی استبداد ہے نہ کوئی مشقت لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں استبداد بھی زیادہ ہوگی۔ معلوم ہو کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لیے انتہائی تھکاوٹ اور تامل کا سبب ہے۔ یہ متعدد شوہروں کی خدمت جانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چند مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں

(تفسیر حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضراتِ انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیویاں تھیں حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سیدنا علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت و انجیل اور دیگر صحیفِ انبیاء میں حضراتِ انبیاء کے متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدد ازواج کی ممانعت کا کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت تکیٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی۔ سوا گران کے فعل کو استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے اگر چہ شادی نہیں کی مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے۔ اور اولاد بھی ہوگی جیسا کہ احادیث میں آیا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دی تاکہ عورت تحقیر و تذلیل اور ناقابلِ برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر نہ معلوم کہ یہ عورت کے یہ چار شہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلہ میں یا ایک شہر میں یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شہروں کی کس طرح خدمت بنے گی۔ جو عورتیں تعدد شوہروں کی جوڑی قابل ہیں وہ ان سوا کچھ جو بے دیں۔

۳۔ نیز اگر عورت سے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں سے تعلق سے جو واپس دیا ہوگا تو وہ کس کی واد ہوگی مشتمل کہ ہوں یا منقسم۔ اور تقسیم کی طرح ہوگی۔ اگر ایک ہی فرزند ہو تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ اور متعدد اولاد ہو میں۔ اور نوبت تقسیم کی تو وجہ اختلاف ذکوریت و انوشت و وجہ تفاوت شکل و صورت اور وجہ تباہین خلق و سیرت و وجہ تفاوت قوت و سمت اور وجہ تفاوت فہم و فراست موزنہ ممکن نہیں۔ جو ایک ایک کو لے کر اپنے دلوں کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم و کا مسئلہ ذات درجہ پیچیدہ ہو جائیگا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں۔

پھر وجہ تباہی و خست و جملہ ایک دوسری وقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سہرا نہ ہوگا جتنے کہ اوروں کے فرق سے رہنما ہونا پڑے گا۔ پھر اس وجہ سے کہ خدا جہاں کیا کیا فتنے برپا ہوں بہر طور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے شریعتِ حق نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوؤں کی بعض قوموں میں یہ عورت کا پانچ پاندوں سے نکاح میں ہونا جائز و روا ہے۔ ان بے غیرتوں کو اس کا حس نہیں کہ ایک عورت کا بھی کسی سے ورنگی کسی سے ہم غوثی و ہم کنار ہونا سرسب غیرتی اور بے حیائی ہے۔ اسلام عزت اور عفت اور عصمت کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو پینس کا خقیار ہے۔ ہندوؤں کی طرح اس کو پانچ پاندے میسر آجائیں اور وہ اس کو قبول بھی کر لیں تو کرے۔ تمام نبیاء و مسلمان حکمتوں میں ایک ضمت یہ ہے کہ اذافاتک الحیاء فاصنع ما شئت جب تجھ سے حیاء جاتی رہی تو چہرہ چاہے کر۔

والسلام خیر الختام

ہے۔ غرض یہ کہ عماء یہود اور عماء نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعدد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اسلام آیا اور اس نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا۔ مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے۔ یعنی پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ تو جہلیت کی طرح غیر محدود و کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تاکہ:

۱۔ نکاح کی غرض و غایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بہولت حاصل ہو سکے۔ اور زنا سے بالکل محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے۔ کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی۔ اور پھر خوشحالی اور تو نگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بدلتکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ

اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی مبدل بفرخی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطہ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطہ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔ جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار

خاندان پرورش پاتے ہوں تو اس واسطے کہ خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرانے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقد و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔!

بلکہ

اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت و دولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرانے کہ چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنادوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعداد از دواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں۔ یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا جھوم ہو جائے کہ امیر یا وزیر کو انتظام کے سئے پولیس بلانا پڑ جائے۔ اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دعوایز طریقہ سے ان امیروں اور وزیروں کو تعداد از دواج کے فوائد اور منافع سمجھا میں گی۔

۲۔ نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور تولد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے۔ تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقل اس سے

بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہو گئی تو انھوں نے دوسرا نکاح کیا تا کہ یہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے۔

اہل عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہو جائے اور وہ دوسرا نکاح اس لئے کرے تا کہ دوسری بیوی آکر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے تو کیا یہ دوسرا نکاح عین مروت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

۳۔ نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (باناچھ) ہونے کی وجہ سے تو والد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاءِ نسل کی طرف فطری رغبت ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اسپر کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دیدینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دیدی جائے۔ بتداء کوئی صورت بہتر ہے۔ اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ایک ایک مرد کئی شادیاں کرے تا کہ بہت سی اولاد ہو سکے زمانہ جاہلیت میں فقر اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں ضبط تولید کی ذرائع ایجاد ہو گئیں جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت سے سبقت لے گئی اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کی پردہ پوشی کے عجیب و غریب طریقے جاری کر دیئے جو اب تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

۴۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتنا اور عادتاً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعدادِ دواجن کی ایک بین دلیل ہے۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بندیوں سے مر جاتے

ہیں۔ ور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرقی کم ہیں پس اگر ایک مرد کوئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فیاض عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں کون ان کی معاش کا انکیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کوزنا سے محفوظ رکھیں۔ پس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبن ہے۔ عورتوں پر سدم کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا۔ اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں اس اسدائی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں۔ عورتوں کی اس بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے مگر زبان سے دم بخود تھے جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں اکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے سئے پ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بیکس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے سئے کیا قانون بنایا ہے۔ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب قدس اندسہ المصالح العقیدہ ص ۷۳۱ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

گزشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معصوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بین دلیل ہے جس کو شک ہو وہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں مد خطہ کر لے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ داتے ہیں کہ یورپ جس کو سب ممالک سے بڑھ کر تعدد ازدواج کی ضرورت سے منزہ اور مبرا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلب میں بوڑوں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ نہتر ہزار تین سو پچاس (۱۲۶۹۳۵۰) عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے لئے ایک بیوی و بے تعددہ سے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا۔ فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری

میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تیس ہزار سات سو زیادہ تھی۔ جرمن میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار بیس عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سوڈان میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر (۱۲۸۷۰) عورتیں اور بہ پانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں تھیں۔ اور آسٹریا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جائے کہ کم از کم ان چالیس لاکھ عورتوں کے لئے کونسا قانون تجویز کیا جائے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدہ کی رو سے یورپ میں تو ان کے لئے خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود بخود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی۔ اور اس طرح ان میں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا۔ خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزار ہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں“

(حضرت تھانوی کا کلام ختم ہوا۔)

افسوس اور صد ہزار افسوس

کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو پیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی تعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں۔ زنا جو کہ تمام نبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمہید کی حکمتوں میں قبیح اور

شرمنک فعل رہا مغرب۔ اے مدعیان تہذیب کو اس کا قبیح ہونا نظر نہیں آتا۔ اور تعدد ازدواج جو کہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

۵۔ تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطاعہ کریں۔ جو قومیں زبان سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں اور ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔ پس خداوند علیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی سیلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد دنکاح کیوں فرمائے؟

آں حضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ورطہ ہلاکت اور گرداب مصیبت سے نکالیں۔ اس کے تحت جل شانہ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے۔ اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں۔ اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ اور یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرا بہرہ رسانی نہیں ماقال قال تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

انسانی زندگی کے دو پہلو

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کیے جائیں۔

بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کے چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں۔

اسی طرح آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی بیرونی زندگی کے حالات تو تمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو ائمہات المؤمنین یعنی ازواجِ مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاقی اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آ گئے جس سے حضور پر نور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق و شوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جس کے لئے سورہ مزل شاہد عدل ہے۔

اس لئے

حضور پر نور نے سوائے خدیجہ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تاکہ عورتوں کی ایک

کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضور نے متعدد نکاح فرمائے۔ تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آج میں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت نے وہ احکام و مسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواجِ مطہرات کے ذریعہ سے ہو جائے اور حضور پر نور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظِ شمس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں۔ جو نہ اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال و دولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور نہ آپ کے یہاں کوئی ہمیش و عشرت کا سامان تھا۔ بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اور ازواجِ مطہرات کے حجرے در حقیقت امت کے امہات اور معلمات کے حجرے تھے۔

جس ذاتِ بابرکات نے ہر میں دود و مہینہ تو انہ چڑھتا ہوا اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزارہ ہوا اور جس کا من مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے پاؤں پر ورم آجائے وہاں ہمیش و عشرت کا تصور ہی محال ہے۔

اولادِ کرام

آں حضرت ﷺ کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قوں یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

قسم۔ عبد اللہ۔ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ الزہراء صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں بالاتفاق چار تھیں چاروں بڑی ہونئیں۔ بی بی کنیں۔ اسلام آئیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں یہ بالاتفاق آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ بنتی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اول نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے مدوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحبزادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحبزادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم!

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچے وقت پائی۔ اور اس حضرت جعفر علیہ السلام کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔ (زرقاتی صفحہ ۱۹۴ ج ۳)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت زینب آپ کی صاحبزادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور اسام لائیں۔ اور بدر کے بعد ہجرت کی۔ اپنے خالہ زاد بھائی۔ ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ھ میں انتقال کیا ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا۔ اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہ سے آل حضرت ﷺ بہت محبت فرماتے تھے امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔ (کما اخرجہ البخاری و مسلم)

ایک بار آل حضرت ﷺ کے پاس بدیہ میں ایک زرین ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ ہر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول ان کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہاران کے گلے میں ڈالا۔ (اخرجہ ابن سعد و احمد و ابو یعلیٰ و مسند حسن عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ۔ نعبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ۔ نازل ہوئی تو ابی لہب نے بیٹوں کو بد کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔ آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

صحبہما اللہ ان عثمان اول اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط
من ہاجر باہلہ بعد لوط عیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے
(رواہ ابن مبارک وغیرہ) مع اہل و عیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔
جس وقت آنحضرت ﷺ غزوہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بھارتھیں
اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے عین اُسی
روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی
بشارت اور خوشخبری لیکر مدینہ آئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال فرمایا حضرت رقیہ
کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دُفن میں
مشغول تھے کہ یکا یک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا
ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آں حضرت ﷺ کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے
قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام کلثوم اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اسکے علاوہ آپ کا
کوئی نام ثابت نہیں۔ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد۔ ماہ ربیع الاول ۳ھ کو حضرت عثمان کے
نکاح میں آئیں چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اول نہیں ہوئی۔ ماہ شعبان
۹ھ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت علی اور فضل بن عباس اور
اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا آں حضرت ﷺ قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور
آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت ام کلثوم۔ پہلے ابوالہب کے بیٹے عقیبہ سے منسوب تھیں باپ کے کہنے پر
طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عتبہ نے فقط
طلاق پر اکتفا نہ کیا بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں و آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا اس کے بعد آپ پر حمد کیا اور آپ کا پیرا من چاک کر دیا۔ آپ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اسپر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسدط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اتر آیا بولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آگیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبا لیا۔ عتیبہ کا اُسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا نابھ ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے بیان میں آنے لگا۔

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں جلد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔ رواہ الطبرانی منقطع الاسناد

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فاطمہ آپ کا نام اور زہراء اور بتوں یہ دو آپ کے لقب تھے۔ حضرت سیدہ کو بتوں اس سے کہا جاتا ہے کہ بتوں بتوں بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل و کمال کی وجہ سے دنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوی اللہ منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت و بہجت و صفاء و نورانیت ”زہراء“ کہلاتی تھیں۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ عجب کی تعمیر کر رہے تھے ۱۔ آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ الزہراء سب سے چھوٹی ہیں سب سے بڑی حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہ۔ اس ترتیب سے پیدا ہوئیں۔ (استیعاب ابن عبد البر ص ۳۷۳ ج ۴ ترجمہ فاطمہ الزہراء حاشیہ اصابع)

۲۔ میں حضرت علی کے ساتھ نکاح ہوا پہلے قول کی بنا پر حضرت فاطمہ اس وقت پندرہ

سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر انیس سال اور ڈیڑھ مہینہ کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے پہلے قول کی بنا پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کی بنا پر چوبیس سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی (زرقانی ص ۲۰۴ ج ۳)

حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ھ کے واقعات میں گزر چکی ہے۔
حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسن۔ حسین۔ محسن۔ ام کلثوم۔ زینب۔

سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحبِ زادی سے آں حضرت ﷺ کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔

محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور حضرت ام کلثوم سے حضرت عمرؓ نے نکاح فرمایا۔ اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔
آں حضرت ﷺ کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور فضل بن عباسؓ نے قبر میں اتار۔ (اصابہ۔ ترجمہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ) ۲

فضائل و مناقب

رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں بار بار آپؐ نے فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریم کے۔ آپؐ کا معمول تھا کہ جب آپؐ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہؓ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے۔ ۳

حضرت سیدہ کے فضائل و مناقب کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے اس لئے ہم نے بادل ناخواستہ اختصار سے کام لیا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابراہیم۔ آل حضرت کی آخری اولاد ہیں جو ماریہ قبطیہ کے طن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سرمنڈوایا گیا بالوں کی برابر چاندی تو لکر صدقہ کی گئی۔ اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔ اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ کبھی کبھی آپ تشریف لیجاتے اور گود میں لیکر پیار کرتے تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس عقیدہ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔

حلیہ مبارک ﷺ

آل حضرت ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد۔ مینہ قد تھے۔ سر بڑا تھا۔ ریش مبارک گھنی تھی آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک میں گنتی کے تقریباً بیس پچیس بال سفید تھے۔ چہرہ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ جس نے بھی آپ کا چہرہ انور دیکھا ہے اس نے حضور کے چہرہ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور بیان کیا ہے۔

آپ کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی چہرہ انور سے جب پسینہ نکلتا تو موتیوں کی طرح معوم ہوتا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے دیباچ اور حریر کو آپ کے جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ اور مشک و عنبر میں آپ کے بدن معطر سے زیادہ خوشبو نہ سونگھی۔

مہر نبوت

دونوں شانوں کے درمیان میں دائیں شانہ کے قریب مہر نبوت تھی صحیح مسلم میں ہے کہ حضور پر نور کے دو شانوں کے درمیان میں ایک سُرخ گوشت کا ٹکڑا کبوتر کے انڈے کی مانند تھا۔ یہ مہر نبوت آں حضرت ﷺ کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی بشارتوں میں تھا علماء بنی اسرائیل اسی علامت کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ کہ حضور پر نور وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہر نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے گویا یہ مہر نبوت آپ کی نبوت کے لئے من جانب اللہ۔ خدا تعالیٰ کی مہر اور سند تھی۔ (دیکھو رج المدۃ ص ۱۲ ج ۱)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں دوسوہ ڈالتا ہے اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہر نبوت لگادی گئی۔ تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہو جائے اور آپ کے قلب متور میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی دوسوہ نہ داخل ہو سکے۔ (خصائص کبریٰ صفحہ ۶۰ جلد ۱)

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور پر نور کی پشت پر جو مہر نبوت تھی اس میں قدرتی طور پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

أَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرَ وَالْحَاكِمُ
فِي تَارِيخِ نَيْسَابُورَ عَنْ ابْنِ
عَمْرِ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبَوَّةِ
عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الْبَنْدَقَةِ مِنْ
لَحْمٍ مَكْتُوبٍ فِيهَا بِاللَّحْمِ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

حافظ ابن عساکر اور حاکم نے تاریخ
نیشاپور میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ مہر نبوت آں
حضرت ﷺ کی پشت پر گوشت کی گولی
کی طرح تھی اور گوشت ہی سے (قدرتی
طور پر) اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

خصائص کبریٰ للسیوطی ص ۶۰ و زرقانی شرح مواہب ص

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ بعض طریق ان میں سے باطل ہیں اور بعض ضعیف اور شیخ عبدالرؤف منوی شرح شامل کے صفحہ ۶۰ جداول میں لکھتے ہیں کہ حافظ قطب الدین حلبي نے اور پھر ان کی تبعیت میں حافظ مغلطی نے اس حدیث کے طرق اور اسانید کا استیعاب کیا ہے مگر کوئی روایت ان میں سے درجہ صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچی ”انتہی کلامہ“ اور علامہ قاری نے بھی شرح شامل ص ۵۹ جلد ۱ میں یہی لکھا ہے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اھ

سر کے بال اکثر مونڈھے تک اور کبھی نرمہ گوش تک لٹکے رہتے تھے بالوں میں کنگھی بھی کرتے تھے اور آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالتے تھے۔ باوجودیکہ آنکھیں قدرتی طور پر سرگیں تھیں۔

آپ کی آنکھیں نہایت خوشنما اور کشادہ تھیں۔ خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں سینہ سے لیکر ناف تک ایک نہایت خوب صورت باریک خط تھا۔ دونوں بازو اور قد میں پر گوشت تھے۔ حضور پر نور جب چلتے تو ایسا معوم ہوتا کہ گویا پاؤں جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کی طرف جارہے ہیں۔

الغرض

آپ کا جسم اطہر اور چہرہ انور تمام منطہ ہری اور باطنی محاسن سے مزین تھا سوائے (مسکرانے) کے آپ کبھی بھی کھل کھلا کر نہیں ہنسے۔ حدیث میں ہے کہ صورت اور سیرت میں آپ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

ریش مبارک

ریش مبارک یعنی ڈاڑھی آپ کی گھنی تھی۔ آپ اسے بالکل کترواتے نہ تھے البتہ مونچھیں کترواتے تھے۔ مگر گاہ بگاہ جو بال زائد ہو جاتے تھے ان کو کتروادیتے تھے تاکہ صورت بد نما نہ معلوم ہو۔ چونکہ ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت تھی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ ملکی اور قومی رواج کی بناء پر نہ ہی جیسا کہ بعض گمراہوں اور نادانوں کا خیال ہے۔

ڈاڑھی صرف سنت محمدیہ اور طریقہ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں (جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے) کی سنت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے **مَنْ سَنَّ الْمُرْسَلِينَ** یعنی ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت ہے۔

گرجاؤں میں آج بھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر رکھی ہوئی ہے اس میں بھی ڈاڑھی موجود ہے اور علماء یہود اور نصاریٰ جن کو پادری کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر نیچی ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ مذہبی گروہ میں ڈاڑھی کا ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ڈاڑھی انبیاء کرام کی سنت ہے اور سیدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈاڑھی کا ذکر قرآن کریم میں صراحتاً موجود ہے۔ **يَا ابْنِ امٍ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي** عرب میں جو لوگ ملت ابراہیمی کے متبع تھے وہ ڈاڑھی رکھتے تھے ورنہ اکثر مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا **خَالِفُوا الْمَشْرِكِينَ**۔ **احْفَظُوا الشُّوَارِبَ وَاعْفُوا اللَّحْيَ** مشرکین کی مخالفت کرو۔ اور ان کی طرح ڈاڑھی مت منڈاؤ۔ انبیاء کرام کی سنت کے مطابق مونچھیں کتر واؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مشرکین کے تشبہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اور انبیاء و مرسلین کی ہیئت اور شکل اختیار کرو برگزیدہ بندوں کی ہیئت اور شکل بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور ”مغضوب علیہم“ اور ”ضالین“ یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت میں غضب اور ضلال کا اندیشہ ہے۔

غرض یہ کہ ڈاڑھی کل انبیاء و مرسلین اور تمام صحابہ و تابعین اور تمام علماء ربانین کی سنت مستمرہ ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ ڈاڑھی نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہے اور ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے اس لئے کہ ڈاڑھی کا مذاق اڑانا تمام انبیاء و مرسلین کا استہزاء و تمسخر ہے اور تمام شریعتوں کے ایک مسلمہ حکم کی توہین ہے۔ اور تمام صحابہ و تابعین اور چودہ صدی کے تمام علماء اور صلحاء اور اویہاء اور سلاطین اسلام کی تحقیر و تجہیل ہے۔ ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والے یہ نہیں سمجھتے کہ پچاس سال قبل ان کے سلسلہ نسب کے تمام آباؤ اجداد ڈاڑھی رکھتے تھے کیا اس مسخرہ کے نزدیک اس کے تمام آباؤ اجداد حماقت کا سائن بورڈ گائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ ان نادانوں کو قتل دے۔ آمین۔

مردوں کی ڈاڑھی اور عورتوں کی چوٹی

جس طرح سر کے بال اور چوٹی عورت کے لئے زینت ہیں۔ اسی طرح ڈاڑھی مرد کے لئے زینت ہے۔

اس لیے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ بالوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے اور منڈانے کی ممانعت کر دی گئی۔ نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحلق المرأة
 راسها

مردوں کو بال رکھنے اور منڈانے کا اختیار دیا گیا۔ مگر یہ ہدایت کر دی گئی کہ مرد اپنے بال اتنے لمبے نہ چھوڑیں جس سے عورتوں سے مشابہت پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس کی ایک حد مقرر کر دی کہ اس سے متجاوز نہ ہوں یعنی کان کی لو تک یا کاندھے تک سنن ابوداؤد میں ابن حنظلہ سے روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم نعم الرجل خریم لولا
 طول جمته واسبال ازاره فبلغ
 ذلک خریما فاحذ مشفرة
 فقطع بها جمته الی اذنیہ ورفع
 ازاره الی انصاف ساقیه

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خریم اسدی اچھا شخص ہے۔ اگر اس کے سر کے بال کاندھوں سے متجاوز نہ ہوتے اور اس کی ازار ٹخنوں سے لمبی نہ ہوتی۔ جب یہ بات خریم کو پہنچی تو اس نے قینچی لیکر بالوں کو کانوں تک کر دیا اور ازار کو نصف پنڈلی تک کر دیا۔

اور منڈانے والوں کو یہ حکم دیا گیا کہ سر کے بال منڈانے چاہو تو سب بالوں کو منڈا دو یہ جائز نہیں کہ کچھ رکھو ورنہ چھ منڈا دو۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم رای صیفا قد حلق

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا کہ اُس کا سر منڈا ہوا تھا اور کچھ بال

بعض راسہ و ترک بعضہ
 فنہاھم عن ذالک و قال
 احلقوا کلہ او اترکوا کتہ۔
 چھوڑے گئے تھے۔ سو آپ نے ان کو اس
 سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ یا تو سارے سر
 کو منڈا دو یا سارے سر کو چھوڑ دو۔

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم ینہی عن القزع
 قال عبید اللہ والقزع ان یترب
 بناصیۃ شعر و لیس فی راسہ
 غیرہ و کذلک شق راسہ
 و هذا و هذا
 میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قزع
 سے منع کرتے ہوئے سنا۔ عبید اللہ کہتے
 ہیں کہ قزع یہ ہے کہ صرف پیشانی کے بال
 چھوڑ دیئے جائیں ان کے سوا سر میں اور
 بال نہ ہوں یا سر کے دونوں بازوؤں میں
 بال رکھے جائیں اور باقی سر منڈا یا جائے۔

اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہود کی مشابہت پائی جاتی تھی چنانچہ سنن ابی داؤد
 کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فان ذلک زی الیہود یعنی یہ یہود کی ہیئت
 اور ان کا طرز ہے اور جب یہ فعل معصوم بچوں کے لئے ناجائز ہوا تو باغ کے لئے یہ فعل بدرجہ
 اولیٰ ناجائز ہوگا اور اسی طرح سر کے بانوں میں نصاریٰ کی مشابہت بھی ناجائز ہوگی۔
 حق جل شانہ نے مرد اور عورت کی خلقت کو ایک دوسرے سے جُدا اور متمم کر رکھا ہے۔
 ہر ایک کی طبیعت اور مزاج کو الگ بنایا ہے۔

عورتوں کو پیکر نزاکت اور طبع ولادت بنایا ہے۔ لہذا ان کو حسن و جمال اور سر کے بال عطا
 کئے اور مردوں کو کم بنایا اور ویسے ہی ان کو قوی عطا کیے اور ان کی صورت اور ان کی وضع قطع
 ایسی بنائی کہ جس سے شوکت اور وجاہت ظاہر ہو اس لئے حق تعالیٰ نے مردوں کے چہرے
 پر ڈاڑھی اور مونچھ کا سبزہ لگایا اور ان کے اعضاء میں صلابت اور سختی رکھ دی اور ان کے لہجے
 میں خشونت پیدا کر دی اور ان کی رفتار میں شجاعت اور بہادری رکھ دی اور ان کے دل میں
 ایسے خیالات پیدا فرمائے کہ جو ان کی شان و شوکت کے مناسب ہوں اور عورتوں کی فطرت
 میں نزاکت رکھ دی اور ولادت اور رضاعت اور تربیت کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا
 کر دیئے یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی حکومت نے عورتوں کی فوج نہیں بنائی۔ اس لئے کہ فوج

کے لئے شجاعت چاہیے نہ کہ نزاحت چونکہ قدرت نے مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت کو ایک دوسرے سے ممتاز بنایا اس لئے شریعت اسلام نے حکم دیا کہ مرد عورتوں کے مشابہ نہ بنیں اور عورتیں مردوں کے مشابہ نہ بنیں تاکہ قانون فطرت کی مخالفت نہ ہو اور ایک نوع دوسری نوع کی مخصوص چیزوں کو اختیار نہ کرے مثلاً اسلام نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ ریشمین اور زرین کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان کو ہرگز استعمال نہ کریں نہ زیور پہنیں مرد جھومر اور ٹیکہ نہ لگائیں۔ اور نہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور کنگن پہنیں اور نہ خالص سرخ رنگ کا لباس پہنیں اور نہ رفتاریں میں زنا نہ انداز پیدا کریں اور نہ ڈاڑھی منڈائیں۔ بلکہ ڈاڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑیں اور مونچھوں کو کٹائیں اور ڈاڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کتر وانا یہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور مقتضائے فطرت ہے۔

آں حضرت کے زمانہ میں مجوسی اس خلاف فطرت فعل کے مرتکب تھے۔ کہ مونچھیں بڑھاتے تھے اور ڈاڑھی کٹاتے یا منڈاتے تھے۔ اس لئے آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم مجوس کی جو کہ خلاف فطرت کر رہے ہیں۔ مخالفت کرو اور ڈاڑھی کو چھوڑو اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزوا السوارب وارخوا الدحی وخالفوا المجوس۔
 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ
 مونچھوں کو کٹاؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔ اور
 مجوس کی مخالفت کرو۔

احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتر وانا انبیاء و مرسلین کی سنت ہے اور امور فطرت میں سے ہے فطرت اس کو مقتضی ہے کہ چھوٹے اور بڑے اور مرد اور عورت کے بیان امتیاز ہونا چاہیے سو یہ امتیاز ڈاڑھی سے حاصل ہوتا ہے۔

نیز ڈاڑھی مردوں کے لئے حسن و جمال بھی ہے اور ہیبت اور جلال بھی ہے چاہو تو امتحان کرلو۔

طریقہ امتحان

یہ ہے کہ ایک نمبر جو انوں اور ادھیڑوں اور بوڑھوں کو لے بیچے اور ان میں سے ڈاڑھی والوں کو تو ایک صف میں اور ڈاڑھی منڈوں کو دوسری صف میں کھڑا کیجئے اور بیک وقت دونوں طرف نظم ڈالیں اور دیکھیں کہ کون سی صف خوب صورت ہے اور کونسی صف بد صورت ہے اسی ایک نظر میں ڈاڑھی کا حسن و جمال معلوم ہو جائیگا جیسے چوٹی والی عورتیں بے چوٹی والی عورتوں سے حسن و جمال میں کہیں زائد ہیں۔ ایسا ہی ڈاڑھی والا مرد اپنے ہم عمر بے ڈاڑھی والے سے بدرجہا حسن و جمال میں زائد ہے جس کا جی چاہے مشاہدہ کرے۔

کالج میں کچھ لڑکے دیندار بھی ہوتے ہیں جو ڈاڑھی رکھتے ہیں اس ڈاڑھی والے جوان کے ہم عمر کسی ڈاڑھی منڈے کو جو ان کو کھڑا کر کے دیکھو کہ حسن و جمال میں کون بڑھا ہوا ہے۔

یا

لندن اور جرمن کے ایسے دو ہم عمر نو جوانوں کو لے لیجئے۔ کہ جن کے ڈاڑھی نکلنا ابھی شروع ہوئی ہے اور چھ ماہ تک دونوں کو ڈاڑھی نہ منڈانے دیا جائے پھر چھ ماہ کے بعد ان میں سے اگر ایک نو جوان تو ڈاڑھی منڈائے اور دوسرا اس کا ہم عمر ڈاڑھی نہ منڈائے تو اس وقت ان دونوں نو جوانوں کو برابر کھڑا کر کے دیکھا جائے کہ ان میں سے کونسا حسین و جمیل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی ایک ہی نظر فیصلہ کر دے گی بلکہ شبہ ڈاڑھی میں جو حسن و جمال ہے۔ وہ ڈاڑھی کے منڈوانے میں نہیں۔

پس جس طرح عورتوں کے سائے سر کے بال اور چوٹی باعث زینت ہیں اسی طرح مردوں کے لئے ڈاڑھی باعث زینت ہے اور اگر زینت کے رکھنے کی ضرورت نہیں تو عورتوں کو بھی سر منڈانا چاہیے۔

حکایت

سنا گیا ہے کہ یورپ کے کسی خطہ میں بعض عورتوں کو یہ ضبط سوار ہوا کہ سر منڈا دینا چاہیے

تاکہ دماغ کے بخارات نکل جانے کی وجہ سے مردوں کی طرح دماغ صحیح اور تندرست اور قوی ہو جائے ان عورتوں نے جب چند بار سر منڈایا تو ان عورتوں کے ڈاڑھی نکلنے لگی۔ تب سر منڈانا چھوڑا۔

مسئلہ

بعض فقہاء کرام نے بطور معمی لکھا ہے بتل و کنسی ڈاڑھی کا منڈانا واجب ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے کہ عورت کے اگر ڈاڑھی نکل آئے تو اس کا منڈانا واجب ہے۔



لباسِ نبوی ﷺ

آن حضرت ﷺ کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی عام لباس آپ کا تہمد۔ اور چادر اور کرتہ اور جتہ اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔ آپ کو سبز لباس پسند تھا۔ آپ کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔

چادر: یمنی چادر جس پر سبز اور سُرخ خطوط ہوں۔ آپ کو بہت مرغوب تھی جو بردیمانی کے نام سے مشہور تھی خالص سُرخ سے منع فرماتے۔

ٹوپی: سر سے چمٹی ہوئی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی ابو بکرؓ انماری سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں چمٹی سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں۔

عمامہ: آنحضرت ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم میں اور مشرکین میں بھی فرق ہے کہ ہم ٹوپوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ (لؤ داؤد)

حضور پر نور جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دو شانوں کے درمیان لٹکا دیتے اور کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ڈال لیتے اور کبھی تحت احنک تھوڑی کے نیچے پھیٹ لیتے حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جنگ بدر اور جنگ حنین میں میری امداد کے لیے ایسے فرشتے اتارے جو عمامے باندھے ہوئے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

پاجامہ: حدیث میں ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ پکٹا ہوا دیکھا۔ دیکھ کر اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس میں بہ نسبت از ر کے تستر زیادہ ہے اور اس کو خرید فرمایا لیکن استعمال کرنا ثابت نہیں۔

قمیص: پیراہن آپ کو بہت محبوب تھا۔ سینہ پر اس کا گریبان تھا کبھی کبھی اس کی گھنڈیاں گھلی ہوئی ہوتی تھیں۔

لنگی: آپ کے تمام کپڑے نخوں سے اوپر رہتے تھے بالخصوص آپ کا تہمد آدھی پنڈن تک ہوتا تھا۔ موزے: بھی استعمال فرماتے تھے اور پھر مسح فرماتے۔

گدا: آپ کا گدا ایک چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ اور بس اوقات حضور پر نور ایک بورے پر سویا کرتے تھے حصیر (بوریا) آپ کا بستر تھا۔

انگوٹھی: دست مبارک میں چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ وغیرہ کو دعوت اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ سلاطین بدوں مہر کے کوئی تحریر قبول نہیں کرتے اس لئے آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین ستروں میں اوپر نیچے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

نعلین مبارکین

نعلین مبارکین۔ چپس کے طرز کے ہوتے تھے کہ جس میں نیچے صرف ایک تار ہوتا تھا اور اوپر دو تارے ہوتے تھے جن میں انگلیاں ڈال دیتے تھے۔ زرقانی ص ۴۵ ج ۵

هَذَا مِثْلُ نَعَالِهِ

هَذَا مِثْلُ نَعَالِهِ

نَقْشِ نَعْلِ شَرِيفِ

یہ نقشہ آثارِ مسجدِ نبویہ صحت کا اور علامتِ نبوت کی صاحبِ ثوب کی ہے۔

ساہا مسجد صفا نظر فرما اور بود

بقاعہ کر شانِ کعبہ پائے تو بود

خرقہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قال الله تعالى
يَا أَيُّهَا الْمُرْزِقُ قُمْ اللَّيْلَ
وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ
قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبُّكَ فَكَبِيرٌ

اے برادر در لباسِ صوف باش

باصفہائے خدا موصوف باش

آپ ﷺ کے پاس صوف کا ایک کا اکمل تھا۔ جس میں پیوند لگے ہوئے تھے جس کو خرقہ (گدڑی) کہتے ہیں۔ صوف کا اکمل جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں یہ انبیاء کرام کی سنت ہے جو انبیاء اللہ اور درویشوں کو وراثت میں ملا ہے افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سنت اب دنیا سے رخصت ہوئی صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو صوف کا اکمل انبیاء کرام کی سنت پر عمل کرنے کیلئے پہنتا ہو اور دنیا کو تین طلاق مغلطہ باندھ دیکر بے فکر ہو گیا ہو اور حلقہ شامی و امیری کو اس خرقہ درویشی کے مقابلہ میں بھیج سمجھتا ہو۔

گرچہ درویشی بود سخت اے پسر

ہم ز درویشی نہ باشد خوب تر

قال ابن مسعود كانت	عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرات
الانبياء يركبون الحمر	انبیاء گدھوں پر سواری کرتے تھے اور صوف
ويلبسون الصوف ويحتلبون	کا لباس پہنتے تھے اور بکریوں کا دودھ
الشاة رواه الطيالسي - وعنه	دوہتے تھے۔ اس روایت کو ابو داؤد و طیالسی
صلى الله عليه وسلم قال كان	نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے
على موسى يوم كلمه ربه	ارشاد فرمایا کہ جس روز موسیٰ علیہ السلام حق
كساء صوف كتمه صوف	تعالیٰ جل شہ سے ہم کلام ہوئے اس
وجبة صوف وسراويل	روز ان کا اکمل صوف کا تھا۔ اور ٹوپی بھی
صوف و كانت نعلاه من	صوف کی تھی۔ اور جبہ بھی صوف کا تھا اور

حمارمیت رواہ الترمذی
وقال غریب والحاکم
وصححه علی شرط البخاری
(زرقانی ص ۱۶ ج ۵)
پاجامہ بھی صوف کا تھا۔ اور نعلین مُردہ
گدھے کی کھال کے تھے۔ اس حدیث کو
ترمذی نے روایت کیا اور کہا غریب الاسناد
ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا اور یہ کہا کہ
یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح ہے۔

ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ ایک دن عائشہ صدیقہ نے صوف کا ایک موٹا
کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور ایک موٹا تہذ نکال کر ہم کو دکھایا اور یہ کہا کہ نبی
اکرم ﷺ کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی۔

عائشہ صدیقہ کا مقصد آپ کی سادگی اور تواضع اور شانِ درویشی و فقیری کو بتلانا تھا کہ
حضور پر نور کی زندگی ایسی تھی رواہ البخاری فی فرض الخمس واللباس و مسلم و ابوداؤد و الترمذی
وابن ماجہ۔

اور حق تعالیٰ جل شانہ کے اس سراپا طیف خطاب یعنی یٰٰأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰٰأَيُّهَا
الْمُدَّثِّرُ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں کمبل اور گدڑی غایت درجہ محبوب تھا
کہ اس لباس کے عنوان سے حضور پر نور کو خطاب فرمایا۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز
قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے نزدیک سورہ مزمل کو سورۃ الخرقہ کہتے ہیں جس میں
خرقہ (گدڑی) کے آداب اور شرائط کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر عزیزی۔

لباس نبوی ﷺ لباسِ ابراہیمی و اسماعیلی تھا

مَعَاذَ اللَّهِ۔ مَعَاذَ اللَّهِ

قومی اور وطنی لباس نہ تھا

نبی اکرم ﷺ کا یہ لباس اور یہ معاشرۃ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ قومیت یا وطنیت کے اتباع
کے ارادے سے نہ تھا بلکہ وحی ربانی و الہام یزدانی کے اتباع سے تھا عرب میں قدیم سے

حلہ یعنی چادر اور تہ بند کا دستور چلا آ رہا تھا حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی لباس تھا جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آذر بائجان کے عربوں کو حلہ پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسمعیل علیہ السلام کا لباس ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاتَزَرُّوْا وَارْتَدُّوْا اَزَارَ اَوْرٍ چادر کو پہنو اور اپنے باپ اسمعیل علیکم بلباس ابیکم اسمعیل کے لباس کو لازم پکڑو۔
وَاِیَاکُمْ وَالتَّعْمُ وَزِی الْعَمِّ

معاذ اللہ! اللہ کا نبی لباس یا معاشرۃ میں قوم کا مقلد اور تابع بنکر نہیں آتا۔ اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کے عقائد اور اخلاق و اعمال اور عبادات اور معاملات سب کے متعلق ہدایتیں اور احکام جاری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بول و براز کے آداب بھی ان کو سکھاتا ہے۔ معاش اور معاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اللہ کے رسول کے پاس کوئی غیبی اشارہ اور الہام باطنی نہ ہو یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم و رواج کی پیروی کرے۔ آنحضرت نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے کہ فلاں جائز ہے اور فلاں حرام یہاں تک کہ مسلمان اور کافر کے لباس میں امتیاز ہو گیا اور بیشمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں سے تشبیہ کی ممانعت کی ہے اور ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ اور جس لباس سے تکبر اور تفاخر اور اسراف اور تنعم مترشح ہوتا ہو اس کو ممنوع قرار دیا۔ اور اس لباس کو بھی ممنوع قرار دیا جو دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب بنے۔ مشرکین حریر اور دیبا کو استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا۔ مشرکین ازار کو بطور تکبر و نخنوں سے نیچا گھسٹتا ہوا پہنتے تھے۔ آپ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ زرین مغرق لباس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا کہ تکبر اور تنعم اور اسراف کا شائبہ بھی نہ رہے۔ مشرکین ٹوپوں پر عمامہ نہیں باندھتے تھے آپ نے حکم دیا۔

فَرَقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَمَّا بَعْدُ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ العمامۃ علی القلائس ہے کہ ہم عمامہ ٹوپوں پر باندھتے ہیں۔

اس طرح آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں تفرقہ قائم فرمایا۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

خالفوا المشركين اوفروا
الدحي واحفوا الشوارب

یعنی اپنی صورت، اور ہیئت کافروں کی سی نہ بنو تمہاری وضع قطع کافروں سے جدا رہنی چاہئے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ
 اِس حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا۔

علامہ قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث من تشبہ سے لباس اور ظاہری امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے معنوی اخلاق کی مشابہت کو تشبہ نہیں کہتے بلکہ اسے تخلیق کہتے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

ان هذه من ثياب الكفار فلا
تلبسها

یہ کافروں جیسے کپڑے ہیں پس انکو نہ پہننا

پس ثابت ہو گیا کہ حضور پر نور کا پاس اور آپ کی وضع تمام تروجی اسی کے تابع تھی۔ قوم اور وطن کے اتباع میں نہ تھی حضور پر نور اگر بالفرض والتقدیر۔ لندن یا جرمن میں بھی مبعوث ہوتے تو وہاں بھی لندن کے وحشیوں کی وہی اصلاح فرماتے جو کہ مکہ کے وحشیوں کی فرمائی۔ اور ان کی شہوت پرستی کو خدا پرستی سے اور ان کی بپردگی کو پردہ سے اور ان کی بے حیائی کو عفت اور عصمت اور حیا اور شرم سے بدل ڈالتے لہذا کسی نادان کا یہ مان اور یہ خیال کرنا کہ معذ اللہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام لندین یا جرمن میں مبعوث ہوتے تو مغربی رسم و رواج کے تابع ہوتے تو بہ ایک مرغویا نہ اور محکوم نہ اور غلام نہ اور احمق نہ ذہنیت کا رشمہ ہے جس کی حقیقت ایک مجنونانہ بڑے زیادہ کچھ نہیں۔ پیغمبر اللہ کی وحی کے تابع ہوتے ہیں ان

اتَّبِعْ إِلَّا مَآ يُوحَىٰ إِلَيْهِ - معاذ اللہ - نبی - قوم اور وطن کے تابع نہیں ہوتا بلکہ قوم کو اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے ورنہ صبغة اللہ (اللہ کے رنگ) میں ان کو رنگتے ہیں۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ

صبغة اللہ اور اللہ کے رنگ میں مسلمان کی زندگی کا رنگ جتنا نبی کی طور سے اس پر موقوف ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے طور و طریق پر ان کی وضع قطع اور لباس ہی سے پرہیز کیا جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کفر سے براءت اور کافروں سے اجتناب ظاہر ہو اور ایمانی رنگ مومن کی زندگی میں ہر طرح اور ہر جانب سے جھلکتے نظر آئے اس مفہوم کی توضیح کیلئے یہ چند الفاظ حضراتِ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ جن کا عنوان التنبہ علی مافی التثبہ یعنی مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ التَّنْبِیْہُ عَلٰی مَا فِی التَّشْبِہِ یعنی

مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر

بجہ تعلق جب یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ اس حضرت ﷺ کا لباس ازار اور رداء جبہ اور عمامہ اور ظاہری وضع قطع یہ سب اپنے جدا مجد حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتداء میں تھے۔ معاذ اللہ مشرکین مکہ اور قوم اور وطن کی اتباع اور مشابہت میں نہ تھا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طہارت حق کی تنبیہ کے لئے مسئلہ تشبہ کی حقیقت پر کچھ مختصر سا کلام کر دیا جائے کیونکہ مسئلہ تشبہ اسلام کے ان اہم ترین مسائل میں سے ہے کہ جن پر اسلام کے بہت سے احکام قابل تسلیم نہ رہیں گے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور شیدائی ہیں اور اسلامی احکام کی حدود و قیود سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا سب سے پہلا حملہ اسلام کے اسی مسئلہ تشبہ پر ہوتا ہے اور اپنی تمام تر سعی اس کے مٹانے میں صرف کرتے ہیں تاکہ آئندہ کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور دعویٰ اسلام کے ساتھ مغربی تمدن میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ زبان کے اعتبار سے مسلمان کہلائیں اور معاشرۃ اور تمدن اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں انگریز بنے رہیں۔ ع

”اس خیال است و محل است وجنوں“

شریعت اسلامیہ میں چونکہ تشبہ بالکفار کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے جو بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے اس لئے تفسیر اور حدیث اور فقہ و علم العقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ کے بیان سے خالی نہیں حضرات فقہاء و متکلمین نے مسئلہ تشبہ کو باب الارتماد میں بیان کیا ہے کہ مسلمان کن چیزوں کے ارتکاب سے مرتد اور دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک تشبہ بالکفار بھی ہے اور اس کے درجات اور مراتب ہیں۔ اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔

یعنی تشبہ بالکفار کی خرابیوں پر تنبیہ

ساتویں صدی کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرائی متوفی ۷۲۸ھ نے اسی مسئلہ تشبیہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ الصحاب النجیم کے نام سے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جس میں مسئلہ تشبیہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت اور عقل اور نقل کی روشنی میں کلام فرمایا اور کتاب و سنت کے انصوص سے یہ واضح کر دیا کہ دینی و دنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جہاں شریعت غراء اور ملت بیضاء نے کفر اور شرک کی نجاست و ر ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا اپنے دوستوں کو کوئی حکم نہ دیا ہو اور یہ ثابت کر دیا کہ صراط مستقیم کا اقتضاء یہی ہے کہ ”مغضوب علیہم“ اور ”ضالین“ کی مشابہت سے احتراز کیا جائے

اب اس انگریزی اور مغربی دور میں پھر یہ فتنہ رونما ہوا اور علماء دین نے اپنی پوری توجہ اس پر صرف کی مگر اس دور پر فتن میں مسئلہ تشبیہ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی کہ جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منظم اور مرتب اور مدلل اور مسلسل کلام کیا گیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ مشکلیں کے شکوک اور موسوسین کے وساوس اور اوہام کا ایسا ازالہ اور قمع قمع کر دیا گیا ہو کہ جس کے بعد کسی کو لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سوا الحمد للہ یہ فریضہ دینی ہمارے محبت محترم عالم ربانی فضل لامانی مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حفظہ اللہ تعالیٰ و اطال اللہ حیاتیہ ذخرا للمسلمین آمین یا رب العالمین کے قلم حکمت رقم سے ادا ہوا جزا اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

موصوف نے التشبیہ فی الاسلام کے نام سے دو حصوں میں ایک کتاب تحریر فرمائی یہ مسئلہ تشبیہ کی تحقیق و تدقیق میں بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے اور بلاشبہ وہ اپنا شبیہ اور مثال نہیں رکھتی حضرت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ کتاب مذکور کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس احقر نے رسالہ ہذا کو حرف حرفاً دیکھا ایک ایک حرف کے ساتھ قلب میں سرور اور آنکھوں میں نور بڑھتا جاتا تھا۔ تشبیہ کا مسئلہ ایک مکمل و مفصل و مدلل لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا۔ جن اھناف تک ذہن جانیکا احتمال تک نہ تھا وہ منصہ ظہور پر آ گئے۔ بعید سے بعید شبہات تک کا قلع قمع کر دیا گیا اللہ تعالیٰ رسالہ کو نفع اور مقبول فرما کر ان کلم طیب کے عموم میں داخل فرمائے جن کی شان میں الیہ یصعد الکلم الطیب وارد ہے اور

صاحب رسالہ کو اس جماعت میں داخل فرمائے۔ جس کی شان میں بہدوالہ الطیب
 من القول وبہدوالی صراط احمدید وارد ہے انتہی
 اس لئے ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر مسئلہ تشبہ کی پوری تفصیل درکار
 ہو تو ”التشبیہ فی الاسلام“ کی مراجعت فرمائیں اس وقت یہ ناچیز نہایت اختصار کیساتھ اس
 مسئلہ کو پیش کر رہا ہے جس کا بہت سا حصہ اقتضائے الصراط المستقیم اور التشبیہ فی الاسلام سے
 ماخوذ ہے اور بہت سے مواضع میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
 قدس اللہ سرہ کے مختلف مواعظ اور منفوظات میں مسئلہ تشبہ پر جو امور نظر سے گذرے وہ بھی
 اس مختصر تحریر میں درج کر دیئے تاکہ ناظرین کرام کیسے موجب ہدایت اور باعث بصیرت
 ہوں۔ فاقول وبالله تحقیق وبیدہ از مہ التحقیق۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلَیْ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حدیث میں ہے: **بدا الا سلا غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء**۔ اسلام شروع میں غریب اوطن تھا یعنی یکس اور بے یار و مددگار تھا اور بے سہارا تھا خلافت راشدہ کے دور سعادت سراپا یمن و برکت میں آفتاب اور مہتاب ٹکر چمکا اور قیصر و کسر سے کی حکومت اور سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ اور اپنے سادہ معاشرۃ اور خدا پرستانہ تمدن سے قیصر اور کسری کی نظر فریب اور پرشمارہ و شکوہ معاشرۃ اور تمدن کو کھلے بندوں زمین پر پچھاڑا جس کا تماشا دنیا نے دیکھا۔

ور نبی اکرم ﷺ کے دس سالہ غزوات اور پھر صدیق اکبر اور فروع اعظم کے دس سالہ سلسلہ جہادات و فتوحات کا یہ غیبی اثر ہوا کہ دس صدی تک پوری روئے زمین پر اسلام ہی کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہا اور اسلام ہی کا تمدن اور معاشرۃ دنیا کے ہر تمدن اور معاشرۃ پر غالب رہا۔ دنیا کی قومیں اسلامی معاشرۃ اور تمدن کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتی رہیں خلفاء عباسیہ کے دور میں علم و حکمت کا بازار گرم ہوا اور صنعت و حرفت بامعرون پر پہنچی اور یورپ کے باشندے اس وقت ایک جاہل اور وحشی قوم تھے انہوں نے مسلمانوں سے علم و حکمت سیکھا اور صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن کا سبق لیا۔

اور دنیاوی شاہرہ ترقی پر گامزن ہوئے بعد ازاں جب اسلامی حکومتوں کے فرما نروا حکومت کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے۔ اور میر جعفر اور میر صادق جیسے منافق اُن کے وزیر بن گئے۔

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند
ایں چنین ارکان دولت ملک را ویراں کنند

تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اسلامی حکومتیں معرض زوال اور اختلال میں پڑ گئیں اور اسلام کی ہاتھ کی پچھاڑی ہوئی قومیں برسرِ اقتدار آ گئیں اور اپنی بد اعمالی اور شومی قسمت سے حاکم محکوم بن گئے۔ اور محکوم حاکم ہو گئے۔

چند روز تک مسلمانوں کو اپنی اس ذلت اور انقلاب کی حالت کا احساس رہا۔ مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ان کی معاشرۃ اور تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ اسلامی مملکت کے باشندے غیروں کے معاشرے میں ایسے رنگے گئے کہ اپنے اور پرانے۔ مسلم اور غیر مسلم کا ظاہر نظر میں کوئی فرق نہ رہا۔

اور حسب ارشاد نبوی و سیدود غریباً اس دم ابتدا کی طرح اس دور میں پھر غریب اور گدائے بے نوا اور بے س و بے یار و مددگار بن گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی یا کوتاہی ہے اور نئے معاشرہ میں کوئی خوبی یا کمال یا کوئی حسن و جمال ہے۔

بلکہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے معاشرہ کی بساط تمنا متزن نفسانی شہوات و لذات اور نام و نمود اور فخر و مباہات پر بچھی ہوئی ہے اور قوت و شوکت کے زیر سایہ وہ پرورش پا رہا ہے جو بالطبع نفس کو غایت درجہ محبوب ہے۔

اور اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد اور قناعت اور خدا پرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے جس کو نفس پسند نہیں کرتا۔

ابو بکر و عمر ایک طرف ایسے امیر مملکت تھے کہ دنیا کی سب سے بڑی دو طاقتیں قیصر و کسری بھی اُن سے تھراتی تھیں۔ اور دوسری طرف شیخ طریقت بھی تھے کبل پوش اور مسجد کے امام بھی تھے جن کو دیکھ کر دُک پنے دین کو درست کرتے تھے۔

خداوند علیم و حکیم کی قضاء و قدر نے قوم عاد اور قوم ثمود اور فرعون اور نمرود کی طرح مغربی اقوام کو چند روزہ اقتدار عطا کیا۔ جن کے آتے ہی نفسانی اور شہوانی معاشرہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور چھپے ہوئے شہوت پرست نمایاں ہو گئے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو قوت اور شوکت اور حکومت و سلطنت کی سرپرستی حاصل ہو تو سادہ لوح اور عام طبیعتیں اسی میں جذب ہو جاتی ہیں خصوصاً جس معاشرہ میں نفسانی خواہشوں کو آزادی ملتی ہو اور حکومت اور سلطنت کے

سرپرستی کی وجہ سے اس کے حصول میں کوئی مانع بھی نہ رہے تو بدشہ اسب معاشرہ مخلوق خدا کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہوگا۔

افسوس اور صد افسوس کہ مسلمان بھی اب اسی رومیں سبے جارہے ہیں اور جو قومیں ان کے اسلاف اور بزرگوں کی پچھاڑی ہوئی اور بانجزار تھیں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے خصائل و عادات اور ان کے ملبوسات کو ترک کر کے دن بدن مغضوب عیسیم اور ضالین یعنی یہود و نصاریٰ کی مماثلت اور مشابہت اختیار کرتے جارہے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ مشرق کا نور مغرب کی ظلمت پر کیوں فریفتہ ہو گیا۔

اے میرے مسمان بھائیو! یہ دنیا سرائے فانی ہے تِلْكَ الْآيَامُ نُذَوُّ لَهَا بَيْنَ النَّاسِ کا مظہر ہے۔ جن متمتہ قوموں نے انبیاء کرام کے مقابلہ میں مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً کا نعرہ لگایا اور تمہارا معاشرہ میں دنیا سے آگے نکلے کما قال تعالیٰ عَمْرُوَهَا أَكْثَرُ مِمَّا عَمْرُوَهَا۔ اور لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اور انبیاء اللہ کی گدڑی اور کھیل اور مٹامہ اور دستار اور تہبند اور ازرا کا تسخر کیا انجام کا وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ۔ وَهَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا کی کانام و نشان نہ رہا۔ کسی کو حق تعالیٰ نے غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسیا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کیا۔ ان کل الا کذب الرسل فحق وعید۔

آدم برسرِ مطلب

اب میں مختصر طور پر اہل اسلام کی خدمت میں مسدہ تشبہ کی حقیقت عرض کرتا ہوں اور اس کے حسن کو واضح کرتا ہوں امید ہے کہ اہل اسلام اس کو غور سے پڑھیں گے۔ اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيِهْ اُنِيْبُ۔

تشبہ کی حقیقت

حق جل شانہ نے زمین سے لیکر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات یا جمادات سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا اور سب کو ایک ہی خوان وجود سے حصہ ملے مگر ہر وجود اس کے

ہر چیز کی صورت اور شکل میں امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیونکہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری رنگ و روپ ہے انسان اور حیوان میں۔ شیر اور گدھے میں۔ گھاس اور زعفران میں۔ باورچی خانہ اور پختہ خانہ میں۔ جیل خانہ اور شفا خانہ میں جو امتیاز ہے۔ وہ صرف اسی ظاہری شکل و ہیئت کی بنا پر ہے اگر کسی نوع کا کوئی فرد اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری نوع کی امتیازات و خصوصیات اختیار کرے تو اس کو پہلی نوع کا فرد نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ دوسری نوع کا فرد کہلایا گیا اگر کوئی مرد مردانہ خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر زنانہ خصوصیات کو اختیار کر لے، عورتوں ہی کا لباس پہننے لگے اور انہی کی طرح بولنے لگے حتیٰ کہ اُس مرد کی تمام حرکات و سکنات عورتوں ہی جیسی ہو جائیں تو وہ شخص مرد نہ کہلایا جائے گا بلکہ سب سے کہلایا جائے گا، حالانکہ اس کی حقیقت رجسیت میں کوئی فرق نہیں آیا صرف لباس اور ہیئت کی تبدیلی ہوئی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر اس مادی عالم میں۔ ہر نوع کی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس و اختلاف کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر اُس نوع کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اختلافِ اقوام و اُمم

اسی طرح اقوام اور اُمم کے اختلاف کو سمجھو کہ مادی کائنات کی طرح۔ دنیا کی قومیں اپنے معنوی خصوصیات اور باطنی امتیازات کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں۔ مسلم قوم، ہندو قوم۔ عیسائی قوم۔ یہودی قوم۔ باوجود ایک باپ کی اولاد ہونے کے مختلف قومیں بن گئیں۔ مذہب اور ملت کے اختلاف کے علاوہ اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کا تمدن اور اس کی تہذیب اور اس کا معاشرہ اور اس کا طرز لباس اور طریق خورد و نوش دوسرے سے جدا ہے اور باوجود ایک خدا کے ماننے کے ہر ایک کی عبادت کی صورت اور شکل علیحدہ ہوگی۔

عبادت کی انہیں خاص خاص شکلوں اور صورتوں کی وجہ سے ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہ کہ قوموں میں امتیاز کا ذریعہ سوائے ان قومی خصوصیات کے اور کیا ہے جب تک

ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا اختیار باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ جب تک کسی قوم کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں اس وقت تک وہ قوم بھی باقی ہے اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور اشکال کو چھوڑ کر دوسری قوم کی خصوصیات کو اختیار کر لیا اور یہ قوم دوسری قوم کے ساتھ تعلق اور مشتبہ ہو گئی تو سمجھو کہ یہ قوم اب فنا ہو گئی اور اب صفحہ ہستی پر اس کا کوئی ذاتی وجود باقی نہیں رہا۔

تشبہ کی تعریف

اب اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد تشبہ کی تعریف سنئے تاکہ آپ تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگا سکیں۔

(۱)

اپنی حقیقت اور اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اور اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہو جانے کا نام تشبہ ہے۔

بہفاظ دیگر (۲)

یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۳)

اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کر کے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۴)

اپنی شان امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شان امتیازی کو اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۵)

اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرایوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لیے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہیے لباس میں بھی ممتاز ہونی چاہئے اور وضع قطع میں بھی اس لئے کہ ظاہری علامت کے علاوہ خاص جسم کے اندر بھی کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ ختنہ اور ڈاڑھی

ہے اور وہ ظاہری علامت لباس ہے بغیر ان دو علامتوں کے شناخت نہیں ہو سکتی نہ تو صرف ڈاڑھی کافی ہے اس لئے کہ لڑکوں کے ڈاڑھی نہیں ہوتی ان کی شناخت کس طرح ہوگی نیز بعض قومیں ڈاڑھی رکھتی ہیں۔ ان کی شناخت سوائے لباس کے کسی چیز سے نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ اسلامی امتیاز کے لئے لباس اور ڈاڑھی دونوں کی ضرورت ہے منع تشبہ کے حکم کا منشاء معاذ اللہ تعصب اور تنگ نظری نہیں بلکہ غیرت اور حمیت ہے جس سے مقصد ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ کو غیروں کے التباس اور اشتباہ کی تباہی سے بچنا ہے اس لئے کہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی محافظ نہ ہو وہ کوئی آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں۔

تشبہ بالکفار کا حکم

تشبہ بالکفار اعتقادات اور عبادات میں کفر ہے اور مذہبی رسومات میں حرام ہے جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنا ر باندھ لینا یا پیشانی پر تشبہ لگالینا ایسا تشبہ بلاشبہ حرام ہے جس میں اندیشہ کفر کا ہے اس لئے کہ علی ادا علان شعار کفر کا اختیار کرنا اس کے رضاء قلبی کی علامت ہے۔

اور تشبہ کی یہ قسم ثانی اگرچہ قسم اول سے درجہ میں ذرا کم ہے مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کر لے گا ہرگز نہیں اور عبادات اور مذہبی رسومات اور عیدین میں کفار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ و کثیرہ سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں بالتفصیل ان تمام آیات اور روایات کو بیان کیا ہے۔

(۳)

اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعار میں تشبہ مکروہ تحریمی ہے مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جائے گے جیسے نصرانی ٹوپی (ہیٹ) اور ہندو اندھوتی اور جو گیانہ جوتی یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے بالخصوص جبکہ بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ جو گیوں اور ہندوتوں کی وضع قطع اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہی انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور علیٰ ہذا کافروں کی زبان اور اُنکے لب و لہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمزہ میں داخل ہو جائیں تو بلاشبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط و کتابت کر سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جیسے کوئی ہندی اور سنسکرت اس لئے سیکھے کہ ہندوؤں اور پنڈتوں کی مشابہت ہو جائے اور ہندو مجھے اپنا وطنی بھائی سمجھیں اور اپنے زمزہ میں مجھے شمار کریں۔ (جیسا کہ آجکل بھارت میں یہ فتنہ برپا ہے) تو بلاشبہ اس نیت سے ہندی زبان سیکھنا ممنوع ہوگا اور اگر فقط یہ غرض ہو کہ ہندوؤں کی غرض سے آگاہی ہو جائے اور اُن کے خطوط پڑھ لیا کریں۔ تو ایسی صورت میں ہندی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) در ایجادات اور انتظامات اور اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لے لینا جائز ہے جیسے توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور موٹر اور مشین گن وغیرہ وغیرہ یہ درحقیقت تشبہ بھی نہیں شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے ایجادات اور صنعت اور حرفت کو لوگوں کی عقل اور تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا البتہ اس کے احکام بتلا دیئے کہ کونسی صنعت اور حرفت جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے اور کس طریق سے اس کا استعمال جائز ہے اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے غیر مقاصد کی تعلیم نہیں طیب جو تہ بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا اور نہیں سکھاتا ہاں یہ بتلاتا ہے کہ جو تہ اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں اُبھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے، اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا ہاں یہ بتاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے یا جان کا خطرہ ہو۔

یہ ان ایجادات کا حکم ہے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں اور جو ایجاد ایسی ہو کہ جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا اس لئے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا، اسلام میں تعصب نہیں غیرت ہے پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے

پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی تو یہ ہے کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج اور تابع بنائیں مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے ان کی مثل ایسی ہے جیسے مورانا روم فرماتے ہیں -

یک سبد پر نان برابر فرق سر
توہی جوئی لب نان در بدر

تا بزانوئے میان
وز عطش وز جوع گشتستی

قرآب

خراب

ہاں جن نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں مسلمانوں کے لئے ان نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت اور دفع حاجت کے لئے جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت نہ ہو۔ محض اپنے فائدہ کے لئے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعاً جائز ہے مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے ان سے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

شراب کے طریقہ پر سردودھ کا بھی دور و تسلسل اختیار کیا جائے تو شریعت اسد میہ اس کو ممنوع قرار دیتی ہے دودھ کے استعمال میں شراب کی مشابہت اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے تہذیب میں شراب کی رغبت اور محبت کا خاص داعیہ مضمر اور مستور ہے۔

اسی طرح کسی جائز چیز کا استعمال کافروں کی مشابہت کی نیت اور ارادہ سے اور دشمنان دین کی تشبہ سے قصد سے اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں کافروں کی طرف میلان اور رغبت خاص طور پر مرکوز خاطر ہے۔

پس جس طرح تم کو اپنے دشمنوں کی مشابہت اور ان کا تشبہ گوارا نہیں تو اسی طرح خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا ان کے تشبہ کی نیت اور ارادہ سے کوئی کام کریں حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَرْکَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔

تشبہ بالکفار کی ممانعت کی وجہ

دین اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے اور تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناخ بن کر آیا ہے وہ اپنے پیروں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے پیروں کی مشابہت اختیار کی جائے، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔

جس طرح ہر ملت اور ہر امت کی حقیقت جدا ہے اسی طرح ہر ایک کی صورت اور ہیئت بھی جدا ہے، دنیا میں ظاہری اور صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے۔

ایک قوم دوسری قوم سے اسی ظاہری معاشرۃ کی بنا پر ممتاز اور جدا سمجھی جاتی ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم کی خصوصیات اور امتیازات اور اس کی صورت اور ہیئت کو اختیار کر لیتی ہے تو اس کی اپنی ذاتی قومیت فنا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی قومیت اور اپنی شخصیت کو دوسرے کی قومیت اور شخصیت میں فنا کر دینا سراسر غیرت کے خلاف ہے۔

اسلام ایک کامل مذہب ہے جس طرح وہ اعتقادات اور عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع اور مقلد نہیں اسی طرح اسلام اپنے معاشرہ اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع اور مقلد نہیں

کسی حکومت میں یہ جائز نہیں کہ اس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کر سکے یا اپنے فوجی دستہ کے ساتھ دشمن حکومت کا جھنڈا استعمال کر سکے جو سپاہی ایسا رویہ اختیار کرے گا وہ قابل گردن زدنی سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حزب اللہ۔ (مسلمانوں) کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ حزب الشیطان کی ہیئت اختیار کریں جس سے دیکھنے والوں کو اشتباہ ہوتا ہو۔ یا فرض کرو کہ کوئی جماعت حکومت سے برسر بغاوت ہو اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان بنائے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کی تشبہ کی اجازت نہیں دے گی۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جرمنی یا روسی وردی کے استعمال کو جرم قرار دیدے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے مگر اللہ کے رسول کو یہ حق نہ ہو کہ وہ دشمنان خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دے کیوں نہیں۔ من تشبہ بقوم فهو منهم۔ جو خدا کے دشمنوں کے مشابہ بنے گا اور انہی جیسا لباس اور ان کی وردی پہنے گا تو وہ بلاشبہ دشمنان خدا کی فوج سے سمجھا جائے گا۔

اسلام نور مطلق ہے	اور کفر ظلمت ہے۔
اسلام حق ہے۔	اور کفر باطل ہے۔
اسلام حسن مطلق اور جمال مطلق ہے	اور کفر فحش مطلق ہے۔
اسلام روز روشن ہے	اور کفر شب تاریک ہے۔
اسلام عزت ہے۔	اور کفر ذلت ہے۔

لہذا اسلام اپنے پیروں کو ظمت اور ذلت اور باطل کا لباس پہننے کی اور ان کے ہم شکل بننے کی اجازت نہیں دیتا تا کہ التباس نہ ہو۔

پس جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُس کے پیروں کی صورت و شکل و لباس بھی اس کے دشمنوں سے جدا اور علیحدہ ہو۔

خلاصہ کلام

یہ کہ شریعت میں تشبہ باغیر کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ غیرت اور حمیت اور تحفظ خود اختیاری پر مبنی ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور اقیامات پائیدار اور مستقل نہ ہوں۔

اسی طرح ملت اسلام اور امت اسلام یہ کافر اور الی وادہ زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوئے اس کے پچھوئیں۔ اسلام کی خصوصیات اور اقیامات کو محفوظ رکھا جائے اور تشبہ باسفار سے اس کو بچایا جائے کیونکہ تشبہ کے معنی اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں۔

قَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ۖ ائِمُّوا الْإِيمَانَ وَالْوَلَدَ الْكَافِرَ ۖ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ۖ

۱۔ مشابہ اور مانند نہ بنو۔

مؤمن (خدا کے دوست) کو خدا کے دشمن۔ (کافر) سے جدا اور ممتاز رہنا چاہئے۔ حکومت کے وفادار کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ حکومت کے دشمنوں اور باغیوں کے مشابہ اور ان کا ہم رنگ اور ہم لباس بنے۔

وَقَالَ تَعَالَى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ۖ ائِمُّوا الْإِيمَانَ وَالْوَلَدَ الْكَافِرَ ۖ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ۖ

۲۔ بنو کہ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی۔

وَقَالَ تَعَالَى - أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۔

کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کے سامنے ان کے دل پست ہو جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند بنیں کہ جن کو پہلے کتب دی گئی تھیں یہود اور نصاریٰ کے مشابہ نہ بنیں جن پر زمانہ دراز گزر رہا ہے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں۔

یعنی اندیشہ یہ ہے کہ اگر تم نے یہود اور نصاریٰ کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی تو تمہارے دل بھی ان کی طرح سخت ہو جائیں گے اور قبول کی صلاحیت ان سے جاتی رہے گی۔

علامہ ابن حجر مکی شہمی نے اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۱ ج ۱ میں مالک بن دینار محدث کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے۔

قَالَ مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ النَّبِيُّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ قُلْ لِقَوْمِكَ لَا يَدْخُلُوا مداخلِ أَعْدَائِي وَلَا يَلْبَسُوا ملبسِ أَعْدَائِي وَلَا يَرَكِبُوا مراكِبِ أَعْدَائِي وَلَا يَطْعَمُوا مطاعِمِ أَعْدَائِي فَيَكُونُوا أَعْدَائِي كَمَا هُمْ أَعْدَائِي ۔

مالک بن دینار کہتے ہیں انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے یہ کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سوار پولیاں پر سوار ہوں۔ یعنی ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدا رہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں۔

اس وحی کا آخری جملہ فیکونوا اعدائی کما هم اعدائی۔ ایسا ہے جیسا کہ

قرآن کریم میں مسلمانوں کا فروں کے ساتھ اٹھنے اور بیٹھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا انکم

اذا مثلهم اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اور ارشاد فرمایا ومن يتولهم منكم فانه منهم جو کافروں سے وہی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا اور حدیث میں ہے من تشبه بقوم فهو منهم۔ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا۔

تشبہ بالا غیار کے مفاسد اور نتائج

غیروں کی سی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔

(۱)

پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ کفر اور اسلام میں ظاہر ا کوئی امتیاز نہ رہے گا۔ اور ملت حقہ۔ ملت باطلہ کے ساتھ ملتہنس ہو جائے گی سچ پوچھتے ہو تو حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالنصارى۔ معاذ اللہ نصرانیت کا دروازہ اور اس کی دہلیز ہے۔

(۲)

دوم یہ کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے آخر قومی نشان اور قومی پہچان بھی کوئی چیز ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے پس اگر یہ ضروری ہے تو اس کا طریقہ سوائے اس کے کیا ہے کہ کسی دوسری قوموں کا لباس نہ پہنیں جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اسی طرح اسلامی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم بھی اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔

(۳)

کافروں کا معاشرہ اور تمدن اور لباس اختیار کرنا در پردہ ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے۔

بلکہ

اپنی کمتری اور کہتری اور تابع ہونے کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ کمتری برتری وضع اختیار کرتا ہے نہ کہ برعکس۔ محکوم، حاکم کی تقلید پر مجبور ہوتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس جیسا لباس پہنتا ہے، اسدم جب ایک کامل اور مستقل دین ہے تو وہ اور وہی کیوں تنقید کرے۔

(۴)

نیز اس تشبہ بامنفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحتاً ممنوع ہے۔ کما قال تعالیٰ

وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ
دُونِ اللَّهِ مِن أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا
تَنْصُرُونَهُ۔ اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں
مبادا ان کی طرف نکل ہونے کی وجہ سے تم کو
آگ نہ لگے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا دوست
اور مددگار نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

بلکہ غیر مسموموں کا لباس اور شعرا اختیار کرنا ان کی محبت کی علامت ہے جو شرعاً ممنوع

ہے کما قال تعالیٰ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن
يَتَوَلَّهُمْ يَتَوَلَّهُمْ أَجْمَعِينَ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ اے ایمان والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست
مت بناؤ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے
کے دوست اور رفیق ہیں۔ وہ تمہارے
دوست نہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست
بنائے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا تحقیق
اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔

کیا یہ صریح ظلم نہیں کہ دعویٰ تو ہو ایمان اور اسلام کا یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا
اور صورت اور ہیئت اور وضع قطع اور لباس اس کے دشمنوں کا ہو۔ کوئی بادشاہ اور کوئی حکومت
کبھی اس امر کو برداشت نہیں کر سکتی کہ دعویٰ تو ہو اس کی وفاداری کا اور دوستانہ تعلقات
ہوں۔ حکومت کے دشمنوں سے دوستی اور تجارتی تعلقات اور ان کے ساتھ نشست
و برخاست یہ سب باتیں قانوناً جرم ہیں۔ پس اگر خداوند احکم الحاکمین اپنے دشمنوں اور اپنے
وزراء اور سفراء یعنی انبیاء و مرسلین کے منکروں اور منی غلوں سے دوستانہ تعلقات اور ان کے
ساتھ نشست و برخاست اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں ان کی مشابہت سے منع کرتا
ہے تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہو۔

(۵)

اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی لباس اور اسلامی تمدن کے استہزاء اور تمسخر کی نوبت آئے گی اسلامی لباس کو حقیر سمجھے گا اور تبعاً اس کے پہننے والوں کو بھی حقیر سمجھے گا۔ اگر اسلامی لباس کو حقیر نہ سمجھتا تو انگریزی لباس کو کیوں اختیار کرتا۔

(۶)

اسلامی احکام کے اجراء میں دشواری پیش آئے گی۔ مسلمان اس کی کافرانہ صورت دیکھ کر گمان کریں گے کہ یہ کوئی یہودی یا نصرانی ہے یا ہندو ہے اور اگر کوئی ایسی لاش مل جائے تو تردد ہوگا کہ اس کافر نما انسان کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور کس قبرستان میں اس کو دفن کریں۔

(۷)

جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوم کی وضع قطع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہے گی اور جب قوم ہی نے اُس کی عزت نہ کی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزت کریں۔ غیر بھی اسی کی عزت کرتے ہیں جس کی قوم میں عزت ہو۔

(۸)

دوسری قوم کا لباس اختیار کرنا اپنی قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۹)

افسوس کہ دعویٰ تو اسلام کا۔ مگر لباس اور طعام اور معاشرہ اور تمدن اور زبان اور طرز زندگی سب کا سب اسلام کے دشمنوں جیسا۔ جب حال یہ ہے تو اسلام کے دعوے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ اسد کو ایسے مسلمانوں کی نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کوئی پروا ہے کہ جو اس کے دشمنوں کی مشابہت کو اپنے لئے موجب عزت اور باعث فخر سمجھتے ہوں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کافروں کی وضع قطع اختیار کرنے کی کیا ضرورت اور کیا مصلحت داعی ہوئی بلا ضرورت کافر قوم کے لباس اختیار کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ۔ لاؤ ہم بھی کافر بنیں اگرچہ صورت ہی کے اعتبار سے بن جائیں۔

یا بالفاظ دیگر

یوں کہو کہ لاؤ اپنے دشمنوں کا لباس ہے ہم بھی رواداری ظاہر کرنے کے لئے دشمن کے

ہم شکل اور ہم لباس بن جائیں اور نصاریٰ کا دشمن اسلام اور دشمن مسلمان ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قرآن وحدیث نے خبر دی ہے ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا اور تقسیم ہند کے وقت اسلام کے ساتھ نصاریٰ کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا کہ جس قدر زائد سے زائد علاقہ برطانیہ ہندوؤں کو دے سکتی تھی وہ ہندوؤں کو دے گئی اور مسلمانوں کو محروم کر گئی۔ برطانیہ نے باہر سے چار لاکھ یہودی لاکر فلسطین میں بسائے اور اس طرح فلسطین کو تقسیم کیا۔ اس قاعدہ سے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی چار لاکھ اور آٹھ لاکھ مسلمان آباد تھے۔ برطانیہ کو چاہئے تھا کہ فلسطین کی طرح ہندوستان کے ان علاقوں کو بھی تقسیم کرتی۔ موجودہ حالات میں یہودیوں اور مسلمانوں کی کل آبادی فلسطین میں آٹھ لاکھ ہے اور ہندوستان کے صوبہ یوپی میں تنہا مسلمانوں کی تعداد اسی لاکھ ہے۔ تقسیم فلسطین کے اصول سے صوبہ یوپی میں بھی اسی لاکھ مسلمانوں کی الگ ریاست قائم کرنی تھی غرض یہ کہ نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی آفتاب کی طرح روشن ہے پھر نہ معصوم کیوں مسلمان اپنے دشمنوں کے معاشرہ کو اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع قطع کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وضع قطع اہل حکومت اور اہل شوکت کی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ انگریزوں کے ہم شکل بنیں گے تو عزت اور شوکت حاصل ہوگی۔

مگر افسوس کہ عزت اور شوکت تو اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے۔ اپنی قوم پر اور اپنوں پر رعب جمانے کے لئے عزت و شوکت حاصل نہیں کی جاتی دعویٰ تو قومی ہمدردی کا مگر اپنی قوم کے معاشرہ سے وحشت اور نفرت اور غیر قوم کے معاشرہ سے اُلس اور محبت۔

گر گٹ کی طرح وقفا فوقتاً رنگ بدلنے میں کیا خاک عزت رکھی ہے کہ ٹکٹلی باندھے ہوئے یورپ کو دیکھ رہے ہیں جو فیشن اور لباس انھوں نے اختیار کیا وہی لباس اور فیشن ان عاشقانِ مغرب نے بھی اختیار کر لیا۔ جو کسی کا عاشق بنے گا اس کو معشوق کے سامنے ذلیل و خوار بن کر رہنا پڑے گا۔ اب اختیار ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اور خلفاء راشدین کے اور ان کے معاشرہ کے عاشق بن جاؤ یا یورپ کے اوباشوں اور رعیتوں کے معاشرہ کے عاشق ہو جاؤ۔ خوب سمجھ لو کہ عشق کی بنیاد تدلل پر ہے۔

ترقی کا راز و مدار

یہ امر تمام روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام کی روشنی مکہ مکرمہ کے اُفق سے روئے زمین پر پھیلی جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی کایا پٹ ہو گئی اور دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل ہو گئی اور آسمانی شریعت کے پھیلنے کے ضمن میں ان کو جو سلطنت قہرہ اور سطوت جہانداری اور فرماں روائی حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نہ تھا کہ انھوں نے سلاطین وقت کے مروجہ علوم نہایت سرگرمی سے حاصل کیئے تھے یا تجارت و صنعت میں انھوں نے بڑی دستگاہ پیدا کی تھی یا سودی کاروبار کو انھوں نے وسیع پیمانہ پر پھیلایا تھا اور بڑی تجارتوں کے لئے سودی بنک قائم کیئے تھے۔

بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ آسمانی شریعت کی مشعل ہدایت ان کی ہادی اور رہنما تھی اور اتباع نبوی ہی ان کی قوت تھی اور یہی ان کا لشکر تھا اور یہی ان کا ہتھیار تھا اور یہی ان کی فتح و نصرت کا جھنڈ تھا جس سے چند روز میں انھوں نے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر لی کہ جس نے قیصر و کسری کی عظمت و جلال کو خاک میں مل دیا۔

یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ جس پر کسی دلیل اور برہان قائم کرنے کی حاجت نہیں اور یہود اور نصاریٰ کے مؤرخین اس پر گواہ ہیں کہ آں حضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے، اور تنہا عرب کے وحشیوں اور جاہلوں اور اونٹ چرانے والوں کو توحید و تفرید کا سبق پڑھایا اور آسمانی کتاب کی تعلیم دی ایک طرف تو ان کو عیودیت اور معرفت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ان کو جہانبانی اور عدل و عمرانی کے وہ طریقے بتلائے کہ جس سے چند ہی روز میں وہ ایک زبردست سلطنت کے مالک بن گئے حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی مال و دولت تھا نہ کوئی فوج اور طاقت تھی اور نہ انھوں نے غیر قوموں کے علوم و فنون حاصل کیے اور نہ انھوں نے سود کو حلال قرار دیا تھا۔ یہ سب اتباع شریعت کی برکت تھی۔

اُس حضرت ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبر آپ کے جانشین ہوئے تو آپ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں شریعت کی پابندی کو پورا پورا ملحوظ رکھا اور آپ کے عہد خلافت میں جن قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکاریا ان پر فوج کشی کی اور قسم کھا کے یہ فرمایا کہ جو رسی آں

حضرت کے زمانہ میں دیتے تھے اگر اس کے دینے میں بھی تاہل کریں گے تو میں ان سے جہاد وقت کروں گا۔ اور مرتدین اور مدعیانِ نبوت سے جہاد و قتال کیا اور ان کا قمع قمع کیا۔

اسی طرح خیفہ ثانی کے زمانے میں جو ہیبت اور شوکت تھی وہ بھی اتباعِ شریعت ہی کی برکت سے تھی دنیا کے بڑے بڑے سلاطین ان سے ڈرتے تھے۔

خوب سمجھ لو کہ جس نبی امی فدا نفسی دابی دابی کے اتباع کی برکت سے صحابہ کو ذوالقرنین اور سلیمان جیسی حکومت ملی اور جس سے قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹ گیا اور ان کی فوجوں کو اور ان کے تمدن اور معاشرہ کو صحابہ نے کھلے بندوں پچھاڑا۔ اسی طریق کو اختیار کرو گے تو ترقی ہوگی امام مالک کا ارشاد ہے۔

لا یصلح آخر هذه الامة الا بما
صلح به اولها
اس امت کے آخر کو اسی چیز سے صلاح اور
فلاح حاصل ہوگی جس چیز سے امت کے
اول کو صلاح اور فلاح حاصل ہوئی۔

شریعت اسلام نے حکمرانی کے وہ اصول بتائے کہ جو دنیا نے نہ کبھی دیکھے تھے نہ سنے تھے۔ اسی کے اتباع سے ترقی ہوگی۔ غیروں کی پیروی اور نقالی سے ترقی نہیں ہو سکتی ترقی کا دار و مدار۔ یہود و نصاریٰ کی مشابہت پر نہیں محض لباس۔ ذلت اور حقارت کو دفع نہیں کر سکتا نیز ترقی کا دار و مدار اسوۂ نبوی کی پیروی پر ہے جیسا کہ خلفائے راشدین اور خلفاء بنی امیہ و خلفائے عباسیہ کے ذور میں جو ترقی ہوئی وہ مشابہت کفار کی بناء پر نہ تھی بلکہ اتباعِ نبوی کی بناء پر تھی۔

بلکہ

ہمارے تنزل کا اصلی سبب تشبہ بالانگاریا ہے اور تشبہ بالانبیاء سے انحراف ہے اور علیٰ ہذا یہ گمان کرنا کہ اسلامی لباس انگریزوں کی نگاہوں میں بے وقعتی کا موجب ہے، سو یہ خیال خام ہے عزت و وقعت کا دار و مدار قابلیت پر ہے نہ کہ لباس پر بلکہ نقل اتارنے والے کو خوشامدی سمجھتے ہیں۔ اسلامی لباس میں بے وقعتی نہیں بے وقعتی تو غیروں کے لباس میں ہے، لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی بہت سے ہندو سیدز انگریزی لباس میں گئے مگر گاندھی اپنے ننگوٹے میں گیا۔ سو حکومت برطانیہ نے جو اعزاز ننگے فقیر گاندھی کا کیا وہ انگریزی لباس والوں کا نہیں کیا۔

اہلی میں بہت سے دربار ہوئے جو الیاب ریاست اہل اور قافل تھے، اسلامی لباس میں آتے تھے ان کا اعزاز، راجہ کوٹ پتوں والوں سے زیادہ ہوتا تھا۔

خوب سمجھ لو! کہ مسلمان خواہ کتنے ہی کافروں کے معاشرہ اور تمدن کے رنگ میں رنگے جائیں یہود و نصاریٰ مسلمان سے اس وقت تک کبھی راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ مسلمان اپنے کو ملتِ اسلام کا پیرو بتاتے رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وَلَسَّٰنُ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مَلَّتَهُمْ

اے مسلمانو!

اگر ترقی چاہتے ہو تو اس طریقے کو اختیار کرو کہ جس طریق سے صدرِ اول میں اسلام کو ترقی ہوئی اور چار دانگِ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا۔ جیسا کہ تاریخِ عالم اس کی شاہد ہے کہ جو شوکت و اقتدار اور فتوحات کی ترقی اور علمی اور فنی اور اخلاقی عروجِ خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ و خلفائے بنی عباس کے زمانے میں مسلمانوں کو حاصل ہوا امریکہ و برطانیہ کو مل کر بھی وہ عروج حاصل نہیں ہوا۔

مغربی قومیں۔ عرب کے جاہلوں سے زیادہ وحشی تھیں خلفاءِ عباسیہ کے دور میں جو علم و حکمت کا چرچا ہوا تو مغربی اقوام نے مسلمانوں سے علوم و فنون حاصل کیے اور اپنی زبانوں میں ترجمے کیے اور ترقی کی جس منزل پر پہنچے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اب اسلامی فرماؤاؤں کو چاہئے کہ علوم جدیدہ کو اپنی زبان میں منتقل کریں تاکہ عام مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں اور کالج میں جا کر مہرِ عزیز کے چودہ سال اور اپنی گاڑھی کمائی کے بیس بیس ہزار روپیہ غیر قوموں کی زبان سیکھنے کے لئے نذر نہ کریں۔

انگریزی لباس کے اقتصادی نتائج

پہلے اکثر و بیشتر کپڑے گھر میں سلا کرتے تھے، خصوصاً عورتوں کے زنانے کپڑے درزی کے یہاں بھیجنے بہت معیوب تھا۔ جب سے فیشن کا دورِ واہ کھلا سارے گھر کے کپڑے دورزیوں کے پاس جانے لگے، مدنی میں تو اضافہ نہ ہوا خرچ میں اضافہ ہو گیا اب یہ تو قرض

کرو یا حصول زر کے ناجائز طریقے اختیار کرو۔ انگریزی ساز و سامان کے لئے انگریز جیسی دولت بھی تو چاہیے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہر وقت دماغ میں یہ بسا ہوا ہے کہ جس طرح بھی ہو انگریز کی طرح زندگی بسر کریں۔

ان بدنام کنندگان اسلام سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کس وجہ سے انگریزی لباس کو اسلامی لباس پر ترجیح دی اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں کوئی جسمانی مضرت یا نقصان محسوس کیا ہے تو اس کو بین کریں تاکہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی لباس میں جسمانی مضرتیں ہیں یا انگریزی لباس میں۔ اور اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں حقارت پائی جاتی ہے تو پھر گریہی بات ہے تو پھر اسلام کے دعوے کی بھی ضرورت نہیں۔ مغربی قومیں تو سرے سے اسلام اور مسلمان ہی کو حقیر اور ذلیل سمجھتی ہیں۔ وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ اسلام کو ایسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں کہ جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہوں اور ہر نئے فیشن کے دلدادہ اور عاشق ہوں اور استقلال اور خودداری سے کورے ہوں ”جیسا دیس ویسا بھیس“ ن کا مذہب ہو جس کے مزاج میں استقلال اور خودداری نہ ہو وہ کیا حکومت کر سکے گا۔

الحاصل

جب تک خلفائے اسلام۔ اتباع شریعت میں سرگرم رہے ان کی سلطنت رو بہ ترقی رہی اور مخالفوں کی نظروں میں ان کی عزت اور ہیبت رہی اور دشمنوں کے دل ان سے دہلتے رہتے اور تائید الٰہی ان کے شامل حال رہی۔

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا
نَنْصُرُ وَاللَّهِ نَنْصُرُكُمْ وَيُثَبِّتُ
أَقْدَامَكُمْ
وَأَنْتُمْ الْأَغْلَوْنَ إِن كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ

اے مومنو۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے
تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں
کو ثابت رکھے گا۔
اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم پکے مسلمان
بنے رہے۔

پھر جس قدر وقتاً فوقتاً سلاطین اسلام میں پابندی شریعت کا خیال کم ہوتا گیا اور عیش

و عشرت اور نفسانی خواہشوں میں تو غل بڑھتا گیا اسی قدر اسلامی سلطنت کی بنیاد کم زور ہوتی گئی اور اسلامی حکومت کا دائرہ منقصر ہوتا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا اَمَّا بِاَنْفُسِهِمْ اللّٰهُ تَعَالٰی کسی قوم کی حالت میں تغیر پیدا نہیں کرتے جب تک وہ خود اپنی حالتوں میں تغیر نہ پیدا کر لیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نگہبانی اور مہربانی سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال اور طور طریق کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں۔

تشبہ کے مفاسد اور مضرتوں پر فاروقِ اعظم کا تنبیہ

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور قیصر و کسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا۔ تو فاروقِ اعظم کو فکر و انگیز ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید اکید کی کہ غیر مسلموں کی تشبہ سے پرہیز کریں اور ان جیسی ہیئت اور لباس اور وضع قطع اختیار نہ کریں۔ اور دوسری طرف کافروں کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں رہیں اور مسلمانوں کی وضع قطع اور ان کا ازار و عمدہ نہ استعمال کریں تاکہ اپنے اور پرانے میں التباس نہ ہو سکے اور اشتباہ اور التباس کا دروازہ بند ہو جائے۔

مسلمانوں کے نام فاروقِ اعظم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا فرمان

روى البخارى فى صحيحه
عن عمر رضى الله عنه انه
كتب الى المسلمين
المقيمين ببلاذ فارس اياكم
وزي اهل الشرك (اقتضاء
الصراط المستقيم ص ۶۰)

امام بخاری راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان مسلمانوں کے نام جو بلاد فارس میں مقیم تھے۔ یہ فرمان جاری کیا کہ اے مسلمانو! اپنے آپ کو اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح فرمان جاری فرمایا۔

اما بعد فاتزرو اوارتدوا
 واشغلوا وعلیکم بلباس
 ایبکم اسماعیل وایاکم
 والتنعیم وزی العجم و
 تمعددوا واخلشوشنوا
 واخلولقوا الحدیث
 فتح الباری ص ۲۴۰ ج ۱۰ باب
 لبس الحریر للرجال وقدر مایجوز
 منه من کتاب اللباس
 اما بعد اے مسلمانو۔ ازار اور چادر کا استعمال
 رکھو اور چولے پہنو اور اپنے جد امجد اسمعیل
 علیہ السلام کے لباس (انگی اور چادر) کو لازم
 پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں
 کے لباس اور اُن کی وضع قطع اور ہیئت سے
 دُور رکھو مبادا کہ تم لباس اور وضع قطع میں
 عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسمعیل
 کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو
 اور موٹے اور کھردرے اور پُرانے کپڑے
 پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے۔

اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم آذر بیجان میں تھے کہ
 ہمارے امیر لشکر عتبہ بن فرقہ کے نام فاروق اعظم کا یہ فرمان پہنچا۔

یا عتبہ بن فرقہ ایاکم ایاکم
 والتنعیم وزی اهل الشرك
 ولبوس الحریر (اقتضاء
 الصراط المستقیم ص ۶۰)
 اے عتبہ بن فرقہ۔ تم سب کا یہ فرض ہے کہ
 اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور
 مشرکوں کے لباس اور ہیئت اور وضع قطع
 سے اپنے کو دور اور محفوظ رکھیں اور ریشمین
 لباس کے استعمال سے پرہیز رکھیں۔

کافروں کے متعلق فاروق اعظم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا فرمان

فاروق اعظم کا وہ فرمان کہ جو نصارائے شام کے عہد اور اقرار کے بعد بطور شرائط تمام
 قلمرو خلافت میں جاری کیا گیا اور جن شرائط پر نصارائے شام کو جان و مال اور اہل و عیال کا
 امن دیا گیا وہ یہ تھا۔

ہم نصارائے شام اپنی جانوں اور مالوں اور
اہل و عیال اور اپنے اہل مذہب کے لیے
امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے امان طلب کرتے ہیں اور اپنے
نفوس پر بطور شرط اور عہد امور ذیل کو لازم
گردانتے ہیں (۱) کہ ہم مسلمانوں کی تعظیم
و توقیر کریں گے (۲) اور اگر مسلمان ہماری
مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں گے تو ہم ان کے
لئے مجلس چھوڑ دیں گے۔ (۳) اور ہم کسی
امر میں مسلمانوں کے ساتھ تشبیہ اور
مشابہت نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ ٹوپی
میں نہ عمامہ میں نہ جوتے میں نہ سر کی
مانگ میں (۴) ہم ان جیسا کلام نہ کریں
گے (۵) اور نہ مسلمانوں جیسا نام اور کنیت
رکھیں گے (۶) اور نہ زمین پر گھوڑے کی
سواری کریں گے (۷) اور نہ تلوار لٹکائیں
گے (۸) اور نہ کسی قسم کا ہتھیار بنائیں گے
اور نہ اٹھائیں گے (۹) اور نہ اپنی مہروں پر
عربی نقش کندہ کرائیں گے (۱۰) اور نہ
شراب کا کاروبار کریں گے (۱۱) اور سر کے
اگلے حصہ کے بال کٹائیں گے (۱۲) اور
ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر
رہیں گے (۱۳) اور اپنے گلوں میں زنار
لٹکائیں گے (۱۴) اور اپنے گرجوں پر

ان نوقر المسلمین ونقوم لهم
من مجالسنا ان ارادوا
الجلوس ولا نتشبه بهم فی
شیء من ملا بسهم فی
قلنسوة ولا عمامة ولا نعلین
ولا فرق شعر ولا نتکلم
بکلامهم ولا نکتنب بکناهم
ولا نرکب السروج ولا نقلد
السیوف ولا نتخذ شیئاً من
السلاح ولا نحمله ولا نقش
خواتیمنا بالعربیة ولا نبیع
الخمور وان نجز مقادیر رؤسنا
وان نلزم زینا حیث ما کنا
نشدد الزنا نیر علی اوساطنا وان
لا نظهر الصلیب علی
کنائسنا وان لا نظهر صلیبا
ولا کتبنا من کتب دیننا فی
شیء من طریق المسلمین ولا
اسواقهم ولا نضرب بنوا قیسنا
فی کنائسنا الا ضرباً خفیفاً
ولا نرفع اصواتنا مع موتانا ولا
نظهر النیران معهم فی شیء
من طرق المسلمین

رواہ حرب باسناد جید
(اقتضاء الصراط المستقیم
ص ۵۸)

صیب کو بند نہ کریں گے (۱۵) اور
مسلمانوں کے کسی راستہ اور بازار میں اپنی
مذہبی کتاب شائع نہ کریں گے (۱۶) اور ہم
اپنے گرجاؤں میں ناقوس نہایت آہستہ
بجائیں گے (۱۷) اور ہم اپنے مردوں
کے ساتھ آوازیں بلند نہ کریں گے (۱۸)
اور ہم اپنے مردوں کے ساتھ آگ نہیں
لے جائیں گے، (یہ مجوس کے متعلق ہے
جو آگ کی پرستش کرتے تھے۔)

اس روایت کی سند نہایت عمدہ اور کھری ہے۔

عبدالرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ فاروق عظیم اور نصارائے شام کے مابین جو
شرائط امن طے پائے وہ تحریر میں لکھی (جس میں عددہ شرائط مذکورہ کے یہ شرائط بھی تھے)
ان لاندحت فی مدینتنا ولا فی
ما حولها دیرا ولا کنیسة
ولا صومعة راہب ولا نجدد
ما خرب منها ولا نحیی ما
کان خططا للمسلمین وان
لانمنع کنائسنا ان یزلها
احد من المسلمین فی لیل
اونهار وان نوسع ابوابها
للمارة وابن السبیل وان ننزل
من رأینا من المسلمین ثلاثة
ایام نطعمهم ولا نؤوی فی
کنائسنا ولا منازلنا جاسوسا

(۱۹) اور ہم اپنی آبادی میں کوئی نیا گرجا
نہیں بنائیں گے (۲۰) اور جو گرجا خراب
ہو جائے گا اسکی تجدید نہیں کریں گے (۲۱)
اور جو خطہ زمین مسلمانوں کے لئے ہوگا ہم
اس کو آباد نہیں کریں گے (۲۲) اور کسی
مسلمان کو دن ہو یا رات کسی وقت بھی اپنے
گرجا میں اترنے سے نہ روکیں گے (۲۳)
اور اپنے گرجاؤں کے دروازے مسافروں
اور گزرنے والوں کے لئے کشادہ رکھیں
گے (۲۴) اور تین دن تک مسلمان مہمان
کی مہمانی کریں گے (۲۵) اور اپنے کسی
گرجا اور کسی مکان میں مسلمانوں کے

ولا نکتم غشا للمسلمین ولا
نعلم اولادنا القرآن ولا نظهر
شركا ولا شرکا ولا ندعو اليه
احدا ولا نمنع احدا عن ذوی
قربتنا الدخول فی الاسلام ان
ارادوا۔

جاسوس کو ٹھکانہ نہیں دیں گے (۲۶) اور
مسلمانوں سے کسی غل و غش کو پوشیدہ نہ
رکھیں گے (۲۷) اور اپنی اوراد کو قرآن کی
تعلیم نہیں دیں گے (۲۸) اور کسی شرک کی
رسم کو ظاہر اور علانیہ طور پر نہ کریں گے
(۲۹) اور نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے
(۳۰) اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو اسلام میں
داخل ہونے سے روکیں گے۔

عبدالرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شرائط نامہ لکھ کر فاروق اعظم
کے ملاحظہ کیئے کہ سرس منے۔ رکھا تو فرمایا کہ اس تحریر میں اتنا اضافہ اور کر دو۔

ولا نضرب احدا من
المسلمین شرطنا لكم ذالك
على انفسنا واهل ملتنا
وقبلتنا عليه الامان فان نحن
خالفنا فی شیء مما شرطناه
لكم ووظفنا فی انفسنا فلا ذمة
لنا وقد حل لكم منا ما يحل
من اهل المعاندة والشقاق
(تفسیر ابن کثیر ص ۳۴ ج ۲
سورة توبه تفسیر آیت
جزیة)

اور ہم کسی مسلمان کو ماریں گے نہیں یعنی
تکلیف نہیں پہنچائیں گے ہم نے انہی
شرائط پر اپنے لئے اور اپنے اہل مذہب
کے لئے امان حاصل کیا ہے پس اگر ہم
نے شرائط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کی
خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد اور امان ختم
ہو جائے گا۔ اور جو معاملہ اہل اسلام کے
دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ہے وہی ان
کے لئے روا ہو جائے گا۔

(نصاری کا اقرار نامہ ختم ہوا۔)

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سر سے پیر تک انگریزی یا ہندو لباس میں غرق ہو جائے
تو کیا اس کے اعتقاد تو حید و رسالت میں کوئی فرق آجائے گا یا اس لباس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

جواب

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا مردانہ لباس تو اتار دیں اور دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ کا کنبو اب کا پا جامہ اور سرخ ریشمین اور زرین کرتا اور بنارسى دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار ڈال کر۔ باہر تشریف لا کر دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمائیں تو کیا آپ بیگم صاحبہ بن جائیں گے اور کیا آپ کی باطنی رجولیت میں کوئی فرق یا خلل آجائے گا اور دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمانا کیا گوارا کریں گے، امید ہے کہ آپ کو اپنے اصول و قاعدہ کی بناء پر اس کو گوارا کرنا چاہئے کیونکہ آپ کے نزدیک ظاہری مشابہت میں کوئی حرج نہیں محض لباس میں کیا رکھا ہے اور جب انگریزی لباس سے مسلمان کا فر نہیں بن جاتا تو کیا ایک مرد بیگم صاحبہ کا لباس پہن لینے سے عورت یا بیگم صاحبہ بن جائے گا، محض زنانہ لباس سے اس کی رجولیت اور مردانگی میں کیا فرق آجائے گا۔

اور علیٰ ہذا اگر کوئی شخص۔ کسی محنت (بیجوزے) کا لباس پہن لے تو کیا حقیقتہً وہ محنت ہو جائیگا بے شک زنانہ لباس سے فی الحال تو مرد عورت نہیں بن جائے گا لیکن اگر خدا نخواستہ چند روز اسی زنانہ اور مخدثانہ لباس میں گزر گئے تو آپ دیکھ لیں گے کہ چند روز کے بعد آپ کے اخلاق و اعمال زنانہ اور مخدثانہ ہو جائیں گے اور آپ کا لب و لہجہ اور طرز کلام اور نشست و برخاست زنانہ اور مخدثانہ ہو جائیں گے کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے اسی طرح ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ اچھے اعمال سے قلب منور ہوتا ہے اور بُرے اعمال سے قلب تاریک ہوتا ہے۔

پس اسی طرح سمجھیے کہ انگریزی یا ہندوانہ لباس سے فی الحال اگرچہ اسلامی عقائد میں خلل نہیں آیا لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ آئندہ چل کر بھی اس کے باطنی اعتقاد میں خلل نہ آئے گا۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک تمہارا اسلامی عقیدہ اندر سے محفوظ ہے اس وقت تک تو تم انگریزی اور ہندوانہ لباس کے استعمال سے عیسائیوں اور مشرکوں کے فقط مشابہ ہو اور حسب ارشاد نبوی من تشبه بقوم فهو منهم۔ بڑم تشبہ کے مجرم ہو۔ اور خدا نخواستہ اور خدا نخواستہ اور خدا نخواستہ جس دن تمہارے ظاہر کا اثر تمہارے باطن میں پہنچ جائے اور اسلامی عقائد میں بھی خلل آجائے تو سمجھ لینا کہ تم اس وقت مشرکین اور نصاریٰ کے مشابہ

نہیں رہے بلکہ خود نصرانی اور مشرک ہو گئے جو حکم ان کا ہے وہی ان کا ہے۔ اگرچہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کریں۔ ایسا اسلام قومی اسلام کہلائے گا شرعی اسلام نہ کہلائے گا۔ شرعی اسلام وہ ہے کہ جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو۔

قانون پاکستانی وہ ہے کہ جو پاکستانی حکومت کے قوانین کو مانتا ہو۔ اور دشمنان حکومت کی وردی کے استعمال سے اپنے کو محفوظ رکھتا ہو اور جو شخص پاکستان کے قوانین اور احکام پر نکتہ چینی کرتا ہو اور بھارت کی وردی پہن کر بازاروں میں پھرتا ہو اگرچہ ایسا شخص قومی حیثیت سے پاکستانی ہو مگر حکومت کے قانون اور ضابطہ سے وہ دشمنان حکومت میں سے ہے۔

ہمارے اس بیان سے ایک اور شبہ کا بھی جواب نکل آیا وہ یہ کہ کوئی یہ کہے کہ زنانہ لباس پہننے میں قباحیت یہ ہے کہ عورت دوسری جنس ہے اور مرد دوسری جنس ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ جنسیں ہیں ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت کی اجازت نہیں جیسے حکومت کی نظر میں وفادار اور باغی دو الگ الگ قسمیں ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں اگرچہ وہ دونوں ایک ہی باپ کی اولاد اور ایک خاندان کے دو فرد ہوں، اسی طرح اسلام کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ قسمیں ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں ہوالذی خلقکم فممنکم کافر ومنکم مؤمن اور جس طرح تمام متمدن حکومتوں میں یہ قانون ہے کہ حکومت کے دشمن اور باغی کو صدارت اور وزارت کا منصب نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اسلام کہتا ہے کہ دشمن اسلام (کافر) کو اسلامی حکومت کا امیر اور وزیر نہیں بنایا جاسکتا۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

اسلامی لباس کی تعریف

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ۔

کسی فعل اور عمل کو اسلامی کہنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آں حضرت ﷺ نے خود

اس کا مکوکیا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہو اور اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ پس جس امر سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہو وہ امر غیر اسلامی ہوگا اور جس کو خود کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو وہ امر اسلامی کہلائے گا، مثلاً جو کی روٹی کھانا آپ کی سنت فعلی ہے اور اس پر عمل کرنا اعلیٰ اور افضل ہے اور خمیری روٹی اور بریانی اور مرغ تنجن کا استعمال جائز ہے کیونکہ ان لذائذ اور طیبات کی شریعت سے اجازت ثابت ہے اور کتے اور خنزیر اور شراب کا استعمال غیر اسلامی ہوگا کیونکہ شریعت میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح لباس کو سمجھ لو کہ جو لباس آں حضرت ﷺ نے خود استعمال کیا مثلاً کرتا اور لنگی اور چادر اور رُحہ اور عمامہ لباس اسلامی ہے ہی۔ اور جو لباس آنحضرت ﷺ نے خود استعمال نہیں کیا مثلاً پاجامہ اور سلیم شاہی جوتہ اور اچکن اور صدری لیکن آپ کی شریعت سے ان کی اجازت ثابت ہے ممانعت نہیں فرمائی جیسے ریشمین کپڑوں اور زعفرانی رنگ اور ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پاجامہ پہننے کی ممانعت فرمائی تو یہ ریشمی اور زعفرانی لباس غیر اسلامی لباس کہلائے گا۔

اسی طرح قرآن و حدیث سے اعداء اللہ۔ (دشمنان خدا) یعنی کافروں کے تشبہ سے ممانعت ثابت ہے اس لئے کافروں جیسا لباس پہننا جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ شخص یہودی ہے یا نصرانی ہے یا مجوسی ہے یا ہندو ہے بلاشبہ ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا، گاندھی کی دھوتی اور انگریزی ٹوپ اور پتلون اور کرزن فیشن سب کا ایک ہی حکم ہے، یہاں سے اہل فیشن کے اس شبہ کا بھی حل ہو گیا کہ جو علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر کوٹ و پتلون غیر اسلامی ہے تو علماء کے لمبے لمبے کرتے اور اچکنیں اور سلیم شاہی جوتے بھی غیر اسلامی لباس ہوں گے کیونکہ حضور پر نور اور آپ کے صحابہ کرام سے اس قسم کا لباس اور اس قسم کا معاشرہ تاریخ اور سیرت سے کہیں ثابت نہیں۔

جواب

یہ ہے کہ جس چیز کی حضور پر نور نے قولاً یا فعلاً اجازت دی ہو وہ سب شرعی اور اسلامی کہلائے گا اور جس چیز کی ممانعت فرمائی ہو وہ سب غیر اسلامی اور غیر شرعی کہلائے گا، حضور پر نور نے اس قسم کے کرتے اور اچکنیں اور جوتے اگرچہ نہیں پہنے اور اس قسم کے کھانے پلاؤ

اور زردے اور کوئٹے اور شمی کباب نوش نہیں فرمائے لیکن اس قسم کے توسعات اور سمعات حاصل کرنے کی آں حضرت نے اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ حدود شرعیہ میں داخل رہیں اور اس قسم کے توسعات اور سمعات اور عیش و عشرت کے سامان خلافت راشدہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور جو اسباب راحت۔ حدود شرعیہ میں تھے ان پر صحابہ کرام نے انکار نہیں فرمایا۔ لایہ کہ جن خاص حضرات پر زہد کا خاص رنگ تھا تو وہ باریک کپڑے پہننے اور درہم و دینار کے جمع کرنے سے بھی منع فرماتے تھے۔

موسیا آداب دانا دیگرند
سوختہ جانا رواتان دیگرند

خلاصہ کلام

یہ کہ جو لباس اور جو کھانا اور پینا اور جو وضع قطع اور جو معاشرہ حدود شرعیہ کے اندر رہے گا وہ اسلامی کہلائے گا اور جو لباس اور جو کھانا اور جو وضع قطع حدود شرعیہ سے خارج ہوگی وہ غیر اسلامی کہلائے گی۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

زاهد اسمعیل میں زنا کا دورانہ ڈال

یا برہمن کی طرف ہو یا مسلمان کی طرف

اب یہ حقیر و فقیر سراپا تقصیر سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ سوم کو اس دعا پر ختم کرتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ



حصہ چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ط
دَلٰیْلُ نُبُوْتٍ وَبِرَاحِمِیْنِ رَسَالَتٍ
یعنی

معجزاتِ نبوی ﷺ

حق جل شلئے نے بندوں کی ہدایت کے لئے انسانوں اور آدمیوں میں سے نبی اور رسول بھیجے تاکہ ان پر گزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بندوں تک اپنے احکام پہنچائے اور اَلنَّسْتُ بِرَبِّکُمْ کا بھولا ہوا وعدہ ان کو یاد دلانے اور اپنی حجت ان پر تمام کرے لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ اور حضراتِ انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد مخلوق کو اطاعتِ خداوندی میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور اُن کی ظاہری صورت اور دوسرے انسان کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، اس لئے حق تعالیٰ نے اُن کو معجزات عطا فرمائے جو اُن کی صداقت کی دلیل اور برہان ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرماتا ہے۔
فَذٰلِکَ بُرْہَانِنِ مِنْ رَبِّکَ !
یہ عصا اور ید بیضا کا معجزہ تیرے پروردگار کی طرف سے تیری رسالت کی دوروشن دلیلیں ہیں۔

ہر دعوے کے لئے دلیل ضروری ہے اور جیسا دعویٰ اسی کے مناسب دلیل چاہیے پس جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فرستادہ خداوند ذوالجلال ہوں اور اس کا سفیر

ہوں اور اس کے احکام اور ہدایت لے کر آیا ہوں ہذا اس کی صداقت ثابت کرنے کے لئے نبیؐ طور پر ایسے امور کا ظہور ضروری ہے کہ جس کے مثل لانے سے مخلوق بالکل مجبور اور معذور ہوتا کہ مخلوق ان خارق عادت امور کو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہو ادیکھ کر یہ یقین کر لے کہ یہ تائید ربانی اور کرشمہ یزدانی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بلا کسی سبب ظاہری کے اس مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے اور دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ معجزہ جو ظاہر ہو رہا ہے محض اللہ کا فعل ہے۔ معاذ اللہ۔ رسول کا فعل نہیں اور نہ رسول کے ارادہ اور اختیار کو اس میں کوئی دخل ہے۔ اور نہ کسی صنای اور جعلی تدبیر سے وقوع میں آیا ہے بلکہ محض قدرت خداوندی سے ظاہر ہوا ہے کیونکہ ایسا کرشمہ دکھانا انسان کی قدرت اور صنعت اور تدبیر سے باہر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اور اسی کے اتباع سے بندہ خدا تک پہنچ سکتا ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی کے دامن پکڑنے میں ہے معجزہ کو دیکھتے ہی (بشرطیکہ دل عناد اور حسد اور کجی سے پاک ہو) نبی کے سچے ہونے کا بے اختیار دل کو یقین آجاتا ہے اور نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے، اندرونی طور پر نفس میں انکار اور تکذیب کی مجال نہیں رہتی نبوت و رسالت کا دعویٰ ایک امر عظیم ہے، اس لئے اس کے اثبات کے لئے برہان بھی عظیم چاہیے۔ پس معجزہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے، جب نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کے غلبے اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے، دلائل عقلیہ میں دشمن کے نزاع اور جدال کا راستہ بالکل بند نہیں ہوتا مگر معجزات اور آیات پینات کے مشاہدہ کے بعد سوائے عناد اور ازلی بد نصیبی کے کفر اور انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ معجزہ ظاہر و باطن کو عاجز کر کے چھوڑتا ہے۔

سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب کے آخر میں یعنی آخری نبی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر نبوت اور پیغمبری ختم ہوئی، جن کی پیغمبری سے دین کامل ہو گیا اور مکارم اخلاق پورے ہو گئے، جب یہ مقصود حاصل ہو گیا اور دین اور اخلاق دونوں پورے اور کامل ہو چکے تو حضور پر نور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی، حضور کے خلفاء اور دین کے علماء جو اسلام کے مددگار اور مہم جو ہیں قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اس کی اشاعت کے واسطے کافی ہوئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ دین تو کامل ہو گیا۔

پس خاتم الانبیاء کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے اس کا وجود فالتو اور بے کار ہے حق تو یہ

ہے کہ نبی امی۔ فداہ نفسی وابی وامی ﷺ کے لئے کسی معجزہ اور نشان کی ضرورت نہیں، آپ کی صورت اور آپ کی سیرت آپ کی رفتار، آپ کی گفتار، آپ کا کردار، ہر چیز آپ کی معجزہ اور آپ کی صداقت کا نشان تھی لوگ صورت دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں
 دردل ہر امتی کز حق مزہ است
 روئے و آواز پیمر معجز است

مردھقانی کی پیشانی کا نور
 کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ اور احوال و اعمال اور عادات و خصال اور آپ کے انتظام اور تدبیر خلایق اور سیاست مملکیہ پر نظر کی جائے کہ آپ نے کس طرح مختلف طبیعتوں اور متضاد مزاجوں کو ایک قانون الہی کا شیدائی اور فدائی بنادیا۔

نیز حضور پر نور نے مخلوق خدا کو جو قوانین شریعت عطا کیے اُن کے حقائق اور دقائق اور نکات اور اشارات اور باریکیوں اور گہرائیوں کی تحقیق اور تدقیق میں اُمت کے علماء محققین اور فقہاء مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے، ان امور میں اگر غور و فکر کیا جائے تو عقل سیم کو ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا کہ ان تمام امور کی سرانجام دہی بلاتا سید نبی محض طاقت بشری اور کسی تدبیر اور حیلہ سے ناممکن اور محال ہے۔ ایسے اخلاق و فاضلہ اور ایسی شریعت کا مد کا ظہور کسی جھوٹے اور فریبی شخص سے تصور میں نہیں آ سکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور پر نور محض امی (ان پڑھ تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا اور نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ ہی طلب علم کے لئے کوئی سفر کیا، ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے یتیم اور بیکس تھے، ان حالات میں بغیر مکھے اور پڑھے علم و حکمت کا چشمہ آپ کی زبان مبارک سے جاری ہو جانا اور ایسے علوم و معارف کا آپ کی زبان فیض تر جمان سے ظاہر ہونا کہ اولین اور آخرین میں اس کی کہیں نظیر نہ ہو، بغیر وحی الہی کے اس چیز کا حاصل ہونا ناممکن ہے، محض انسانی طاقت اور فراست ان امور کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے۔

اور علیٰ ہذا آپ کے بے مثال اخلاق و عادات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ ذات والا صفات خداوند ذوالجلال کی برگزیدہ اور پسندیدہ ہستی ہے۔ جس پر خدا کا غضب ہوتا ہے

اُسے بد اخلاق اور بد اعمال بنادیتا ہے نیز باوجود بے سرو سامانی کے عرب و عجم پر آپ کے خادموں کی فحشیاں اور کامرانی یہ بھی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تائید ربانی اور فضل یزدانی آپ کے ساتھ ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری امور آپ کی صداقت کے اثبات کے لئے کافی اور وافی تھے لیکن ہم ان ظاہری امور کے علاوہ آپ کی صداقت کے کچھ باطنی نشانات یعنی کچھ معجزات بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی ادنیٰ عقل والے کو بھی آپ کی صداقت میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس کے بعد امام غزالی نے مختصر طور پر آں حضرت ﷺ کے چند معجزات کو بلا تفصیل کے ذکر فرمایا۔

تعداد معجزات

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے معجزات ایک ہزار تک پہنچے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک ہزار دو سو تک پہنچے ہیں اور بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ذکر فرمائی ہے اور ائمہ حدیث نے معجزات نبوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے دلائل النبوة امام بیہقی اور امام ابو نعیم کی۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک مستقل کتاب آپ کے معجزات میں لکھی ہے جس میں ایک ہزار معجزات ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں، اس لئے کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب و غریب مصالح اور اسرار و حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق لمعادت ہے اور معجزہ ہے، علماء نصاریٰ نے عہد قدیم کی معجزات کی تعداد ۶ لکھی ہے۔ اور حضرت مسیح کے معجزات حمل کے وقت سے لے کر آسمان پر جانے تک ۲۷ گنائے ہیں اور پھر آپ کے حواریین کے بیس معجزات شمار کیے ہیں لیکن ان واقعات کے لکھنے والوں کے پاس ان معجزات کی نہ کوئی

۱ احیاء سوم ابن دین۔ للفرغ۔ ج ۳، ص ۳۴۲، واتحاف شرح احیاء العموم۔ مطبعہ الترید، ج ۷، ص ۱۶۴-۱۶۸۔
 ۲ قال ابی ذر العسقلانی ذکر النووی فی مقدمہ شرح مسلم ان معجزات النبی ﷺ تزیید علی الاف ومائتین وقال ابی یحییٰ فی المدخل بلغت الف وقال الزہدی من الخفیفۃ ظہر علی یدیه الف معجزۃ وقیل ثلاثۃ آف وقد اکتفی بجمعہا جماعۃ من الائمة کابی نعیم والبیہقی وغیرہما فتح الباری ص ۴۲۵ ج ۶ باب علامات النبوة فی الاسلام

سلسلہ سند موجود ہے اور نہ اس کے راویوں کے اور نہ مقلموں کی عدالت اور ثقاہت کی کوئی دلیل موجود ہے، بخلاف معجزات محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والیہ الف تیجہ کے کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور متصل اسانید کے ساتھ مروی ہیں اور صد ہا ان میں سے متواتر اور مشہور ہیں اور جلالت شان اور غربت اور ندرت میں تمام انبیاء کرام کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔

اقسام معجزات

آں حضرت ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ تمام عالم کے لئے ہے اور قیامت کے دن تک کے لئے ہے، اس لئے حق جل شلہ نے آپ کو جملہ اقسام عالم سے معجزات اور نشانات عطا فرمائے تاکہ عالم کی ہر چیز آپ کی نبوت کی دلیل اور برہان ہو اور عالم کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے کہ جو آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے اس لئے کہ معجزہ۔ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے، پس جبکہ عالم کی تمام انواع و اقسام میں سے آپ کے معجزات ہوں گے تو عالم کی تمام انواع و اقسام آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد اور گواہ ہوں گی۔

اور تاکہ تمام انبیاء و مرسلین پر آپ کی برتری روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ آپ کے تنہا معجزات تمام انبیاء کے کل معجزات سے زیادہ ہیں اور کسی کو آپ کی نبوت میں شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے حق جل شلہ نے آپ کو جو معجزات اور نشانات عطا فرمائے وہ دو قسم کے ہیں ایک عقلی اور دوسرے حسی۔ عقلی وہ ہیں جن کے سمجھنے میں عقل درکار ہوتی ہے اور اس قسم کے معجزات کو وہی لوگ سمجھتے ہیں کہ جو دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور معجزات حسیہ وہ خارق عادت امور ہیں کہ جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے ایسے معجزات کے طلب گار اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

معجزات عقلیہ

پہلا عقلی معجزہ

آں حضرت ﷺ کی صورت اور سیرت اور ایسے بے مثال اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ و جمیلہ اور آپ کے کمالات علمیہ و عملیہ ہیں۔ اہل عقل کے لئے یہ آپ کی نبوت

ورسالت کی دلیل عقلی تھی جو شخص آپ کی صورت اور آپ کی سیرت کا مشاہدہ کرتا وہ بالبداہت اس بات کا یقین کر لیتا کہ جس ذات بابرکات میں ایسے اخلاق اور اعمال اور ایسے کمالات عملیہ جمع ہوں جو نہ کسی نے دیکھے ہوں اور نہ سُنے ہوں وہ ذات بلاشبہ برگزیدہ خداوندی ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمام عالم سے ایک ممتاز اور جدا صوت اور سیرت پر پیدا کیا ہے ایسے کمالات کا کسب و اکتساب اور مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔

انتخابِ دفتر تکوینِ عالم ذاتِ او

برتر از آیاتِ جملہ انبیاء آیاتِ او

مشرقِ صبح وجودِ او سوا مشکوٰۃِ او

مستنیر از طلعتِ او ہر قریب و ہر بعید

(از حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ)

دوسرا عقلی معجزہ

حق جل شانہ نے آپ کو ایک کامل اور معجز کتاب یعنی قرآن کریم عطا فرمائی جو آپ کی نبوت کا معجزہ دائمہ ہے جو حکمتِ علمیہ اور حکمتِ عملیہ اور حکمتِ اخلاق اور تدبیرِ منزلی اور سیاستِ ملکیہ اور طہارتِ ظاہری اور طہارتِ باطنی کے علوم و معارف کا ایک بے مثال خزانہ اور گنجینہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی معجز اور لا جواب کتاب کا ایک اتنی شخص کی زبان سے ظاہر ہونا کہ جس نے نہ کسی استاد سے تعلیم پائی اور نہ کسی مکتب کا دروازہ چھانکا ہو اور نہ کسی عالم اور حکیم کی صحبت اٹھائی ہو سوائے وحی ربانی اور تعلیمِ یزدانی اور الہامِ رحمانی اور القاءِ غیبی و آسمانی اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم حضورِ نور کا سب سے بڑا معجزہ ہے جس کی جانب زوال اور انقطاع کو راہ نہیں اور ایسے تواتر سے منقول ہے کہ ایسا تواتر دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں اور ایسے لا جواب علوم و معارف کا خزانہ ہے کہ بڑے سے بڑے حکماء اور مدعیانِ عقل اس کا جواب نہیں لاسکے کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے کسی چیز میں بھی دنیا کی کوئی کتاب قرآن کریم کا مقابلہ

نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ کر سکے گی۔ اب ہم اس سے زیادہ کیا کہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھ دے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہیں ہوا کہ اس کی ایک چھوٹی ہی سی سورت کا مثل پیش کر سکے آپ کے عہد نبوت سے لے کر اب تک ہر قرن میں عربی زبان کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء جو دین اسلام کے مخالف تھے اور ہیں کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔

حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ اپنے ایک قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

خاص کر دش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
نخم جمش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدی بہر رشید

قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں موجود ہیں

حافظ فضل اللہ تور بشتی اپنے رسالہ عقائد۔ المعتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں حضرات انبیاء جب من جانب اللہ دعوت حق پر مامور ہوتے ہیں تو ان کو اثبات دعویٰ کے لئے بطور حجت معجزہ عطا ہوتا ہے گویا کہ دعوت اور حجت دو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا چیزیں ہیں مگر ہمارے پیغمبر ﷺ کو صرف قرآن مجید کا ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس میں دعوت اور حجت دونوں چیزیں جمع کر دی گئیں۔ قرآن کریم۔ معنی کے لحاظ سے دعوت اور وجوہ بلاغت اور وجوہ اعجاز کے لحاظ سے حجت و دعوت ہے پس قرآن کی حجت خود اس کی نفس ذات میں ہے اور اسی میں اس کی دعوت بھی مضمر ہے پس کیا قرآن کریم کے شرف اور فضل کے لئے یہ کافی نہیں کہ ایک ہی چیز میں دعوت اور حجت دونوں جمع ہیں اور دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ انتہی کلامہ ملخصاً۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گرد لیے باید ازوے رومتاب

تیسرا عقلی معجزہ

بعد ازاں حافظ توربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کے حالات زندگی بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہیں جن میں غور کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ ابتداء حال میں ایک یتیم تھے نہ آپ کے پاس کوئی قوت تھی جس کے ذریعے لوگوں کو اپنی بات منواتے، نہ صاحب مال و جاہ تھے کہ اس کی لالچ اور طمع دے کر قریش کو فریفتہ کرتے اور نہ آپ کسی سلطنت اور ریاست کے مالک اور وارث تھے کہ لوگ بطمع روزی و حصول جاہ آپ کی پیروی کرتے بلکہ آپ تنہا اور بے یار و مددگار تھے، کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا، حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی آپ کے مخالف اور دشمن جان تھے۔ آپ توحید کے منادی بن کر آئے اور تمام جزیرۃ العرب شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا اور غارت گری، اور زنا کاری اور مردار خوری وغیرہ وغیرہ اس قوم کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ جب آنحضرت کی دعوت ظاہر ہوئی تو یک بارگی اُن کا حال بدل گیا اور سب یک دل اور یک زبان اور یک جان ہو کر دین حق پر متفق ہو گئے اور اُن کی حرص اور طمع اور شہوت رانی اور تمام برائیاں یکنخت مبدل بمکارم اخلاق اور محسن اعمال ہو گئیں اور دین حق کے اتباع میں ایسے سرشار ہوئے کہ اس کے لئے مشقت اور درویشی اور اہل و عیال کی مفارقت کو اختیار کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں پانی کی طرح بہا دیا جس میں کسی دنیاوی غرض کے شائبہ کا بھی احتمال نہیں اور اس ناہنجار قوم کو اس قابل بنادیا کہ دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں کو بیک وقت زیر و زبر کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا۔ کسی نے کیا خواب کہا ہے۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پروروں کے ہادی ہو گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

انسان جب ان حالات اور انقلابات میں غور و تامل کرے تو وہ بہ یقین جان لے کہ

ایسے کارہائے نمایاں کسی عقلی اور فکری تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے آدمی کی قوت اور سعی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی، یہ کرشمہ یزدانی اور تائید آسمانی ہے جو کہ خداوند علیم و قدیر کے حکم و تقدیر کے سوا ممکن نہیں اور بندہ کے کسب اور اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ قرآن کریم میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ لَوْ أَنْفَقْتَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا لَّأَجْرُكَ وَأَنْتَ فِي عِلِّيِّينَ۔ اَللّٰهُ يَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ اِنَّ اللَّهَ يَخْتَارُ مَنْ يَّهْدِي ۚ وَلَٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ اے نبی کریم اگر آپ اس ناہنجار قوم میں موانعت اور موافقت پیدا کرنے کے لئے روئے زمین کے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو آپ ان میں اُلفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان میں محبت اور اُلفت پیدا کر دی۔

چوتھا عقلی معجزہ

آں حضرت ﷺ کا علماء توریت اور انجیل کے سامنے علی الاعلان یہ بیان فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ظہور اور بعثت کی خبر توریت اور انجیل میں دی ہے اور انبیاء سابقین نے یہ اطلاع دی ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا جس کی نبوت تمام انس و جن کے لئے یکساں ہوگی اور اے اہل کتاب تم کو اس کا علم ہے لہذا تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ آپ کے اس دعوے اور اس محبت کے بعد بہت سے اہل کتاب ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ بے شک وہی نبی برحق ہیں جن کی توریت اور انجیل میں پہلے سے خبر دی گئی ہے۔

اور بہت سے اہل کتاب باوجود اس علم کے حسد کی بناء پر ایمان نہیں لائے حالانکہ آپ کے ظہور سے پہلے علماء اہل کتاب ان بشارات کو نقل کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آن پہنچا ہے۔ ان کو یہ خوف ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے بعد ہماری سرداری ختم ہو جائے گی اس لئے ایمان نہیں لائے، مگر یہ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ قرآن کریم کی ان آیات کی تکذیب کر سکے جن میں حضور پر نور کے متعلق یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر توریت اور انجیل میں ہے بلکہ قرآن کریم نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل میں ہے۔ کما قال تعالیٰ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ اور علماء اہل کتاب یہ نہیں کہہ سکے کہ معاذ اللہ۔

قرآن کریم کی یہ خبر غلط ہے اور توریت اور انجیل میں نہ حضور پر نور کی کوئی بشارت مذکور ہے اور نہ آپ کے صحابہ کا ذکر ہے۔ جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہو رہی تھیں کہ اس نبی انہی کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے تو اس وقت ملک میں ہزار ہا علماء یہود اور نصاریٰ موجود تھے۔ اگر قرآن کریم کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو علماء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے تاکہ جو یہود و نصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور آئندہ کو کوئی یہودی اور عیسائی اپنا دین چھوڑ کر مسلمان نہ ہو جائے۔

پانچواں عقلی معجزہ

جس وقت آل حضرت یونس علیہ السلام دنیا میں مبعوث ہوئے اس وقت تمام دنیا گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قسم قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھی اس وقت زیادہ تر دنیا میں چھ مذہب رائج تھے۔

اول مذہب مجوس: جو ایران اور فارس سے لے کر خراسان اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا کسریٰ کی حکومت اس مذہب کی سرپرست تھی۔ مجوس دو خدا کے قائل تھے یزدان اور اہرمین اور آگ کی پرستش کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے اور بیٹی اور بہن سے نکاح کرتے تھے اور پھوپھی اور خالہ کا تو ذکر ہی کیا۔

دوم مذہب عیسوی: یہ مذہب شام اور عراق وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔ قیصر روم چونکہ مذہباً عیسائی تھا، اس لئے یہ مذہب شاہان روم کی سرپرستی میں نشوونما پا رہا تھا۔ یہ لوگ تثلیث اور اہیت اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے قائل تھے۔

سوم مذہب یہود: جو توریت کو مانتے تھے مگر ضد اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء کو نصیحتوں پر قتل کر ڈالنا ان کا دستور ہو گیا تھا۔ کما قال تعالیٰ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ ۚ يَهُودَ أَكْثَرِينَ میں اور خیبر اور مدینہ کے اطراف و جوانب میں رہتے تھے جب جاہ و مال اور دین فروشی اور مسائل پر رشوت ستانی اور صحف انبیاء میں تحریف ان کا خاص شعار تھا۔

چہارم مذہب مشرکین: یعنی بت پرستوں کا مذہب جو بتوں کو پوجتے تھے، یہ مذہب جزیرۃ العرب اور ہندوستان میں شائع تھا۔

پنجم مذہب صابئین: جو روحانیت کے قائل تھے اور کواکب اور نجوم کی پرستش کرتے تھے، یہ مذہب حران اور عراق میں زیادہ رائج تھا۔ نمرود کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر اسی مذہب کے تھے جن کی ہدایت کے لئے حق تعالیٰ نے حضرات ابراہیم حنیف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا حق جل شانہ کے اس ارشاد اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِیِّیْنَ وَالنَّصَارِیَ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِیْنَ اٰشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۱ اس آیت میں ان ہی پانچ مذاہب کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کی بعثت کے وقت دنیا میں رائج تھے۔

ششم مذہب دھریہ: گزشتہ آیت قرآنیہ میں جن پانچ مذاہب کا ذکر ہے، وہ تو مشہور تھے، ان کے علاوہ ایک فرقہ دہریہ تھا جس کا قول حق تعالیٰ نے یہ نقل فرمایا۔ وَقَالُوا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَنَمُوْتُ فَحِیَا وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدُّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۲ اور جا بجا قرآن کریم میں فرقہ دھریہ کا رد مذکور ہے۔

اس فرقہ کے رد میں اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”اثبات صانع عالم وابطال دہریت و مادیت“ ہے طبعین حق اس کی مراجعت کریں

دنیا میں مذہب اسلام کی آمد

اور آنحضرت ﷺ یہ دین حق لے کر دنیا میں تشریف لائے دنیا میں اس وقت یہ مختلف مذاہب موجود تھے اور سلاطین اور امراء اور والیان ریاست کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے اور دین اسلام ان سب ادیان اور مذاہب کے خلاف تھا اور جو اس مذہب اسلام کو لے کر آیا وہ ایک یتیم اور بے کس اور اُتھی تھا، اس نے مبعوث ہونے کے بعد دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ہر ملت اور ہر مذہب کا دلائل اور براہین سے ایسا رد کیا کہ دنیا حیران رہ گئی

اور بڑے بڑے زیرک اور عقلاء اور فضلاء یہود و نصاریٰ سے آپ کے مناظرے ہوئے مگر تمام فضلاء مل کر بھی آپ کی کسی دلیل اور برہان پر نقض نہ وارد کر سکے حالانکہ آپ اُمّی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، قرآن کریم اور حدیث نبوی مذاہب باطلہ کی تردید اور ابطال سے بھرا پڑا ہے یہ اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ مُلَہِم من اللہ اور مَوَدِّ من اللہ تھے، اس لئے کہ باوجود اُمّی ہونے کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے حق کو ثابت کر دینا اور دنیا کے تمام مذاہب کو دلائل سے باطل کر دکھانا بدون الہام ربانی اور تائید رحمانی ناممکن اور محال ہے، تیرہ سال کی مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور پھر ہجرت کے ایک سال بعد بحکم خداوندی معاندین حق سے جہاد و قتال کا آغاز فرمایا اور حسب وعدہ خداوندی مظفر و منصور ہوئے اور ان غزوات و سرایا میں تائیدِ نبی کے وہ عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہوئے کہ دشمنان حق ان کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ اس بے سروسامانی میں یہ حیرت انگیز کامرانی اور ساز و سامان والوں کے ان فقیروں اور درویشوں کے مقابلہ میں ناکامی اور یہ ذلت و رسوائی بدون تائید آسمانی ناممکن اور محال ہے، بالآخر جب مجبور ہو گئے تو حق کے سامنے گردن ڈال دی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔

چھٹا عقلی معجزہ

آپ کا غیب کی خبریں دینا اور پھر ذرہ برابر اس کے خلاف نہ ہونا اور نہ ان کا غلط ہونا اور انبیائے سابقین اور ائم سابقہ کے واقعات کو اس طرح بیان کرنا کہ گویا آپ اس موقع پر موجود تھے اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور کانوں سے سن رہے تھے اور منافقین اور منافقین اور دشمنوں کے دلی خطرات اور خیالات کو برملا بیان کرنا جن کا حال حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں شرح طور پر موجود ہے، یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ شخص صاحب وحی ہے اس لئے کہ اس طرح کی پیشین گوئیاں محض عقل سے ناممکن اور محال ہیں ایسی خبروں کا علم کہ جو عقل اور وہم اور قرآن اور دلائل سے کہیں بالا اور برتر ہوں سوائے وحی ربانی اور القاء یزدانی کے نہیں ہو سکتا۔

ساتواں عقلی معجزہ

آپ کا مستجاب الدعوات ہونا بھی آپ کے نبی برحق ہونے کی صریح دلیل ہے آپ نے جو دعاء فرمائی وہ بارگاہِ الہی میں قبول ہوئی۔

معجزاتِ حسّیہ

حق جل شانہ نے آپ کو ان عقلی اور باطنی نشانات کے علاوہ جن کو ہم بیان کر چکے ہیں بے شمار ظاہری اور حسی نشانات بھی عطا فرمائے جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے جیسے کفار مکہ کی درخواست پر آپ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور آپ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا جس سے قریباً بیڑھ ہزار اصحاب سیراب ہو گئے اور سب نے وضو کیا اور بہائم کو پانی پلایا۔ اور پھر بقدر حاجت برتنوں و مشکیزوں میں بھر کر رکھ لیا۔ اور تھوڑے طعام کا ایک لشکرِ عظیم کی سیری کے لئے کافی ہو جانا اور آپ کے بلانے سے درختوں کا حاضر ہو جانا اور شجر اور حجر کا آپ کو سلام کرنا اور زہر آلود بھٹی ہوئی بکری کے دست کا دسترخوان پر بولنا اور آپ سے یہ کہنا:-

”کہ مجھے تناول نہ فرمائیے دشمنوں نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے۔“ اور آپ کے ہاتھ میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا وغیرہ تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اللہ کا برّزیدہ بندہ اور اس کا رازدار اور اس کا نائب اور اس کا سفیر ہے جو اس کے احکام اور ہدایات کو لے کر آیا ہے، اس لئے کہ قدرتِ خداوندی کے جو عجیب و غریب کوششے اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ سفارتِ خداوندی کی شان امتیازی کے نشانات ہیں۔ قدرتِ بشریہ ان کوششوں کے ظاہر کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے ایسے عجیب و غریب خوارق کا ظہور بدون تائیدِ ایزدی ناممکن اور محال ہے معلوم ہوا کہ یہ شخص موبدِ من بند ہے اور اس شخص کو ایسی ذاتِ بابرکات کی غیبی تائید حاصل ہے کہ جس کے دستِ قدرت میں طبعیات اور عنصریات و فطریات کی باگ ہے کہ جب چاہتا ہے تو اپنے اس برّزیدہ بندہ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تو اس کی انگلیوں سے بلا سبب ظاہری چشمے جاری

کر دیتا ہے تاکہ ماہرینِ طبعیات اور شیفگان اسبابِ بطل کو معلوم ہو جائے کہ کوئی ذات ایسی بھی ہے جو کسی سبب اور کسی علت کی پابند نہیں۔

اوست سلطان آنچہ خواہمی کند

اور یہ مدعی نبوت جس کے ہاتھ پر غیبی کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اسی قادر مطلق اور خدائے برحق کا فرستادہ ہے کہ جو اسبابِ فلکی اور عنصری کا خالق اور مالک ہے۔ اور ان غیبی کرشموں کے ظاہر کرنے سے خالق مطلق کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق پر یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ جس طرح حضور پر نور کی زبان فیضِ ترجمان۔ خداوند علیم و حکیم کے علم و حکمت کا آئینہ ہے، اسی طرح حضور پر نور کا دست مبارک خداوند قدیر کے دست قدرت کا آئینہ ہے کہ جس کے ذریعہ قدرت غیبیہ کے عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کما قال تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔^۱ وقال تعالیٰ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ^۲ ایک بشر کے ہاتھ پر ایسے خوارق کا ظہور کہ جو بلاشبہ قدرتِ بشری سے خارج ہوں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے ہاتھ کے پیچھے دست قدرت پوشیدہ طور پر کارفرما ہے اور اس نبی کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اس نبی کا فعل نہیں۔

مارمیت اذرمیت گفت حق کار حق برکار ہا دارد سبق
گرہر اینم تیراں نے زماست ماں کمان وتیر اندازش خداست
اور جب ان امتیازی نشانات سے لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور پر نور اللہ کے برگزیدہ بندہ اور اس کے نائب اور اس کے سفیر ہیں تو لوگ آپ کو مستحق اطاعت جانیں گے اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھیں گے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ معجزات کے عنایت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ عوام کو آپ کی نبوت کا یقین آجائے اور نبی کے حق میں یہ معجزات منصبِ سفارت کے لئے بمنزلہ سند اور دستاویز کے ہو جائیں معجزات تو

آپ کے بے شمار ہیں مگر ہم اس وقت صرف ان معجزات کو ذکر کرتے ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور ان میں سے ہر ایک اگرچہ حد تو اترا تو اترا کونہ پہنچ ہو مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جس سے ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کے افراد اگرچہ فردیت اور احدیت کی شکل میں ہیں اور تو اتر کی حد کو نہیں پہنچے، مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ جس کے بعد شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت دنیا میں ضرب المثل ہو گئی یہود کے نزدیک حضرت موسیٰ کا معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضاء حضرت موسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص حضرت عیسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے اسی طرح یہ تمام معجزات محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔

اور عیسائیوں کا آں حضرت ﷺ کے معجزات سے انکار کرنا ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ یہود حضرت مسیح کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔

معجزات نبوی کی تفصیل

اب ہم اس گہنی اور اجمالی بیان کے بعد معجزات نبوی ﷺ کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

معجزہ کی تعریف

معجزہ اُس امر خارق للعادة کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو، تاکہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص برگزیدہ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب سے یہ کرشمہ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ تائیدِ نبی اس کی پشت پر ہے، یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ

کر سکے ہذا اگر کسی کو صحت و رفداح درکار ہے تو وہ صرف اس برتریدہ ہستی پر ایمان لائے اور اس کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے جس برتریدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب اور سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا ہو اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے کیا ہو سکتا ہے۔ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ۔

معجزاتِ علمیہ اور معجزاتِ عملیہ

معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک معجزاتِ عملیہ اور ایک معجزاتِ علمیہ۔ معجزہ عملی اس کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے ہاتھ سے ایسا عمل یعنی ایسا کام ظاہر ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے سب عاجز آجائیں۔ اور معجزہ علمی اس کا نام ہے کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم اور معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا اس سے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کی مثل لانے سے عاجز ہو۔ حق جل شہد نے آنحضرت ﷺ کو دونوں قسم کے اس قدر کثیر معجزات عطا فرمائے جو حد احصاء اور شمار سے باہر ہیں۔

قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے

آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو علمی معجزہ ہے اور تمام انبیاء کے معجزات سے بڑھا ہوا ہے۔ سب جانتے ہیں۔ علم و عمل پر شرف ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں استادوں کی تعظیم کی جاتی ہے اور ہر سررشتہ میں افسران کی تنخواہ اہلکاروں سے زیادہ ہوتی ہے، یہ شرف علم ہی کا تو ہے۔ محنت تو اہل کار زیادہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم۔ آنحضرت ﷺ کا علمی معجزہ ہے اور آپ کے معجزات میں عمدہ ترین معجزہ ہے، ایسا معجزہ اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں ہوا۔ سب انبیاء اور مرسلین کے معجزے ایک خاص وقت میں ظاہر ہوئے اور ختم ہو گئے اور معجزہ قرآن ایسا معجزہ ہے کہ جس کی جانب رواں انقطاع کو راہ نہیں، ابتداء نزول سے لے کر اب ۱۳۸۳ھ ہو گیا اسی طرح بالآخر تبدل اور بلا کم و کاست پائی اور محفوظ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ معجزہ تا قیام قیامت اسی طرح قائم رہے گا جس طرح آپ پر نازل ہوا تھا۔

وجوہ اعجاز

علماء نے اپنی کتابوں میں مختلف طریقوں سے قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت کیا ہے جو بہت ہیں ہم ان میں سے اُن چند وجوہ کو بیان کرتے ہیں جو بالکل صاف اور صریح ہیں۔

اعجاز قرآن کی پہلی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا چرچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا، حق تعالیٰ نے اُن کو شفاء مرضی اور احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے عہد کرامت مہد میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ عرب لوگ اپنے سوا تمام ممالک کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔ جس سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کا عطا کیا جس کی فصاحت اور بلاغت اور سلاست اور دل آویزی اور لطافت کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصیح و بلیغ جزرے اور یہی معجزہ کی تعریف ہے کہ جس کے مقابلے سے دنیا عاجز اور درماندہ ہو۔ معجزہ خود نبی کی قدرت سے بھی باہر ہوتا ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام تھا حضور پر نور کا کلام نہ تھا جس طرح تمام عالم اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز تھا اسی طرح یہ قرآن خود حضور پر نور کی قدرت سے بھی نہ تھا حضور پر نور کا کلام حدیث ہے، اس میں اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے، فصحاء عرب کے مجمع میں آپ نے فُتُوْا بِسُوْرَةِ بَنی مِثْلَہ کا ذکر کیا کہ اگر تمہیں اس قرآن کے کلام الہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم سب مل کر انا اعطینا جیسی سورت بناؤ قرآن نے لکار لکار کر کفار کو متاثر کیا اور تمہاری دعوت دی مگر تمام فصحاء عرب اس کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے حالانکہ کلام الہی ان الفاظ اور حروف سے مرکب ہے جن سے اُن کا کلام مرکب تھا اور وہی عربی زبان سے جو اُن کی زبان تھی۔ اور پھر مزید برآں آنحضرت ﷺ محض انہی تھے نہ کسی سے پڑھانہ لکھا اور نہ کسی علم کی صحبت نصیب ہوئی پھر ایسا کلام معجز نظام اور حقائق و معارف استیام آپ کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام، اللہ کا کلام ہے کسی بشر کا

کلام نہیں، آں حضرت ﷺ کا اس کلام سے صرف یہ تعلق ہے کہ جبریل امین۔ حق تعالیٰ کا جو کلام بطور وحی و پیغمبر لے کر آپ پر نازل ہوئے آپ نے وہ بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دیا تا کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں باعتبار بلاغت کے سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں، اس لئے کہ اِنَّـا اَعْطَيْنَاكَ الْكِتٰبَ الْكَوْنُ اِسْمِیْ جیسی چھوٹی سورت میں دس کلمے ہیں اور تمام کلام اللہ میں تقریباً ستر ہزار کلمے ہیں سو جب ستر ہزار کو دس پر تقسیم کیا جائے تو خراج قسمت سات ہزار سات سو ہوگا، پس قرآن کریم میں سات ہزار سات سو معجزے ہوئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض بے وقوف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اور کتب میں بھی ایسی ہیں کہ جو اپنی نظیر نہیں رکھتیں، جیسے شاہنامہ فردوسی اور گلستان سعدی۔

جواب

یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کو معجزہ کی حقیقت اور اعجاز کی کیفیت معلوم نہیں قرآن کریم کا اعجاز اس وجہ سے ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ کفار عرب کے سامنے قرآن کریم کو پیش کیا اور بیاہنگِ ذہل بڑے زور سے کہا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور میرا معجزہ ہے اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو اس کے مقابلے میں ایسا فصیح و بلیغ کلام بنا کر پیش کرے، تینیس سال تک مسلسل یہ منادی اور چیلنج ہوتا رہا مگر کوئی شخص اس کے مثل ایک سطر بھی بنا کر نہ آسکا اور سارا عالم اس کے مقابلے اور معارضہ سے عاجز اور درماندہ رہا بتلانے والے بتلائیں کہ کیا یہ تحدی اور مقابلہ کی دعوت اور کس کتاب میں کہاں واقع ہوئی اور کس نے تحدی اور مقابلہ کی دعوت دی اور کس مقام پر مخیطین کا معرکہ ہوا محض انعدامِ نظیر کا نام اعجاز نہیں۔ بسا اوقات حسن، جمال اور خوبی و مکمل کی بنا پر کسی علم کو یا کسی تصنیف کو بے نظیر اور بے مثل کہہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ تصنیف یا یہ مصنف معجزہ ہے۔

نیز بسا اوقات انسان اپنے زعم میں کسی چیز کو بے نظیر سمجھتا ہے اور واقع میں اس کی نظیر

موجود ہوتی ہے، شاہنامہ فردوسی کے مقابلے میں مرزا محمد تورانی مختص بہ آشوب نے صولت فاروقی ایک کتاب لکھی جو شاہنامہ فردوسی سے بہتر ہے جس میں فردوسی پر اکثر جرح کرتا ہے۔ نیز یہ کہ معجزہ کے لئے لازم ہے کہ وہ امر خارق للعادة ہو اس میں اسباب ظاہری کا کوئی دخل نہ ہو۔ سحر اور معجزہ میں فرق یہی ہے کہ سحر تعلیم اور تعلیم اور کسب و اکتساب سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم اور تعلیم سے حاصل ہو سکے۔

اور ظاہر ہے کہ سعدی اور فردوسی نے سالہا سال تعلیم اور تعلیم کی محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں اور برسوں مدرسوں میں پڑھے اور استادوں کی جوتیاں سیدھی کرتے رہے اور ان سے پڑھتے رہے اور اصلاح لیتے رہے، پس اگر سالہا سال کی محنتوں اور مدتوں کی مشاقی اور جدوجہد کے بعد ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا تو وہ نہ محل تعجب ہے اور نہ اس کو معجزہ کہا جاسکتا ہے۔

ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں بڑے بڑے فاضل اور ادیب اور انشا پرداز گزرے ہیں جیسے عربی میں بدیع الزمان ہمدانی اور حریری مگر وہ معجزہ نہیں۔ اور فارسی میں سعدی اور فردوسی اور انگریزی میں ملٹن اور سنسکرت میں کاسیداس اور اردو میں محمد حسین آزاد اور حالی وغیرہ وغیرہ۔

جن کا کلام اپنے ہمعصروں کے کلام سے فائق اور ممتاز ہو گیا تو یہ سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں کا ثمرہ ہے کوئی معجزہ نہیں۔

اس سلسلے میں بعض خوش فہم فیضی کی بے نقط تفسیر کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بظہر ہے آج تک اس کا جواب نہیں ہو سکا، اس کا جواب خود فیضی کی زبان سے سنیں کہ وہ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں قرآن کریم کو خدا کی اتاری ہوئی کتاب مانتے ہیں اور اس کے سوا تمام علوم اور کتب کو در دسر قرار دیتے ہیں، چنانچہ فیضی کہتے ہیں۔

العلوم کلہا صداع الا علم کلام اللہ و کلام اللہ لا عدہ
تمام علوم، سوائے علم قرآنی کے سب در دسر ہیں اور کلام اللہ کے مناقب کی کوئی شمار نہیں
لمحامدہ ولا حد لمکارمہ ولا
اور اس کے محاسن کی کوئی انتہا نہیں اور اس
حصر لرسومہ ولا احصاء کی صداقت کے ثبات غیر محصور ہیں اور

لعلومہ وما علمہ علوم کلام
 اللہ کلہا احدا لا اللہ ورسولہ
 واولو العلم ما علموا الاعداد
 علوم قرآن اس درجہ بے شمار ہیں کہ ان کا
 احاطہ ممکن نہیں۔ جو علوم قرآن کریم میں
 ہیں ان کو بہ تمام دُعا سوائے خدا اور اس
 کے رسول کے کوئی نہیں جانتا اور تمام اہل
 علم کو مل کر جو قرآن کا علم ہاتھ آیا ہے وہ اس
 کے غیر محدود علم کا ایک محدود حصہ ہے۔

کلام اللہ کے متعلق یہ خود فیضی کا اقرار اور اعتراف ہے۔ اب اس اقرار کے بعد فیضی کو
 شہادت میں پیش کرنا سخت بے حیائی اور ڈھٹائی ہے اور مدعی سُست اور گواہ پُست کا
 مضمون ہے۔

اور اگر بالفرض، ہتقدِ ریاضی اور مدعی اور فردوسی قرآن کی طرح دنیا کو مقابلہ کا پرزور
 چیلنج کرتے تو نہ معلوم کتنے شہنامے اور کتنی گلستانیں غلامانِ نبی امیؐ زندہ نفسی والی وامیؐ لکھ
 کر دنیا کے سامنے ڈال دیتے۔

اعجاز کی دوسری وجہ

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ علوم ہدایت کا جامع ہے، جو شخص قرآن کریم کے
 علوم اور معارف کی تحقیق و تفتیش کرے گا تو اس کو اس کتاب میں عقائد اور اعمال اور تہذیب
 اخلاق اور تمدن اور معاشرت اور اصول حکومت و سیاست اور ترقی روحانیت اور تحصیل
 معرفت ربانی اور تزکیہ روحانی اور حکمرانی اور عدل عمرانی اور وصول الی اللہ اور قربِ یزدانی کے
 وہ تمام قواعد اور سامان اس کو اس کتاب میں نظر آئیں گے جس کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل اور
 اس کی زبان گواہی دیں گے کہ بلاشبہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور یقیناً یہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب
 ہے۔ ایسے علوم اور معارف کا خزانہ اور گنجینہ تو عالم کے تمام حکم بل کر بھی نہیں پیش کر سکتے چہ
 جائیکہ ایک امی قوم کے ایک امی فرد سے اس کی توقع کہ وہ ایک جامع کتاب دنیا کے سامنے
 پیش کرے کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی صلاح اور فلاح کی غیل اور ذمہ دار ہو اور حقوق
 خداوندی اور حقوقِ اعباد اور حقوقِ نفس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہو اور عالم کے تمام

مذہب باطلہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مجوس اور صابئین کا دلیل اور برہان کے ساتھ رد کرتی ہو اور کسی مذہب کے عالم میں یہ قدرت نہ ہو کہ وہ لائل قرآنی کا جواب دے سکے۔ کیا یہ اس امر کی دلیل اور برہان نہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

اعجاز کی تیسری وجہ

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ کی خبروں پر مشتمل ہے کہ جن چیزوں کا نام و نشان اور وہم و گمان نہ تھا اور انسانی اور اک ان کے تصور سے بھی قاصر تھا قرآن کریم نے پیشتر سے ان کے وقوع اور ظہور کی خبر دی اور پھر بلا کم و کاست قرآن کریم کی خبر کے مطابق وہ چیز واقع ہوئی، جیسے آپ نے ہجرت سے پہلے بمقام فارس رومیوں کے غلبہ کی خبر دی کہ قال تعالیٰ اَلَمْ غَلِبَتْ الرُّومُ فِیْ اَآذُنِی الْاَرْضِ الْاَیَۃ۔ اور غزوہ بدر میں کفار کی شکست کی خبر دی سَیْهَزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ اور دین اسلام کے ظہور اور غلبہ کی خبر دی کہ قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلٰی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَغَیْرہ وَغَیْرہ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ پیشین گوئیوں کے بیان میں آئے گی۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نے آئندہ کے محقق جو خبریں دی ہیں وہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح قرآن کریم نے ان کی خبر دی تھی۔

اور علیٰ ہذا قرآن کریم کا انبیاء سابقین کے قصص اور اہم سابقہ کے واقعات اور حالات پر مشتمل ہونا مثل قصہ سیدنا ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت یوسف و غیرہ ہم اور قصہ ذوالقرنین اور قصہ اصحاب کہف و غیرہ جن کا پورا علم علماء اہل کتاب کو بھی نہ تھا۔ نبی امیؐ فداہ ابی وامی نے جب ان آیات کو علماء اہل کتاب کے سامنے تلاوت کیا تو کوئی انکار نہ کر سکا۔ حضرات اہل علم اگر وجوہ اعجاز کی تحقیق اور تفصیل چاہیں تو قاضی ابوبکر بغدادی کی عجاز القرآن اور شفاء قاضی عیاض میں بحث اعجاز القرآن کی مراجعت کریں۔

اور اردو میں اس ناچیز نے بھی ایک مختصر رسالہ ”عجائب القرآن“ کے نام سے لکھا ہے، اس کو دیکھ لیں۔

حدیث نبوی، دوسرا معجزہ

قرآن کریم کے بعد آپ کا سب سے بڑا معجزہ حدیث نبوی ہے جس کو شریعت اور ملت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی کامیت اور جامعیت کو دیکھ کر ادنیٰ عقل والا اس یقین پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ ایسے فوق الحقل اور فوق الفطرت دستور اور آئین کا منبع اور سرچشمہ سوائے خداوند عظیم و حکیم کی ذات بابرکات کے کوئی ذات انسانی نہیں ہو سکتی، خاص کر کہ جو ذات انسانی محض امی ہو جس نے نہ لکھ ہو نہ پڑھا ہو اس کی زبان سے ایسے محیر العقول علوم و معارف کا چشمہ کیسے جاری ہوا معلوم ہوا کہ اس امی نبی کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ درحقیقت پس پردہ لسان غیب بول رہی ہے موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں سے جو آواز سنی وہ درحقیقت درخت کی آواز نہ تھی بلکہ وہ آواز خداوند قدوس کی تھی اور یہ درخت بمنزلہ ٹیلیفون کے تھا کہ جو عالم غیب کی آواز کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ رہا تھا۔

اسی طرح اُس نبی امی فدائے نفسی وانی و امی کو سمجھو کہ اس کی زبان فیض ترجمان سے جو نکل رہا تھا وہ وحی ربانی اور آوازیزدانی تھی۔ معاذ اللہ نطق نفسانی نہ تھا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از خلقوم عبد اللہ بود

اس لئے کہ شریعت اسلامیہ جن عقائد اور اعتقادات کی تعلیم دیتی ہے، وہ خرافات اور بے اصل باتوں سے پاک اور منزہ ہیں اور عقلی اور عقلی اور فطری دلائل سے ثابت ہیں جن کی نسبت یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ عقائد قطعاً صحیح اور واقعی ہیں۔

اور شریعت اسلامیہ نے جن مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اولین اور آخرین کے صحیفوں میں اس کی نظیر نہیں اور علیٰ ہذا شریعت اسلامیہ نے جن عبادات اور معاملات اور افعال و اعمال کا حکم دیا وہ بیشمار حکمتوں اور مصدحتوں پر مبنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جو تفصیل اور مبداء اور معاد کے جو دلائل عقیدے شریعت اسلامیہ نے حل کیے ہیں وہ عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہیں۔

اور علماء فرنگ کا اقرار ہے کہ توریت اور انجیل اور عہد قدیم اور عہد جدید کے تمام صحیفے تعلیمات اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

نیز دنیا میں انبیاء اور حکماء اور سلاطین اور علماء لاکھوں کی تعداد میں نزرے مگر جس حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ اس حضرت ﷺ کی حرکات اور سننات اور آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور کلمات کو محفوظ کیا گیا۔ اولین اور آخرین میں اس کی نظیر نہیں۔ ایک آپ کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے افعال و اقوال کے روایت کرنے والے ہزار ہا راویوں کی زندگیاں اس لئے زیر تحقیق لائی گئیں کہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے شک و شبہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے علم اسماء الرجال اور علم الاسناد اور علم اصول احادیث اسی کی خاطر ایجاد ہوئے جن کا منشاء صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور اعمال ایسے محفوظ ہو جائیں کہ سلسلہ سند اور طرق اور اسانید کو دیکھ کر پڑھنے والے کو ایسا علم یقینی حاصل ہو جائے کہ جو یقینی مشاہدہ کے مساوی اور ہم مرتبہ ہو صحیح ستہ اور دوسری کتب احادیث کو دیکھنے سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ کس حیرت انگیز انتظام اور اہتمام سے حدیث نبوی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور حضرات محدثین نور اللہ مرقدہم نے احادیث نبوی کی صحت اور جانچ پڑتال کے لئے کس قدر سخت ضوابط اور قواعد مرتب کیے ہیں۔

مؤطا امام مالک اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ دنیا کے سامنے موجود ہیں، مگر کسی ملحد اور زندیق کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ ایک لفظ کی بھی کمی اور بیشی کر سکے۔

پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے ایک ایک حدیث کو تحقیق اور تدقیق کی کسوٹی پر کس کی ہر ایک حدیث کے تمام راویوں کا حال بتلادیا اور ہر حدیث کا درجہ قائم کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا غریب ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے۔

پھر لطف یہ کہ اس حضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی روایت کرنے والا پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے جس میں سے بحمدہ تعالیٰ ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغ گو ثابت نہیں ہوا۔ صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اتنی بڑی جماعت میں سے کسی فرد واحد کی نسبت آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اس نے کبھی جھوٹ بولا ہو یہ اس نبی اُمّی فداہ نفسی والی و امی کا اعجاز ہے کہ اس کے تربیت یافتہ افراد میں سے ایک فرد واحد بھی جھوٹا نہیں نکلا۔ ان پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عالم طور پر

کذب اور دروغ سے محفوظ پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف اپنی طرف سے کوئی بات نسبت کرنا گنہ کبیرہ اور جرم عظیم ہے۔

آج دنیا میں کوئی حضرت مسیح کا پیرو یہ نہیں بتا سکتا کہ ان کا سلسلہ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ اور کس سند سے ان کو یہ انجیلیں اور حواریین کے رسائل اور خطوط ملے اور اس سلسلہ سند کے راوی کون کون لوگ ہیں اور کون ان میں سے ثقہ اور معتبر ہے اور کون غیر معتبر علماء نصاریٰ حضرت مسیح کا ایک کلمہ بھی سند متصل کے ساتھ نہیں پیش کر سکتے۔ اور حضرات محدثین کا یہ حال ہے کہ بغیر سند کے کوئی لفظ ان کی بارگاہ میں قابل التفات بھی نہیں اور حدیث کی مشہور کتابیں اسی محفوظ زمانے اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب اور مدون ہوئیں اور مدون و مرتب ہو جانے کے بعد ان کے مصنفین ہی کے زمانے سے لوگوں نے ان کا پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور آج تک ان کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود ہیں اور مشرق و مغرب کے علماء کے زیر درس ہیں۔ غور تو کیجئے کہ ایک ذات بابرکات قدسی صفات کے اقوال و افعال کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام اور یہ اہتمام کیا انسانی تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ ہے حاشا کہ۔ یہ صرف تائید ربانی اور فضل یزدانی کا کرشمہ ہے کہ جو پردہ غیب سے نبی اُمّی ﷺ کے حدیث کی حفاظت کے لئے نمودار ہوا ہے علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم و فنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گرجاتا ہے اور بلاشبہ جو ذات تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے قیامت تک کے لئے بادی اور رہبر بن کر آئی اس کی زندگی اور اس کے اقوال و افعال ایسے ہی معجزانہ طریقہ پر محفوظ ہونے چاہئیں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے اور جو شخص اس نبی اُمّی کی زندگی کو آنکھ سے دیکھنا چاہے تو حدیث نبوی کے پردہ سے اُس کو دیکھ سکے۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے یہ حدیث نبوی ﷺ کے اس اعجاز کا بیان تھا کہ جس کا تعلق روایت حدیث سے ہے، یعنی الفاظ حدیث کی بے مثل حفاظت سے متعلق ہے۔

اور اگر حدیث نبوی کے اعجاز کو روایت اور تفقہ کے اعتبار سے دیکھنا چاہتے ہو تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کی کتابیں دیکھو جس سے تم کو یہ معلوم ہوگا کہ قوانین شریعت کس درجہ دقیق اور عمیق ہیں کہ جن کے استنباط اور استخراج میں علماء امت اور فقہاء ملت کس درجہ حیران

اور پریشان رہے باوجود غایت فہم و ذکا و نصوص شریعت کی تحقیق اور تدقیق میں عمریں گزاریں اور یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

نہ حسرت غایتی دارونہ سعدی راخن پایاں
بمیردشنہ مستقی و دریا بچنیں باقی

جس طرح حضرات محدثین کا وجود نبی اُمّی ﷺ کا ایک معجزہ ہے اسی طرح حضرات فقہاء کا وجود بھی نبی اُمّی ﷺ کا ایک معجزہ ہے فرق اتنا ہے کہ پہلا معجزہ روایت کا ہے اور دوسرا معجزہ درایت کا ہے۔

علمائے اُمتِ محمدیہ۔ تیسرا معجزہ

منجملہ معجزات کے اس اُمت کے علماء و صلحاء آپ کی نبوت و رسالت کا معجزہ ہیں کہ حق جل شانہ نے آپ کی اُمت کو خیر الہام بنایا اور انبیاء کرام کا وارث بنایا۔ اور ایسا بے مثال حافظ اور بے نظیر علم و فہم عطاء کیا کہ اولین و آخرین میں اُس کی نظیر نہیں حضرات محدثین کو قوت حافظہ میں رسالہ کاتبین کا نمونہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوت اجتہاد و استنباط عطاء کی اور فہم و ادراک و نکتہ سنجی و دقیقہ رسی میں ملکہ مقررین کا نمونہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبت کی دولت سے نوازا اور عرشِ عظیم اور بیتِ معمر کا لیل و نہار طواف کرنے والے فرشتوں کا نمونہ بنایا اُمت میں علماء اسلام جیسا علم اور فہم اور تحقیق و تدقیق کا نام و نشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصنیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کاریگری میں حیرت انگیز کوششیں دکھائیں، مگر ان قوموں میں توریث اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریث و انجیل از بر یاد ہوا اور نہ یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظ و عالم پیدا ہوا جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ و دانستہ تحریف کر ڈالی ہو ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسا حافظ حدیث ہونا ناممکن ہے اور محال ہے اور نہ یہ دوا و نصایح کے اولین و آخرین میں ابو حنیفہ اور شافعی جیسا فقیہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین و دنیا اور

اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور معاشرت اور سیاست ملکیہ و مدنیہ کے تمام مسائل کو تو ریت و انجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کر سکے اور نہ ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی اور غزالی اور رازی جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدان مباحثہ و مناظرہ میں نکلے تو عقائد اسلام کی تحقیق کے لئے عقلی و نقلی دلائل کا لشکر اُس کے ساتھ ہو اور باطل کی گردن پر اس کی تیغ بے دریغ چل رہی ہو اور دنیائے اسلام کی سرفرازی اور سر بلندی اور کفر و باطل کی ذلت و خواری اور سرنگونی کا تماشا دنیا دیکھ رہی ہو اور نہ جنید و شبلی اور بایزید اور معروف کرخی جیسا عبد و زاهد اور خداوند ذوالجلال کا عاشق اور مجنون کسی امت میں پیدا ہوا۔

اور نہ خلیل بن احمد اور سیبویہ جیسا علم اعراب کا موجد و امام کسی امت میں ہوا اور نہ عبد القہر جر جانی اور سعد الدین تفتازانی جیسا اسرارِ بلاغت اور دلائلِ اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔

علماء یہود اور علماء نصاریٰ۔ عبرانی یا سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی سن العرب اور قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھلائیں، جمال الدین ابن حاجب اور جامی کا تو ذکر کیا کروں میزان و منشعب اور صرف میر و نحو میر جو علم صرف و نحو کی بالکل ابتدائی کتابیں ہیں۔ روئے زمین کے علماء یہود و نصاریٰ عبرانی و سریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان و منشعب تو دکھلائیں، بطور نمونہ ان چند علوم کا ذکر کر دیا آگے قیاس کرو۔

یہود اور نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علماء اسلام کا شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو یہ علمی اور اخلاقی ترقی نہیں بلکہ یہ کاریگری ہے، اس میں دن بدن اور ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی اور عملی اور اخلاقی ترقی سب آں حضرت ﷺ کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعت اسلام کی اتباع کی برکت سے علم و حکمت کے دروازے کھل گئے اور امت محمدیہ میں ایسے بے مثل علماء و فضلاء و راویاں اور اتقیا پیدا ہوئے کہ کسی امت میں ان کی نظیر نہیں۔

چوتھا معجزہ

وہ غیبی سوازیں ہیں کہ بہت سے کابنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں میں سنائی دیں کہ

یہ نبی برحق ہیں جو من جانب اللہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور ان ہی کی متابعت میں نجات ہے۔ اس قسم کے معجزات کا بیان خصائص کبریٰ للسیوطی میں از ص ۱۰۱ ج ۱ تا ۱۰۱ دیکھو۔

پانچواں معجزہ

یہ ہے کہ شجر اور حجر میں سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپ کی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰہ اور ایک بر حضور پر نور نے درخت کو بلایا، تو وہ حسب الحکم حاضر ہو گیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہو گیا۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں

منجملہ دلائل نبوت آپ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق گزشتہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو بشارتیں دی ہیں کہ خرزما نے میں ایک کامل نبی ملک عرب میں مبعوث ہونے والا ہے۔

اور اسی بناء پر اہل کتاب اُس نے اے نبی کے منتظر تھے، اسی لئے بہت سے ذی علم مخلص اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ حضرت یونس علیہ السلام کے دعوائے نبوت کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور بہت سے علماء اہل کتاب آپ کے ظہور سے پہلے ان بشارت کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارت کی صحت کی گواہی دیتے تھے۔ اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان نے تنہور کا زمانہ قریب آگیا مگر باوجود اس علم اور یقین کے ازراہ حسد و عناد آپ کی محنت پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ کے دشمن ہو گئے۔ مآ قل تعالے

الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ
وَإِنْ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ
الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی توریت و انجیل دی وہ آپ کو خوب پہچانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی اور اہل کتاب آپ کی صورت و شکل کو دیکھ کر آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کی صورت و شکل دیکھ کر پہچانتے ہیں اور تحقیق ان میں کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں۔

بالفرض والتقہیر آپ کی نبوت کی بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور نہ ہوتیں تو علماء یہود

ونصارئ بر ملا آپ کی تردید کرتے اور جن مجلسوں میں جہاں اس قسم کی آیتیں النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل تلاوت کی جاتی تھیں وہاں جا کر کھلم کھلا یہ کہتے کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود و نصاریٰ کو اس سے آگاہ کرتے بلکہ مشرکین مکہ کو جو آپ کے خاص دشمن تھے ان کو آگاہ کرتے اور جو یہود و نصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ نیز آپ کا علماء یہود کے مدارس میں جا کر تحدی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں کہ جس کی توریت و انجیل میں خبر دی گئی ہے، یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا یقین صادق اور جزم واثق تھا۔

کتب تاریخ اور سیر میں بالتفصیل یہ حالات مذکور ہیں کہ اکثر علماء یہود و نصاریٰ کو صحف سابقہ کی پیشین گوئیوں کی بناء پر اس حضرت ﷺ کی پیدائش اور بعثت کا زمانہ معلوم تھا۔

۱۔ چنانچہ سیف ذی یزن حاکم یمن نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کے قریب زمانہ میں خبر دی تھی کہ آپ کے خاندان میں نبی آخر الزمان پیدا ہونے والا ہے۔

۲۔ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ آپ کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا جہاں ایک نصرانی عالم بحیراراہب نے آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی خبر داری رکھنا یہ نبی آخر الزمان ہوگا، میں نے کتب سماویہ میں نبی آخر الزمان کی جو علامات دیکھی ہیں وہ سب کی سب اس میں موجود ہیں۔ یہودی اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ جس کا مفصل قصہ گزر چکا ہے۔

۳۔ دوسری مرتبہ آپ پچیس سال کی عمر میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ وہاں نسطوراراہب نے آپ کو بغوردیکھا اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ شخص نبی آخر الزمان ہوگا۔ ہمارے نوشتوں میں جو علامات خاتم الانبیاء کی لکھی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ یہ قصہ بھی ابتداء کتاب میں مفصل گزر چکا ہے۔

۴۔ پھر ابتداء بعثت میں جب حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو یہی کہا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے، یہ قصہ بھی ابتداء کتاب میں گزر چکا ہے۔

۵۔ حضرت سلمان فارسی ابتداء مجوسی تھے، اُس مذہب سے بیزار ہو کر یہودی مذہب اختیار کیا،

لیکن یہودیت سے بھی قلب کو تسکین میسر نہ آئی تو یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گئے علماء نصاریٰ سے نبی آخر الزمان کی جو پیشین گوئیاں سنیں وہ خوب یاد تھیں آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان آپ کی خبر سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی پیشین گوئیاں میں سن چکا ہوں۔ یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

۶۔ نجاشی شاہ حبشہ نے بھی انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کے موافق پا کر آپ کو نبی آخر الزمان تسلیم کیا اور مشرف باسلام ہوا، یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

۷۔ پھر مکہ میں جب آپ نے قیصر روم یعنی ہرقل کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے بھی آپ کے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ اقرار کیا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور جن کا ہم کو انتظار تھا۔ یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

تمہیدی امور

قبل اس کے کہ ہم کتب سابقہ سے آنحضرت ﷺ کی بشارتوں اور خبروں کو ذکر کریں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالبان حق کی تنبیہ کے لئے چند امور ذکر کر دیں تاکہ اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

امرِ اوّل

یہود و نصاریٰ کا یہ خیال خام ہے کہ کسی نبی کی نبوت ثابت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ انبیاء سابقین نے اس نبی کی آمد کی پیشین گوئی کی ہو اور اس آنے والے نبی کی نشانیاں لوگوں کو بتلائی ہوں کہ جس مدعی نبوت میں یہ نشانیاں پائی جائیں وہ نبی صادق ہے ورنہ کاذب اور پھر علماء یہود و نصاریٰ اپنے اس خود تراشیدہ معیار کی بناء پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ کتب سابقہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی پیشین گوئی نہیں اور جو پیشین گوئیاں علماء اسلام پیش کرتے ہیں وہ حضور پر نور پر منطبق نہیں۔

۱۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ خود تراشیدہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ اثبات نبوت کیلئے نبی

سابق کا نبی لاحق کی خبر دینا ضروری نہیں اس لئے کہ اگر نبی لاحق کی نبوت کا ثبوت نبی سابق کی خبر موقوف ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔

۲۔ حضرت حزقیل اور حضرت دانیال اور حضرت اشعیاء وغیرہم جن کا نبی ہونا اہل کتاب کے نزدیک مسلم ہے، ان کا ذکر اور ان کی خبر کتب سابقہ میں موجود نہیں معلوم ہوا کہ اصل نبوت کا دار و مدار معجزات اور علامات نبوت پر ہے۔ البتہ نبی سابق کا۔ نبی لاحق کے ظہور اور بعثت کی خبر دینا یہ اُس آنے والے نبی کی جلالت قدر اور عظمت شان پر دلالت کرتا ہے، رہا انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کا حضور پر نور پر انطباق سوانشاء اللہ تعالیٰ ہر بشارت کے ذیل میں خوب واضح ہو جائے گا۔

۳۔ علماء نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء سابقین نے حضرت مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے مگر یہود کے سلف اور خلف حضرت عیسیٰ کے پیشین گوئیوں کے قطعاً منکر ہیں۔ اور علماء نصاریٰ جن خبروں کو حضرت مسیح کے حق میں بتاتے ہیں یہود ان میں ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جن سے وہ خبریں حضرت مسیح پر صادق نہیں آتیں۔ پس جس طرح یہود حضرت مسیح کی بشارتوں کے منکر ہیں اسی طرح نصاریٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے منکر ہیں۔

۴۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر نبی سابق نبی لاحق کی خبر دے تو اُس کی صفات اور علامات اور خصوصیات شخصہ کی ایسی تشریح کر دے کہ اس نبی کو دیکھتے ہی خواص اور عوام کو اس کی نبوت کا بالبداہت یقین آجائے کہ کسی شبہ کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے نبی کی شناخت اگر ایسی بدیہی ہو جائے تو پھر معجزات اور دلائل نبوت اور براہین رسالت کی ضرورت نہ رہے گی۔

امر دوم ۱

انبیاء بنی اسرائیل میں سے بہت سے نبیوں نے جیسے اشعیاء اور ارمیاء اور دانیال اور حزقیل اور عیسیٰ علیہم السلام نے بہت سے آئندہ واقعات اور پیش آنے والے حالات کی خبریں دی ہیں جیسے بخت نصر اور فورش اور اسکندر وغیرہ کا ظاہر ہونا اور زمین روم اور مصر اور نینوی اور بابل میں حوادث کا پیش آنا پس عقل سلیم اس امر کو قریب قریب ناممکن کے سمجھتی

ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے چھوٹے چھوٹے حوادث کی تو خبر دیں اور نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر نہ دیں کہ جس سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین نے آپ کے ظہور بانور کی ضرورت بالضرورت بشارتیں دی تھیں مگر اہل کتاب نے ان بشارتوں کو اپنی کتابوں سے نکال دیا یا بدل دیا اور جو بشارتیں ان کی باقی رہ گئی ہیں ان میں تاویلیں کرتے ہیں۔

امر سوم

نصاری کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین تھے کہ ان کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہے اور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔

۱۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں کسی انجیل میں کسی جگہ بھی یہ مذکور نہیں کہ حضرت عیسیٰ خاتم النبیین ہیں۔

۲۔ نیز حضرت عیسیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا بلکہ اپنے بعد ایک آنے والے عظیم الشان رسول یعنی فارقلیط کی بشارت دی اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید کی اور اسی بناء پر علماء اہل کتاب بھی فارقلیط کی آمد کے منتظر رہے۔ جس کا انجیل میں وعدہ کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے موشائس نے اپنے حق میں فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

۳۔ نیز نصاریٰ حواریین اور پولوس کی نبوت کے قائل ہیں حالانکہ یہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں۔

۴۔ کتاب اراعمل کے گیا رھویں باب میں لکھا ہے۔

۲۷۔ انہی دنوں چند نبی یروشلم سے اٹھا کیہ میں آئے۔

۲۸۔ ان میں ایک نے جس کا نام اگبس تھا کھڑے ہو کر روح کے ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس (قیصر روم) کے عہد میں واقع ہوا۔ انتہی

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ یروشلم سے اٹھا کیہ میں چند نبی آئے جن میں سے ایک کا

نام اگبس اور عربی نسخہ میں غابوس تھا اور یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے پس جب ان کے بعد نبی ثابت ہوئے تو حضرت عیسیٰ کا خاتم النبیین ہونا قطعاً غلط ہوا۔

۵۔ نیز انجیل متی کے ساتویں باب درس ۱۵ میں حضرت مسیح کی تعلیم اور تنبیہ اس طرح مذکور ہے۔ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو۔ الی آخرہ۔

دور تک سلسلہ کلام چلا گیا جس میں حضرت مسیح نے خبردار کیا کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے اور میرے نام سے نبوت کا دعویٰ کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ میں مسیح موعود ہوں (جیسا کہ قادیان کا ایک دہقان کہتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں)

تم اُن سے خبردار رہنا وہ باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ حضرت مسیح نے اس تعلیم میں یہ قید لگائی کہ میرے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے دھوکے میں نہ آنا اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مدعیانِ نبوت کا امتحان کرو سچے کی تصدیق کرو اور جھوٹے کی تکذیب کرو چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے۔ اے عزیزو ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ الخ

خلاصہ یہ کہ خود نصاریٰ کی ان نصوص سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے۔

امر چہارم

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسمعیل کی والدہ ماجدہ، کنیز اور باندی تھیں اس لئے شرف اور رتبہ میں بنی اسمعیل بنی اسرائیل کے ہم پلہ نہیں۔

جواب

اول:- یہود کی معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر فرعون کی بیٹی تھیں لونڈی اور باندی نہ تھیں تو ریت کا ایک معتبر مفسر شلوملو خلق کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت اول کی تفسیر میں لکھتا ہے اَبَتْ بَوُسْہ یثا کِیْر اَنَسَمَ شِنَعِیْثُو سارا امر مرتاب شَتْہا بِنِیْ شِفْعَہ رَبِّیْتَ زَہْ وَیَوِ کِبْرَہْ یِیْتَ اِخْیْرَا •

جب اس نے (رقیون شاہ مصر نے) سارہ کی وجہ سے کرامات کو دیکھا تو کہا میری بیٹی کا اس کے گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ ہاجرہ۔ دراصل کنیز اور لونڈی نہ تھیں بلکہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں جس کو بادشاہ نے حضرت سارہ کی خدمت کے لئے دیا تھا، بادشاہ نے جب حضرت سارہ کی کرامتیں دیکھیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ سارہ اور اس کا شوہر ابراہیم خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اس نے حضرت سارہ کا بہت اعزاز و اکرام کیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی زوجیت کے لئے دیدیا تا کہ اُس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق دوسری بی بی، پہلی بڑی بی بی کی خدمت گزار بن کر رہے۔

دوم

یہ کہ محض کنیز ہونا عیب نہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا خاص کر جب کہ توریت میں دو عہد لکھے گئے ہیں ایک عہد اسماعیلی اور ایک عہد اسحاقی اور حق تعالیٰ نے دونوں کے حق میں حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ فرمایا اور حضرت ابراہیم سے حضرت اسماعیل کے حق میں برکت اولاد اور امت عظیم کا وعدہ کتاب تکوین اور باب سوم کتاب الاعمال سے بالکل واضح ہے کہ بنی اسماعیل میں سے ایک عظیم اُشان نبی ظاہر ہوگا۔ پس خدا تعالیٰ کے وعدہ برکت کو ذکر نہ کرنا اور وہی اور خیالی عیوب کا زبان سے نکالنا عقلاً و نقلاً معیوب ہے۔

نصارئ کو چاہئے کہ رومیولوس وروس و أغسطس کے بیٹے وغیرہ کا خیال کر کے شرمائیں اور پھر یہود اور زن اور یاء کا حال جو اجداد مسیح کے بیان میں کرتے ہیں اس کا ذرا بھی خیال کر لیں تو ندامت سے سر نہ اٹھا سکیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کی بزرگی دیکھ کر ان کی خدمت کے لئے پیش کیا اور اس زمانے کا رسم و رواج بھی یہی تھا کہ امیروں کو جو بیٹی دیتے تھے تو وہ بمنزلہ خادمہ کے ہوتی تھی، اسی وجہ سے صحیح بخاری میں یہ لفظ آیا ہے، فاخذ مسہا ہاجر

نصاری نے بجائے خادمہ کے کینز اور باندی سے اس کا ترجمہ کر ڈالا جو سراسر بے انصافی ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ ان حضرات انبیاء کو جو حضرت مسیح کے سلسلہ اجداد میں ہیں معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ شرک اور بُت پرستی اور زنا کاری اور شراب خواری میں ملوث سمجھتے ہیں اور ان امور کو قابلِ طعن نہیں سمجھتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ پر خادمہ کا لفظ موجب طعن سمجھتے ہیں۔

آدم برسرِ مطلب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کی ہزار ہا پیشین گوئیوں میں سے صرف چند پیشین گوئیاں بطور نمونہ توریت و انجیل سے ہدیہ ناظرین کردی جائیں۔ باقی اگر تفصیل درکار ہو تو ازالہ الا وہام بزبان فارسی اور اظہار الحق بزبان عربی ہر دو مصنفہ مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ قدس اللہ سرہ کی مراجعت کریں۔

بشارت اوّل۔ از تورات سفر استثناء باب (۱۸) آیت (۱۸)

۱۸۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سوا چھا کہا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں تجھ سانبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔

۱۹۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ سُنے تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔

۲۰۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔

۲۱۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کی یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔ انتہی

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ بشارت خاص سرور عالم سیدنا محمد ﷺ کے لئے ہے اور یہود کا یہ خیال ہے کہ یہ بشارت یوشع علیہ السلام کے لئے ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے، لیکن حق یہ ہے کہ اس بشارت کا مصداق بجز خاتم الانبیاء ﷺ کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ بشارت اُس نبی کے ظہور کی ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام کے مماثل یعنی مانند ہو اور بنی اسرائیل میں سے نہ ہو بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے ہو اور پھر اُس بشارت میں اُس آنے والے نبی کی صفات کا ذکر ہے، اس لئے اہل اسلام کہتے ہیں کہ یہ خاص آں حضرت ﷺ کی بشارت ہے پختہ و جود۔

اول

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ میں اُن کے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نبی، بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ یہ خطابات ایک دو شخص کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل کے تمام اسباط اور گروہوں کو تھے، لہذا اس خطاب کی مخاطب مجموع قوم بنی اسرائیل ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اس پوری قوم (بنی اسرائیل کے بھائیوں) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ اگر یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ خود تم میں سے ایک نبی پیدا ہوگا۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۚ اٰوَرِیْہُمْ فَرَمَاتے کہ تمہارے بھائیوں میں سے وہ نبی ظاہر ہوگا کَمَا قَالَ تَعَالٰی خُطَابًا لِّبَنِيْ اِسْرَآئِیْلَ وَجَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام بنی اسرائیل کو بلا کسی تخصیص کے یہ خطاب فرمانا کہ وہ نبی موعود تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل کے بھائی ہیں، نصاریٰ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے خود بنی اسرائیل ہی مراد ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے اور سر اسر خلاف عقل ہے اور ساری دنیا کی لغت کے خلاف ہے، جب یہ کہا جائے کہ زید کے بھائی تو زید ان بھائیوں میں داخل نہ ہوگا بلکہ بھائیوں

کے علاوہ ہوگا کیونکہ مضاف الیہ باتفاق عقلاء مضاف سے خارج ہوتا ہے، نیز کسی شخص اور اس کی اولاد کو دنیا کے کسی محاورہ میں بطریق حقیقت یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اُس کے بھائی ہیں پس بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بنی اسرائیل کی اولاد مراد لینائی سر اسرئیل اور جہالت ہے محاورہ میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ زید بنی تمیم کا بھائی ہے اور ہود قوم عاد کے بھائی ہیں اور صالح ثمود کے بھائی ہیں یعنی اس قوم کے ایک فرد ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قوم عاد قوم عاد کے بھائی ہیں اور ثمود ثمود کے بھائی ہیں اور بنو تمیم بنو تمیم کے بھائی اور بنو ہاشم بنو ہاشم کے بھائی ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ بنی اسرائیل، بنی اسرائیل کے بھائی ہیں صریح نادانی اور جہالت ہے اور یہ کہنا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے اُن کی نسل اور اولاد مراد ہے کھلی ہوئی حماقت ہے۔

نیز کتاب پیدائش کے سولہویں باب، درس تیرہ میں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حضرت اسمعیل اور اُن کی اولاد کا اس طرح ذکر ہے۔

۱۳۔ وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش اختیار کرے گا۔ اھ

اور توریت سفر پیدائش کے پچیسویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

کہ اسمعیل اپنے سب بھائیوں کے سامنے مر گیا۔ الخ

پس ان دونوں جگہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بالاتفاق بنی عیص اور بنی اسرائیل مراد ہیں اور یہ امر باتفاق یہود و نصاریٰ ثابت ہے کہ خاص بنی عیص میں سے کوئی صاحب نبوت نہیں ہوا اور یہ امر بھی فریقین میں مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد قطورہ سے ہوئی اُن سے بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت اور برکت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ البتہ حضرت اسمعیل کے حق میں برکت کا وعدہ فرمایا۔

اہل کتاب کی ایک تحریف کا ذکر

علماء اہل کتاب نے اس بشارت میں ایک لفظ یہ اضافہ کر دیا ہے خدا تیرے ہی درمیان تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک پیغمبر قائم کرے گا (دیکھو اسی باب کا درس ۱۵) تاکہ یہ بشارت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہ آئے سو جاننا چاہیے کہ یہ لفظ ”تیرے ہی درمیان سے“ بعد میں بڑھایا گیا ہے دلیل اس تحریف کی یہ ہے کہ توریت سفر استثناء باب ۱۸

اور درس اٹھارہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب میں الفاظ یہ ہیں، میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اھ اس میں تیرے نبی درمیان سے۔ کالفظ مذکور نہیں اور عجیب بات ہے کہ کتاب الاعمال باب ۳ آیت ۲۲ میں اس خبر کا ذکر آیا ہے مگر ”تیرے درمیان“ کالفظ مذکور نہیں۔ نیز حضرت مسیح کے حواریین نے جہاں کہیں بھی اس کلام کو نقل کیا ہے، اس میں یہ جملہ یعنی کہ تیرے ہی درمیان سے کبھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ جملہ الحاقی ہے۔ اور اگر بالفرض وہ تقدیر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جملہ الحاقی نہیں تو ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تیرے درمیان سے یعنی خدا پرستوں کی نسل سے مطلب یہ کہ وہ حضرت ابراہیم حنیف کی نسل سے ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کو مخاطب بنا کر یہ فرمانا کہ ان کے بھائیوں میں سے حق تعالیٰ ایک نبی برپا کرے گا۔ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ نبی اسرائیل نہ ہوگا ورنہ بنی اسرائیلی نبی کی خبر دینا منظور ہوتا تو یہ فرماتے کہ ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے وہ نبی برپا ہوگا ایسی صورت میں بھائیوں کالفظ بڑھانا محض لغو اور فضول ہوگا بھائیوں کالفظ باواز بلند پکارا ہوا ہے کہ اس نبی موعود کو ان لوگوں کے ساتھ، علاقہ صلبی یا بطنی نہ ہوگا یعنی وہ نبی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے نہیں لہذا یہ دونوں نبی اس بشارت کا مصداق نہیں بن سکتے، اس بشارت کا مصداق صرف وہی نبی ہو سکتا ہے کہ جو بنی اسمعیل میں سے ہو انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی پیغمبر اس بشارت کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

دوم

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ

علیہ السلام کے مانند یوشع علیہ السلام ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام اس لئے کہ یہ دونوں حضرات بنی اسرائیل میں سے ہیں اور توریت سفر استثناء باب چوتھیاں درس دہم میں ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آسمانے سامنے آشنائی کرتا۔ اٹھتی۔

علاوہ ازیں حضرت یوشع علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تلمیذ (شاگرد) تھے اور تابع اور متبوع مماثل نہیں ہوتے نیز حضرت یوشع اس وقت موجود تھے اور اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ ایک نبی برپا کروں گا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نبی کا وجود زمانہ مستقبل میں ہوگا۔

اور یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے زمانے میں نبی ہو چکے تھے، پس وہ اس بشارت کا جس میں آئندہ نبی کی خبر دی گئی ہے کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل نہیں اس لئے کہ نصارائے حیارئی کے نزدیک تو وہ ابن اللہ یا خود خدا ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ خدا کے ایک بندے ہیں۔ پس بندے اور خدا میں کیا مماثلت۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ اعتقاد نصاریٰ مقتول و مصلوب ہو کر اپنی امت کے لئے کفار ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ مقتول و مصلوب ہوئے اور نہ کفارہ ہوئے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت حدود و قصاص زواجر و تعزیرات غسل و طہارت کے احکام سے ساکت ہے۔ بخلاف شریعت موسویہ کے کہ وہ ان تمام امور پر مشتمل ہے۔ ہاں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مماثلت ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب شریعت مستقل تھے، اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت غزہ بھی مستقل اور کامل اور علی وجہ الائم حدود و تعزیرات، جہاد و قصاص، حلال و حرام کے احکام کو جامع ہے اور ظاہری احکام کی طرح باطنی احکام یعنی اخلاق کی بھی جامع ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر عزت دی، اس سے بدرجہا زائد نبی اکرم ﷺ نے عرب کو روم اور فارس کی قید سے چھڑا کر

اللہ کا کلمہ پڑھایا اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں اُن کے سپرد کیں۔ نیز جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کیا اسی طرح ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی انبیاء سابقین کی سنت نکاح پر عمل فرمایا۔ اور اسی مماثلت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا
شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا۔
ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا، تم پر
گواہی دینے والا۔ جیسے ہم نے فرعون کی
طرف ایک رسول بھیجا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس مماثلت کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مماثلت سے یہ مراد ہے کہ وہ نبی موعود موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ تو اس صورت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع سیبہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے ہر نبی انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس بشارت کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع سیبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کسی درجہ میں مماثلت تسلیم کر لی جائے تو اس مماثلت کو اس مماثلت سے کہ جو نبی اکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل ہے کوئی نسبت نہیں۔

(۳)۔ سوم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اہ یعنی اُس نبی پر الواح تورات و زبور کی طرح لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہوگی بلکہ فرشتہ اللہ کی وحی لے کر نازل ہوگا۔ اور وہ نبی اُمی ہوگا۔ فرشتہ سے سن کر اللہ کے کلام یاد کرے گا اور اپنے منہ سے پڑھ کر امت کو سنائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات بجز نبی اُمی فداہ نفسی و ابی و اُمی کسی پر صادق نہیں آتی کما قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

(۴)۔ چہارم یہ کہ اس بشارت میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ جو اُس نبی موعود کے حکم کو نہ مانے گا میں اس کو سزا دوں گا اور ظاہر ہے کہ اس سزا سے اخروی عذاب مراد نہیں اس

لئے کہ اس میں اُس نبی موعود کے نہ ماننے والے کی کیا خصوصیت۔ آخر وہی عذاب ہر نبی کے نہ ماننے والے کے لئے ہے بلکہ اس سے دنیوی سزا یعنی جہاد و قتال اور حدود و قصاص کا جاری کرنا مراد ہے اور یہ بات نہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوئی اور نہ یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ البتہ خاتم الانبیاء سرورِ عالم سیدنا محمد ﷺ کو علی وجہ الائمہ حاصل ہوئی لہذا وہی اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

(۵)۔ پنجم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر وہ نبی عیاذ باللہ افتراء کرے گا اور خدا کی طرف غلط بات منسوب کرے گا تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ بعد دعائے نبوت قتل نہیں کیئے گئے۔ دشمنوں نے ہر طرح کی کوشش اور تدبیر کی مگر سب برباد گئی۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ تَعَالَى - اے محمد ﷺ اللہ کی اُس نعمت کو یاد کیجئے
وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا کہ کافر جب آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے
لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ کہ آپ کو قید کر لیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں
أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وہ اپنی تدبیریں کرتے تھے اور اللہ اپنی
وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ ہی بہترین تدبیر
الْمَاكِرِينَ۔ فرمانے والا ہے۔

اور حسب وعدۃ الہی واللہ یُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آپ بالکل محفوظ اور مامون رہے اور بجائے اس کے کہ کسی قسم کا حادثہ قابعہ پیش آتا آپ کی شان و شوکت بلند ہوتی گئی۔ پس آنحضرت ﷺ اگر وہ نبی موعود نہ ہوتے تو ضرور قتل کیے جاتے۔ ہاں حسب زعم نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقتول و مصلوب ہوئے۔ پس اگر حضرت مسیح بن مریم ﷺ کو اس بشارت کا مصداق قرار دیا جائے تو علیٰ زعم نصاریٰ عیاذ باللہ ان کا کاذب ہونا لازم آتا اور قرآن عزیز میں بھی اس طرف اشارہ ہے، کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى شَانَهُ:

وَلَوْلَا أَنْ تَبَتُّنَا لَقَدْ كِدْتُمْ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ
تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا إِذَا قریب تھے کہ ان کی جانب اقل قلیل مائل
لَأَذِقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی اور

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا
نَصِيرًا ۖ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ
لَا خِذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا
مِنْهُ الْوَتِينَ ۚ ۱

موت کا دو چند عذاب چکھاتے پھر آپ
ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے۔
اگر محمد ﷺ ہم پر کچھ افتراء کرتے تو ہم
اُن کا داہنا پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کو
کاٹ دیتے۔

(ایک ضروری تنبیہ) بیسویں درس میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ نبی اگر مجھ پر جھوٹ باندھے تو مار ڈالا جائے گا۔ سو جانا چاہیے کہ نہ قتل ہونا علی الاطلاق صادق ہونے کی دلیل نہیں ورنہ اُن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کہ جو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل کیے گئے زیر تامل ہوگی کما قال اللہ تعالیٰ وَيَقْتُلُونَ النَّبِينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط خصوصاً نصاریٰ کو اپنے عقیدہ فاسدہ کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنا بہت دشوار ہو جائے گی۔

بلکہ خاص اس نبی موعود کا نہ قتل ہونا اُس کے صادق ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ تورات کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ ”وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے گا الخ“ وہ قتل کیا جائے گا۔ اھ، دونوں جملوں میں وہ کی ضمیر خاص اُس نبی موعود کی طرف راجع ہے اگر یہ حکم مطلق نبی کے حق میں ہو تو معاذ اللہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جھوٹے نبی ٹھہرتے ہیں۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ کی بناء پر چونکہ حضرت عیسیٰ مقتول اور مصلوب ہوئے تو وہ بھی معاذ اللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خبر خاص اس نبی موعود کے حق میں ہے کہ جس کی یہ بشارت دی گئی ہے، اگر اس خبر کو مطلق نبی کے حق میں مانا جائے تو یہود بے بہود جو حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں مانتے ان کو اپنے کفر کے لئے ایک دلیل ہاتھ آ جائے گی۔

۶۔ ششم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مصرح ہے کہ اُس نبی موعود کے صادق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا کہا پورا ہوگا یعنی اُس کی تمام پیشین گوئیاں صادق ہوں گی۔ سو الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس صادق مصدوق کی کوئی پیشین گوئی آج تک ذرہ برابر بھی غلط ثابت نہیں ہوئی، اور ہم پورے دعوے کے ساتھ بہ بانگِ ذہل اعلان کرتے ہیں کہ قیامت تک بھی کوئی حاسد اُس صادق مصدوق کی کسی پیشین گوئی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

اور یہ وصف تو آں حضرت ﷺ میں ایسا نمایاں اور اجلی تھا کہ آپ کے دشمنوں اور حاسدوں کو بھی بجز صادق امین کہنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔

کوئی مانے یا نہ مانے

یہ گنہگار امت تو اُس نبی اُمّی فداہ نفسی و ابی و امّی کے صادق مصدوق ہونے پر طلوع شمس اور وجود نہار سے بدرجہا زائد یقین رکھتا ہے اور اُس خدائے وحدہ لا شریک لہ کی قسم کھا کر اور اس کو اور اُس کے تمام ملائکہ کو گواہ بنا کر صمیم قلب اور خلوص اعتقاد سے یہ تصدیق اور اقرار کرتا ہے کہ بے شک و شبہ آپ صادق مصدوق اصدق الاولین والآخرین ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی ذٰلِكَ اٰمِیْن

ہفتم یہ کہ کتاب الاعمال باب سوم آیت ہفتدہم کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی منتظر حضرت عیسیٰ اور ایلیا علیہما الصلوٰۃ والسلام بلکہ تمام انبیاء کرام کے علاوہ ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

اب اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ نادانی سے کیا جیسے تمہارے سرداروں نے بھی۔ پر جن باتوں کی خدا نے اپنے سب بیوں کی زبان سے آگے سے خبر دی تھی کہ مسیح دکھ اٹھائے گا سو پوری کیس۔ ۱۹ پس تو بہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تاکہ خداوند حضور تازگی بخش یام آویں۔ ۲۰۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ۲۱۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسی لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے ان سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ ۲۲۔ کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی تیری مانند اٹھا دے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سب سنو۔ ۲۳۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس کہ جو اس نبی کی نہ سنے وہ قوم سے نیست کیا چوے گا۔ ۲۴۔ بلکہ سب نبیوں نے سوائیل سے لیکے پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دونوں کی خبر دی ہے۔

۲۵۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب

ابراہیم سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں آھ

اس عبارت میں اول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اور ان کی اس تکلیف کا جو ان کو علی زعمہم یہود لعتہم اللہ سے پیش آئی ذکر ہے۔ اور ان کے نزول من السماء کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اس نبی کی بشارت کا ذکر ہے کہ جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

خداوند عالم تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں ایک نبی بھیجنے والا ہے، اور علاوہ

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام نبیوں نے اس نبی موعود کے آنے کی خبر دی ہے

اور جب تک یہ وعدہ ظہور میں نہ آئے گا اس وقت تک یہ زمین و آسمان ضرور قائم

رہیں گے اور اسی زمانے میں خدا کا وہ عہد بھی پورا ہوگا کہ جو اُس نے ابراہیم علیہ

الصلوٰۃ والسلام سے کیا تھا کہ تجھ سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔

الحاصل حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کر کے یہ کہنا (سو پوری کیوں) اور جس

نبی کی موسیٰ اور ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء کرام علیہم الف الف صلوٰۃ والف

الف سلام نے بشارت دی ہے، اس کے انتظار کو ان الفاظ سے ظاہر کرنا کہ ”ضرور ہے کہ

آسمان اس کے نئے رہے کہ اس وقت کہ سب چیزیں کہ جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک

نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں“ آھ

اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی مبشر اور رسول منتظر ان تمام انبیاء و رسل کے علاوہ

ہے جو حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام تک گزرے۔ لہذا اس

بشارت کا مصداق حضرت موسیٰ سے حضرت عیسیٰ کے زمانے تک کوئی نبی نہیں ہو سکتا“ پس

حضرت یوشع یا حضرت مسیح بن مریم علیہم السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دینا کیسے صحیح

ہو سکتا ہے۔

ہشتم یہ کہ انجیل یوحنا باب اول آیت انیسویں میں ہے۔

”جب یہودیوں نے یروشلم سے کانہوں اور لادیوں کو بھیجا کہ اس کو پوچھیں کہ تو

کون ہے اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں۔ تب

انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے کیا تو ایسا ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا نہیں۔ اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کو حضرت مسیح اور ایلیا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے سوا بھی ایک نبی کا انتظار تھا۔ اور وہ نبی اُن کے نزدیک ایسا معروف و معبود تھا کہ اس کے نام کے ذکر کرنے کی بھی حضرت مسیح اور حضرت ایلیاء کے نام کی طرح حاجت نہ تھی۔ بلکہ فقط ”وہ نبی“ کا اشارہ ہی اُس کے لئے کافی تھا۔

پس اگر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس بشارت کا مصداق تھے تو پھر اُن کو انتظار کس کا تھا۔

وہ نبی جس کا کہ اُن کو انتظار تھا وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہ اہل کتاب نبی اکرم سیدنا محمد ﷺ کے لئے ”وہ نبی“ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ہمیشہ سے اہل اسلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آں حضرت (جو بعینہ ”وہ نبی“ کا ترجمہ ہے) بولتے ہیں۔ نہم یہ کہ انجیل یوحنا باب ہفتم کی آیت چہلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی موعود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے چنانچہ انجیل میں ہے۔

۴۰۔ تب اُن لوگوں میں سے بہتیروں نے یہ سن کر کہانی الحقیقت یہی وہ نبی ہے۔

اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔ اھ

نبی معبود کو حضرت مسیح کے مقابلے میں ذکر کرنا اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ نبی معبود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے۔ پس اگر ”وہ نبی“ سے آں حضرت ﷺ مراد نہ ہوں تو پھر وہ کون نبی ہے کہ جس کا انتظار تھا۔

دہم آپ کے عہد نبوت میں بہت سے علماء یہود و نصاریٰ نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں، بعد ازاں ان میں سے بہت سے اسلام لائے جیسے خیر لیق یہودی اور ضغاطر رومی عیسائی اور بہت سوں نے اقرار کیا مگر اسلام نہیں لائے جیسے ہرقل شاہ روم اور عبداللہ بن صور یا یہودی وغیرہا نے اقرار کیا کہ آپ وہ نبی برحق ہیں جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے مگر اسلام نہیں لائے۔

بشارت دوم، از تورات کتاب پیدائش باب (۱۷) آیت ہستم

اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا۔

اور اسی باب کی آٹھویں آیت میں ہے۔

اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پر دیسی ہے، دیتا ہوں۔ اھ

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۶، آیت ۱۱ میں ہے۔

خداوند کے فرشتہ نے اُسے (ہاجرہ) کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا خدا نے تیرا دکھن لیا وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب سے (اوپر ہوگا) اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔ انجی
اور باب ۲۵، آیت ۱۱ میں ہے۔

آپ کے فرزند اسحاق کو اللہ نے برکت دی۔ آھ

الحاصل حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بابت وعدہ فرمایا کہ ان کو برکت دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اول الخلق کی اولاد نے برکت حاصل کی اور تقریباً کئی ہزار سال تک سلسلہ نبوت و رسالت آپ کی اولاد میں جاری رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک برابر حضرت الخلق کی اولاد میں انبیاء و رسل ہوتے رہے۔

بعد ازاں جب دوسرے وعدہ کا وقت آگیا تو شرف نبوت و رسالت یکسر بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی جانب منتقل ہو گیا اور دعائے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور فاران کی چوٹیوں سے اور سین اور سعید کا نور فاران پر جگمگانے لگا۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

تورات سفر پیدائش باب (۲۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ

والسلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیلؑ کو حجاز میں لے کر آئے اور وادی فاران میں مکہ مکرمہ کے قریب چھوڑ کر واپس ہو گئے۔

حضرت سارہ کے وصال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر اسی وادی فاران میں واپس تشریف لائے۔ اس عرصہ میں حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہو چکے تھے۔ دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کی تعمیر شروع کی کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً
لَكَ ط

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم اور
حضرت اسمعیل علیہما السلام بیت اللہ کی
بنیادیں اٹھا رہے تھے اور یہ دعاء نکلتے تھے کہ
اے پروردگار یہ خدمت تو ہم سے قبول فرما۔
تو بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور
اے پروردگار ہم کو اور ہماری ذریت سے
ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ اس مقام پر کس کی ذریت مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت
اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت مراد ہے جو کہ وادی فاران اور حرم المہمی اور کعبۃ اللہ کے
آس پاس مقیم ہے، اسی ذریت کے لئے حضرت ابراہیم نے اول یہ دعاء فرمائی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
اٰلَہٗنَا وَدُوۡسُرٰی دَعَآیَہٗ فَرَمَآیَ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ (ای فی ہذہ
الذریۃ ذریۃ ہاجرہ واسمعیل
علیہما الصلوٰۃ والسلام)
رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ط

اے پروردگار ہاجرہ اور اسمعیل کی ذریت میں
ایک ایسا رسول بھیج جو تیری کتاب کی تلاوت
کرے اور لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم
دے اور ان کو کفر اور شرک سے پاک کرے
بیشک تو ہی غالب اور حکیم ہے۔

حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم میں اس دعائے ابراہیمی کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی اجابت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ
رُسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ ط وَإِنْ كَانُوا مِن
قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ط

اللہ ہی نے بے پڑھوں میں اُن ہی میں کا
ایک رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیتوں کی
تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور
کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس
سے پہلے گھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

خلاصہ

یہ کہ قارئین کرام اس پر غور کریں کہ اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں نبی اکرم ﷺ سے زائد کون بابرکت اور برومند ہوا اور کنعان کی زمین کس کی وراثت میں آئی اور حضور پر نور کے سوا کون ہے کہ جس کا ہاتھ سب کے اوپر ہوا ہو اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دی گئی ہوں۔

اور بارہ سرداروں سے بارہ خلفاء مراد ہیں کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

يَدُورُ رَحَى الْإِسْلَامِ إِلَيَّ اِثْنِي
عَشَرَ خَلِيفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ
اسلام کا رچی (چکی) بارہ خلفاء پر گھومے گا جو
سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

فائدہ جلیلہ

اس علیم و حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے احق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد پر برکت دینے میں اس وجہ سے مقدم رکھا کہ حضرت اسمعیل کی اولاد میں خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ پیدا ہونے والے تھے پس اگر حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعدہ کو مقدم کر دیا جاتا تو پھر احق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے سلسلہ نبوت و رسالت منقطع ہو جاتا، اس لئے کہ خاتم النبیین و المرسلین کے بعد کوئی نبی رسول نہیں بنایا جاسکتا۔

اور اسی وجہ سے کہ اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں بکثرت نبی ہوں گے تو بنی اسرائیل کو اس انعام کی تذکیر ان الفاظ سے کی گئی۔

إِذْ جَعَلْ فِیْكُمْ أَنْبِیَاءَ " تم میں حق تعالیٰ نے بہت نبی پیدا کیے۔"

اور حضرت ابراہیم نے جو حضرت اسمعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لئے دعا فرمائی تو یہ فرمایا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُولًا۔ یعنی اے پروردگار ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیج۔" اور یہ نہیں فرمایا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُولًا۔ یعنی اے اللہ ان میں بہت سے رسول اور نبی بھیج۔"

جس سے صاف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسمعیل میں سے صرف ایک ایسے رسول کے مبعوث ہونے کی دعا فرماتے تھے کہ جس کے آنے کے بعد کسی نبی اور رسول کی حاجت نہ رہے۔ صیغہ مفرد کے ساتھ ذکر فرمایا "رَسُولًا" صیغہ جمع کے ساتھ نہیں ذکر فرمایا۔

وَعَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ فِي قَوْلِهِ
تَعَالَى رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَعْنِي أُمَّةَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ
قَدْ اسْتَجِيبَ لَكَ وَهُوَ كَائِنٌ
فِي آخِرِ الزَّمَانِ وَكَذَا قَالَ
السُّدِّيُّ وَقَتَادَةُ۔ تَفْسِيرُ ابْنِ
كَثِيرٍ ص ۳۳ ج ۱

هُوَ كَائِنٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ سے خاتم النبیین ہونا مراد ہے اور آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد اَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ۔ یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔ اسی طرف مشیر ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعائت محمد یہ پر عظیم الشان

احسان ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ کا پڑھنا اس احسان کے شکر میں اُمت پر لازم ہو گیا۔

یہ یہ کہا جائے کہ تمام انبیاء و رسل میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صلوٰۃ و سلام کے لئے مخصوص کرنا اُن کی اس دعا کی اجابت ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّالْحَقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ وَاَجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور صالحین میں بھی داخل فرمایا، اور آخر میں یعنی اس آخری اُمت میں کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ الخ کے ذریعے سے ان کا ذکر خیر جاری فرمایا اور انشاء اللہ العزیز الی یوم القیامۃ اسی طرح جاری رہے گا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَّعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔
اور چونکہ حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ تھا اُس لئے کَمَا بَارَكْتَ کا اور اضافہ کر دیا گیا۔

اور عجب نہیں کہ اُن بارہ سرداروں سے کہ جن سے خلفاء مراد لئے گئے ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی اُس حضرت ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری نہ رہے گا بلکہ خلافت و نیابت کا سلسلہ جاری ہوگا اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُمت سے صرف خلافت کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ نبوت و رسالت کا کسی درجہ میں بھی وعدہ نہیں فرمایا گنا قال تعالیٰ :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	جو لوگ ایمان لاچکے اور جنہوں نے عمل
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	صالح کیے اُن سے اللہ تعالیٰ نے خلافت
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ	دینے کا وعدہ فرمایا ہے، آنحضرت ﷺ
وَقَالَ النّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	نے فرمایا کہ نبوت کی خلافت میرے بعد
وَسَلَّمَ خِلاَفَۃَ النّبِیۃِ بَعْدِی	تیس سال رہے گی رسول اللہ ﷺ نے
ثَلَاثُوْنَ عَامًا وَقَالَ النّبِیُّ صَلَّی	فرمایا کہ بنی اسرائیل کا انتظام ان کے

اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَتْ بَنُو
اسْرَآئِیلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبیاءُ
کَلَمًا هَلْکَ نَبِیٌّ خَلْفَه نَبِیٌّ
وَإِنَّہُ لَا نَبِیَّ بَعْدِی وَسَیْکُونُ
خُلَفَاءُ۔ رواہ البخاری

نبی کیا کرتے تھے جب کوئی نبی گزر جاتا تو
دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا لیکن
میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں
گے۔ (بخاری)

بشارت سوم، از تورات سفر استثناء باب (۳۳) آیت ۲

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سִינَاءَ وَأَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَاعِیْرَ وَتَلَاءَ لَاءَ مِنْ
جِبَالِ فَارَانَ وَأَتَى مِنْ رَبَّوَاتِ الْقُدُسِ وَعَنْ يَمִינِهِ نَارُ شَرِיעَةٍ۔ ۱۵

اور الجواب الفصح میں بعض نسخ تورات سے اس طرح نقل کیا ہے۔

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سִינَاءَ وَأَشْرَقَ لَنَا مِنْ سَاعِیْرَ وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جِبَالِ
فَارَانَ ۱۵

اور اردو نسخہ میں اس طرح ہے (۲) اور اُس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ
خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس
ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔
آھ

اس آیت میں

تین بشارتیں مذکور ہیں (۱) طور سیناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا عطاء ہونا
مراد ہے (۲) اور سعیر ایک پہاڑی کا نام ہے کہ جو شہر ناصرہ مولدِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
میں واقع ہے۔ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور نزولِ انجیل کی طرف
اشارہ ہے (۳) اور فاران سے مکہ کے پہاڑ مراد ہیں۔ اس سے نبی اکرم ﷺ کی
رسالت اور نزولِ قرآن کی جانب اشارہ ہے۔

غارجاء اسی فاران پہاڑ میں واقع ہے جس میں سب سے پہلے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ پر نازل ہوئیں تو ریت کتاب پیدائش کے اکیسویں باب درس۔ ۲۰ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے ذکر میں ہے۔

۲۰۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا۔

۲۱۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اُتھی

اور حضرت اسمعیل کی سکونت کا مکہ مکرمہ میں ہونا سب کو مسلم ہے، معلوم ہوا کہ توریت کی اس آیت میں اُس نبوت کی بشارت ہے جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوگی اور کوہ ودشت کو اپنے نور سے بھر دے گی، اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ سوائے نبوت محمدیہ کے وہ کونسی نبوت ہے کہ جو فاران سے ظاہر ہوئی اور اس نے تمام عالم کو انوارِ ہدایت سے منور کر دیا۔ فاران کی نبوت بلاشبہ سینا اور ساعیر کی نبوت سے کہیں زیادہ روشن تھی اور آتشِ شریعت سے بھی قرآن کریم مراد ہے اس لئے کہ وہ احکام جہاد اور احکام حدود و قصاص پر مشتمل ہے اور دس ہزار قدسیوں سے لشکر ملائکہ مراد ہے۔ یا آں حضرت ﷺ کا فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنا مراد ہے اور حضرت مسیح کے ساتھ بقول نصاریٰ صرف بارہ حواری تھے اور وہ بھی سب جان بچ کر بھاگ گئے اور ایک خاص حواری یہود نے تمیں درم رشوت لے کر اپنے خداوند کو گرفتار کر دیا تھا۔

اور اس بشارت کی حسن ترتیب اور حسن بیان قابلِ غور ہے۔ اول یہ فرمایا جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سَمِیْنَاءِ خداوند سیناء سے آیا۔ اور اس کے بعد یہ فرمایا۔ وَأَشْرَقَ مِنْ سَاعِیْرِ۔ ساعیر سے طلوع ہوا اور آخر میں یہ فرمایا وَاسْتَغْلَنَ مِنْ جَبَالِ فَارَانَ۔ فاران کے پہاڑ سے جو جلوہ گر ہوا۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ نزولِ تورات بمنزلہ طلوع فجر کے ہے۔ اور نزولِ انجیل بمنزلہ طلوع شمس کے ہے اور نزولِ قرآن بمنزلہ استواء شمس فی نصف النہار ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفر کی تاریک شب کا خاتمہ اور پہلی پھٹ کر ایمان و ہدایت کی صبح صادق کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہوا۔ اور فرعون اور قارون اور ہامان جیسے ائمۃ الکفر عذاب الہی سے ہلاک ہوئے۔

اور جب حضرت مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا تو آفتاب ہدایت بھی افق

مشرق پر ظاہر ہوا اور جب نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا تو آفتاب ہدایت ٹھیک نصف النہار پر آگیا اور کوئی چپہ زمین کا ایسا باقی نہ رہا کہ جہاں اس آفتاب کی روشنی نہ پہنچی ہو اور قرآن عزیز میں بھی اس بشارت کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سَيْنِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ

تین اور زیتون چونکہ ارض مقدس میں پیدا ہوتے ہیں جس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی جانب اشارہ ہے اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ مراد ہے کہ جس سے آفتاب نبوت و رسالت کا طلوع ہوا۔

حق تعالیٰ شانہ نے مکہ کی صفت لَامِنِ ذکر فرمائی ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ سردارِ عالم سیدنا محمد ﷺ خزانہ الہی کے درِ یتیم ہیں کہ بطور امانت اس بلد امین کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ بلد امین نے تریچن سال تک اس دُرِ یتیم اور امانت الہی کی حفاظت کی مگر جب وقت بہت ہی نازک ہو گیا تو اس وقت بلد امین نے بادِ ناخواستہ یہ امانت مدینہ طیبہ کے سپرد کر دی۔ کذا فی ہدایۃ الحیاری

الحاصل

اس کلام میں تین پیغمبروں کی بشارتیں دی گئیں: اور بشارت کا اختتام خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر مبارک پر ہوا تا کہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو جائے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ فاران سیناء کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ حضرت محمد ﷺ چونکہ اس علاقہ میں ظاہر نہیں ہوئے اس لئے یہ بشارت اُن کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ۔

تورات کتاب پیدائش باب اکیسواں از درس ۱۲ تا درس ۲۱ میں لکھا ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمعیل بی بی سارہ کے ناراض ہو جانے سے ارض مقدس کو چھوڑ کر دشت فاران میں سکونت پذیر ہوئے جس کی بنا پر فاران وہی مقام ہوگا جو حضرت اسمعیل اور ان کی اولاد کا سکونت گاہ ثابت ہوا۔

اور یہ امر روایت متواترہ سے ثابت ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمعیل وادی حجاز کے اُس میدان میں مقیم ہوئے جہاں اس وقت مکہ آباد ہے اور یہیں آپ کی اولاد بھی قیام پذیر ہوئی معلوم ہوا کہ فاران ملائہ سینا کے کسی پہاڑ کا نام نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کی سکونت تھی۔

سامری تورات کے عربی ترجمہ میں جس کو علمائے جرمن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گانگن چھپوایا ہے، حضرت اسمعیل کی سکونت گاہ کے متعلق تحریر ہے وسکن فی بریۃ فاران (ای الحجاز) واخذت له امرأة من ارض مصر (کون ارد نیو ۲۱-۲۲)

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سمویل نبی کے وفات کے بعد دشت فاران میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ایک زیور تصنیف کی جس میں نہایت افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں قیدار کے قیام گاہ میں سکونت پذیر ہوں دیکھو سمویل نبی کی پہلی کتاب باب ۲۵ درس یکم اور دیکھو زیور ۱۲۰ درس پنجم۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیدار فاران میں رہتا تھا۔ قیدار حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے فرزند ہیں۔ اشعیاء پیغمبر کے صحیفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد مغربی ملک میں رہتی تھی۔ بطیموس نے حجاز کا وسطی علاقہ اُس کی جائے سکونت بتایا ہے اس بنا پر یہ امر ثابت ہے کہ وادی حجاز اور فاران دونوں ایک ہی مقام ہیں، جناب رسالت مآب ﷺ کا ظہور مکہ میں ہوا جو حجاز کا مشہور شہر ہے کذافی البشارات الاحمدیہ شریعت احکام جہاد و قصاص وحدود و تغریات پر مشتمل ہوگی اور اس کی نبوت دنیاوی بادشاہت ساتھ لئے ہوگی۔ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت دنیاوی بادشاہت کو ساتھ لئے ہوئے نہ تھی اور نہ وہ مجرمین سے انتقام پر قادر تھے۔

بشارت چہارم۔ از تورات سفر استثناء باب (۳۲)، آیت (۲۱)

انھوں نے اس کے سبب سے جو خدا نہیں مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتوں سے مجھے غصہ دلایا۔ سو میں بھی انھیں اُس سے جو گروہ میں نہیں غیرت میں ڈالوں گا اور بے عقل قوم سے انھیں خفا کروں گا، اھ

اس بشارت میں بے عقل قوم سے جبلائے عرب مراد ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کی

۱۔ پیر سالہ جناب حکیم سید محمد شمس اللہ صاحب قادی حیدر آبادی کی تصنیف ہے، رسالہ کل (۳۲) صفحات کا ہے اور مفید اور مختصر ہے۔ مشور اور اطباء سے پاک ہے۔ ۱۲۰۱ء

بعثت سے قبل جہالت اور مراہی میں مبتلا تھے۔

علوم عقلیہ و شرعیہ سے واقفیت تو درکنار ان کو تو سوائے بت پرستی کے اور کسی شے کا علم نہ تھا۔ یہود اور نصاریٰ ان کو بہت حقیر جانتے تھے۔ ان کو جاہل اور اپنے کو عالم کہتے تھے۔ لیکن جب یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی اصلی تعلیم کو بھلا دیا اور بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی شَانَهُ۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنِ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ۔ یہود نے عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بنالیا۔ اُس وقت غیور مطلق حق جل جلالہ کی غیرت جوش میں آئی اور حسب وعدہ انھیں جہلاء اور امیین میں سے ایک نبی اُمی۔ فداہ نفسی و ابی و امی کو مبعوث فرمایا، جس کے ہاتھوں اپنے دین کو عزت دی اور یہود بے بہبود کو ان کے ہاتھوں قتل کرایا۔

اور مصر و شام پر ان کا قبضہ کرایا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ الَّذِي
بَعَثَ فِي الْاَمِّيْنَ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

تمام آسمان اور زمین کی چیزیں خدائے بادشاہ پاک زبردست حکمت والے ہی کی تسبیح و تقدیس پڑھتی ہیں۔ اسی خداوند قدوس نے ناخواندوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

”امیین“ سے عربوں کی جاہل قوم مراد ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کی قوم جاہل اور حقیر نہ تھی اور نہ بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائی گئی ہے پس یہ بشارت سوائے عرب قوم کے کسی قوم پر صادق نہیں آتی۔

باقی بے عقل قوم اور شعب ۳ جاہل سے یونانیین مراد لینا جیسا کہ پولوس کے رسالہ

رومیہ سے مترشح ہوتا ہے صحیح نہیں اس لئے کہ یونانیوں نے اس زمانے میں علوم و فنون کے اعتبار سے تمام عالم پر فائق تھے وہ شعب جاہل اور بے عقل قوم کا کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ سقراط، بقراط، فیثاغورث، افلاطون، جالینوس، ارسطاطالیس، ارشمیدس، بنیاس، اقلیدس، یہ سب کے سب حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور بعثت سے کئی صدی قبل تمام علوم و فنون کے ماہر اور احکام کے پورے عالم تھے۔

بشارت پنجم از تورات سفر پیدائش باب (۴۹)

(۱) اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے کو جمع کرو تا کہ میں اس کی جو پچھلے دنوں تم پر جیتے گا تمہیں خبر کر دوں۔ (۲) اے یعقوب کے بیٹو! اپنے کو اکٹھے کرو اور سُنو اور اپنے باپ اسرائیل کی سُنو اور پھر آیت دہم میں ہے۔

یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا۔ اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ شیلانہ آئے، اور تو میں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ آہ

آیات مسطورہ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جب تک کہ اخیر زمانے میں شیلانہ کا ظہور نہ ہو اس وقت تک یہوداہ کی نسل سے حکومت و ریاست منقطع نہ ہوگی۔

اہل اسلام کے نزدیک شیلانہ۔ آں حضرت ﷺ کا لقب ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب قرار دیتے ہیں۔ مگر نصاریٰ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس عبارت کا سیاق اس کو مقتضی ہے کہ شیلانہ کی نسل یہوداہ سے خارج مانا جائے اس لئے کہ شیلانہ کا ظہور سے نسل یہوداہ کی حکومت و ریاست کا انقطاع جب ہی متصور ہو سکتا ہے کہ جب شیلانہ کی نسل یہوداہ سے نہ ہو۔ ورنہ اگر شیلانہ کی نسل یہوداہ سے ہو تو اس کا ظہور تو بقائے حکومت یہوداہ کا باعث ہوگا نہ کہ انقطاع حکومت یہوداہ کا۔

اور بائبل کے ابواب بلکہ انجیل متی کے پہلے ہی صفحہ پر ذرا غور کرنے سے یہ بات بخوبی منکشف ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل یہوداہ سے خارج نہیں اس لئے کہ آپ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام بالاجماع یہوداہ کی نسل سے ہیں۔

لہذا شیلا کا مصداق وہی نبی ہو سکتا ہے جو نسل یہوداہ سے خارج ہو۔ اور اس کا ظہور اخیر زمانے میں ہو جیسا کہ آیت اول کے اس جملے سے ظاہر ہے۔

”تا کہ میں اُس کی جو پچھلے دنوں میں تم پر بیٹے گا تمہیں خبر دوں۔“

اور یہ دونوں امر آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آ سکتے ہیں کہ آپ یہوداہ کی نسل سے بھی نہ تھے بلکہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے اور آپ کا ظہور بھی خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اخیر زمانے میں ہوا۔

اور آپ کی بعثت کے بعد سے یہوداہ کی نسل میں جو کچھ حکومت و ریاست تھی وہ سب جاتی رہی قرائے بنی نضیر اور خیبر سب آپ ہی کے زمانے میں فتح ہو گئے، اور اس جملہ میں کہ ”قو میں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔“

عموم بعثت کی طرف اشارہ ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى شَانَهُ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

اے نبی کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اُن کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى شَانَهُ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِ يُلَىٰ، نیز مختلف قومیں اور مختلف لوگ حضور پر نور ہی کے پاس اکٹھے ہوئے اور آج کے دین میں فوج فوج اور جوق جوق داخل ہوئے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوئی اور گیارھویں آیت میں ہے۔

”وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے باندھے گا“

سومدارج النبوة میں ہے کہ جب آں حضرت ﷺ نے خیبر فتح فرمایا تو وہاں ایک سیاہ حمار دیکھا۔ آپ نے اُس سے کلام فرمایا اور اس کا نام دریافت فرمایا، اس نے جواب دیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ حق تعالیٰ نے میری دادی کی نسل سے سٹھ حمار پیدا کیے جس پر سوائے نبی کے کسی نے سواری نہیں کی اور مجھ کو اُمید ہے کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ میری دادی کی نسل سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے

آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ آں حضرت ﷺ نے اس پر سواری فرمائی اور وہ ہمارا آپ کی وفات کے بعد صدمہ وصال سے ایک کنویں میں گر کر مر گیا۔

(اور اسی گیارھویں آیت میں ہے)

”وہ اپنا لباس مئے میں اور اپنی پوشاک آپ انگور میں دھو دے گا۔“

اس آیت میں اصل عبرانی سے ترجمہ کرنے میں جو کچھ تصرف کیا گیا ہے اور درحقیقت

اس طرح تھا۔ ”وہ اپنا لباس مئے سے اور اپنی پوشاک آپ انگور سے دھو دے گا۔“

یعنی اُس نبی آخر الزمان کی شریعت میں شراب حرام کی جائے گی، اور جس طرح دیگر نجاست سے کپڑوں کے دھونے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی طرح شراب سے بھی کپڑوں کے پاک رکھنے اور دھونے کا حکم دیا جائے گا۔

اور عجب نہیں کہ اس سے محبت الہی کی شراب میں استغراق مراد ہو۔ نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت ارفع ہے۔ آپ تو سید الاولین والآخرین بلا فخر ہیں۔ آپ کی اُمت میں ہزار ہا بلکہ لاکھوں ایسے گزر گئے کہ عشق الہی اور محبت ربانی میں کوئی اُمت اُن کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

(اور پھر بارھویں آیت میں ہے)

”اُس کی آنکھیں مئے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے۔“

اس آیت میں اُسی نبی مُبَشِّر کے حلیہ مبارک کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کی آنکھیں سُرخ

اور دانت سفید ہوں گے۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ

تجارت کے لئے بصری تشریف لے گئے تو ایک سایہ دار درخت کے قریب قیام فرمایا جہاں

نسطور راہب کا تکیہ تھا۔ نسطور راہب نے میسرہ غلام سے جو آپ کے ہمراہ تھا یہ دریافت

کیا کہ آپ کی آنکھوں میں سُرخی ہے میسرہ نے یہ جواب دیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ

سُرخی رہتی ہے۔ کبھی جدا نہیں ہوتی، اس وقت نسطور راہب نے یہ کہا ہے کہ یہ آخری پیغمبر

ہیں۔ کاش میں اُن کی بعثت کا زمانہ پاؤں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت صاحب

آنحضرت ﷺ کا وانا نامہ سلطان مقوقس شاہ مصر کے نام لے کر گئے تو شاہ مصر نے نبی

آخر الزماں کی علامات بیان کرتے ہوئے یہ کہا، کہ سُرخی اُن کی آنکھوں سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت حاطبؓ نے فرمایا کہ بے شک آپؐ کی چشمانِ مبارک سے سُرخ بھی جدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپؐ کے شامل میں اشکل العینین کا لفظ آیا ہے اشکل ایسی آنکھ والے کو کہتے ہیں کہ جس کی سفیدی میں سُرخ ڈورے ہوں اور بعض روایات میں اذخ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس کی آنکھ میں سیاہی ہو۔

سودونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، حسن و جمال کے لئے سُرخ اور سیاہی دونوں درکار ہیں۔ محض سُرخ اور محض سیاہی سے اتنا خُسن پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ سُرخ اور سیاہی سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ واللہ درالقاتل

آیتِ مازاغ جس کی ہے گواہ	کیا بیاں ہو خوبی چشمِ سیاہ
سُرخ ڈورے اُس میں رشکِ گلستاں	تھی سفیدی اور سیاہی درمیاں
تھیں بہم دونوں بحمدِ اعتدال	تھا سفیدی اور سیاہی کا یہ حال
وصفِ چشمِ حضرتِ خیرالوری	اشکل العینین بھی وارد ہوا
چشمِ خوبانِ جہاں کا ہے جمال	الغرض القصہ جو وصفِ کمال
عینِ محبوبِ خدا میں تھے عیاں	وہ کبھی اوصافِ بحد و بیاں
چشمِ حضرت سے رکھے تھا اختصاص	اور ان سب سے زیادہ وصفِ خاص
نورِ تاریکی میں تھی یکساں بصیر	یعنی وہ چشمِ مبارک دل پذیر
تیرہ شب میں آپؐ کو آتا نظر	دیکھتے ہیں لوگ جو وقتِ سحر
چشمِ پاکِ صاحبِ اعجاز کا	دوسرا ایک اور یہ اعجاز تھا
پیٹھ کے پیچھے بھی ویسا دیکھتے	پیشِ منظرِ آپؐ جیسا دیکھتے

بشارتِ ششم از زبور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۴۵

(۱) میرے دل میں لہجھا مضمون جوش مارتا ہے۔ میں اُن چیزوں کو جو میں نے بادشاہ کے حق میں بنائی ہیں بیان کرتا ہوں۔ میری زبان ماہر لکھنے والے کا قلم ہے (۲) تو خُسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف بٹایا گیا ہے۔ اسی لئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا۔ (۳) اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے جمایل

کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ (۴) اور اپنی بزرگواری سے سوار ہوا اور سچائی اور ملائمت اور صداقت کے واسطے اقبال مندی کے لئے آگے بڑھ۔ اور تیرا داہنا ہاتھ تجھکو مہیب کام سکھائے گا (۵) تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ تیرے نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگ جاتے ہیں۔ (۶) تیرا تخت اے خدا ابدالاباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راسی کا عصا ہے (۷) تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ اس سبب سے تیرے خدا نے تجھکو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا۔ (۸) تیرے سارے لباس سے مَر اور عود اور تاج کی خوشبو آتی ہے کہ جن سے ہاتھی دانت کے محلوں کے درمیان تجھکو خوش کیا ہے۔ (۹) بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔ بلکہ اوفیر کے سونے سے آراستہ ہو کے تیرے داہنے ہاتھ کھڑی ہے۔

(اور بارہویں آیت میں ہے)

”اور صورت کی بٹی ہدیے لاوے گی۔ قوم کے دولت مند تیری خوشامد کریں گے۔“

(اور سوٹھویں آیت میں ہے)

(۱۶) تیرے بیٹے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے۔ تو انھیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا۔ (۱۷) میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا اور سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے اتمی۔ تمام اہل کتاب کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔“

کہ اس زبور میں حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عظیم الشان والشوکت رسوں کی بشارت دے رہے ہیں اور فرط محبت میں اُس کو مخاطب بنا کر اس کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ نبی جب ظاہر ہوگا تو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ اوصاف حسب ذیل ہیں:

(۱) بادشاہ یعنی سب سے اعلیٰ اور افضل ہونا۔ (۲) حسین ہونا (۳) ہونٹوں میں لطف کا ہونا یعنی شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا۔ (۴) مبارک الی الدہر ہونا (۵) پہلوان یعنی قوی ہونا۔ (۶) شمشیر بند ہونا۔ (۷) صاحب حق و صداقت ہونا (۸) اقبال مند ہونا۔ (۹) اُس کے دائیں ہاتھ سے کسی عجیب و غریب کرشمہ کا ظاہر ہونا۔ (۱۰) تیرا انداز ہونا۔ (۱۱) لوگوں کو اس کے نیچے گرے پڑنا یعنی خلق اللہ کا اُس کے تابع ہونا (۱۲) تخت کا ابدالآباد تک رہنا یعنی

اس کی شریعت اور حکومت اسلام کا تا قیام قیامت باقی رہنا (۱۳) عصائے سلطنت کا عصائے راستی ہونا (۱۴) صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہونا (۱۵) اس کے کپڑوں سے خوشبو کا آنا (۱۶) اُس کے گھرانہ میں بادشاہوں کی بیٹیوں کا آنا (۱۷) ہدایا اور تحائف کا آنا (۱۸) اولاد کا بجائے باپ کے سردار اور حاکم ہونا (۱۹) تمام پشتوں میں قرنا بعد قرن اور نسلاً بعد نسل اس کا ذکر باقی رہنا (۲۰) ابدال آباد تک لوگوں کا اُس کی ستائش کرنا۔

اہل اسلام کے نزدیک اس بشارت کا مصداق صادق مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں، یہود کے نزدیک داؤد علیہ السلام کے بعد سے اب تک کوئی نبی ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ظاہر نہیں ہوا اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں اس بشارت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں مگر اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس بشارت سے آنحضرت ﷺ ہی مراد ہیں۔ یہی حق ہے اس لئے کہ جو اوصاف اس بشارت میں مذکور ہیں وہ صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی پر صادق ہیں۔

(۱)۔ بادشاہت کا ثبوت آں حضرت کے لئے ٹمس فی نصف النہار سے زائد انجلی اور روشن ہے، حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو دین اور دنیا دونوں کی بادشاہی عطا فرمائی۔ احکام خداوندی کو بادشاہوں کی طرح جاری فرمایا۔ جس طرح نصاریٰ کے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہود لعنہم اللہ تعالیٰ سے مقہور و مجبور تھے۔ نبی اکرم ﷺ مجبور نہ تھے، آپ نے تو یہود کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا۔

الحاصل نبی اکرم ﷺ دین و دنیا کے بادشاہ تھے۔ تمام انبیاء و رسل سے افضل اور برتر تھے۔ نہ کسی رسول کو قرآن کریم جیسی معجز کتاب عطا کی گئی اور نہ کسی کو آپ جیسی کامل و مکمل شریعت عطا کی گئی جو فلاح دارین اور نجات اور بہبودی کی پوری پوری کفیل ہو۔ جس نے عقاید و اعمال کی سنگین غلطیوں پر متنبہ کیا ہو۔ خدا تک پہنچنے کے لئے راستہ ایسا صاف کر دیا ہو کہ چلنے والوں کے لئے کوئی روڑا انکا نہ رکھا ہو۔ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل سیاست ملکیہ و مدنیہ کے لحاظ سے بھی نہایت کامل و مکمل ہو۔ غرض یہ کہ اس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں ہو۔ ان تمام محاسن اور خوبیوں کا جامع صرف دین اسلام ہے جس کو آں حضرت ﷺ خدا کے پاس سے لائے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ط ! ب شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یہی وہ کامل و مکمل دین ہے کہ اُس کے طُوع ہوتے ہی سب ادیان و مذاہب کے چراغ گل ہو گئے

رات محفل میں ہر ایک مہ پارہ گرم لاف تھا صبح کو خورشید جو نکلا تو مطمع صاف تھا

پس جس نبی کی کتاب تمام کتب الہیہ اور صحف سماویہ سے افضل ہو اور اس کی شریعت تمام شرائع اور ادیان سے بدرجہا برتر اور کامل اور اکمل ہو اور اس کے معجزات بھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہوں اور اُس کی اُمت بھی تمام اُمتوں سے علم اور عمل، اعتقادات و اخلاق و مکارم و شائل۔ تہذیب و تمدن، سیاست و ملکیہ اور مدنیہ کے لحاظ سے فائق اور برتر ہو تو اُس نبی کے سید الاولین و آخرین اور بادشاہ دو جہاں ہونے میں کیا کلام اور شبہ ہو سکتا ہے۔

(۲) حُسن و جمال میں آپ کا یہ حال تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ آفتاب آپ کے چہرہ مبارک میں گھومتا ہے اور جب تبسم فرماتے تو دندان مبارک کی چمک دیواروں پر پڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرْقُطْ عَيْنِي وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءَ
میری آنکھ نے آپ سے زائد حسین نہیں دیکھا اور آپ سے زائد جمیل اور خوبصورت عورتوں نے نہیں جنا
خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا کہ آپ ﷺ حسب منشاء پیدا کیے گئے

وَلِلَّهِ دَرُّ الْقَائِلِ جَزَاءُ اللَّهِ خَيْرًا - المؤمن

روایت کہ امام با صفا نے حسن سبط رسول مجتبیٰ نے
کہ ہند بن ابی ہالہ مراخل رسول اللہ کا تھا واصف حال

کیا میں نے سوال اُس باخبر سے
 کہ ہوں مشتاق ان باتوں کا بے حد
 غرض میری ہے یہ سن کر وہ احوال
 کہا بس ہند نے یوں مجھ سے اُس دم
 نگاہوں میں وہ یعنی خوش سیر تھے
 تجلی روئے انور کی نہ پوچھو
 مینہ کب قد خیرالورے تھا
 اگر کوتاہ کہیے تھا نہ کوتاہ
 قد بالا کا تھا اُن کے یہ عالم
 بزرگی تھی سرِ عالی میں پیدا
 خم نیچی عیاں بالوں میں کم تھی
 بکھرتے تھے جو فرق پاک پر بال
 اگر از خود نہ بال اُن کے بکھرتے
 بحال وفرہ سر کے بال اُن کے
 درخشانی کا عالم رنگ میں تھ
 مقوس دونوں ابروئے مقوس
 باندازِ مناسب طاق ابرو
 عجب خمدار و باریک و مطوّل
 میان ابرواں اک رگ ہو یدا
 کہوں کیا جذبِ نبی کا عالم
 معلّے نبی خیر البشر تھی
 جو کوئی بے تامل دیکھتا تھا
 ملائم آپ ﷺ کے رخسار نیکو
 بزیبائی کشادہ وہ دہن تھ

خبر دے حلیہ خیر لبشہر سے
 بیاں کر کچھ تو حال جدِ امجد
 کروں جو ہو سکے اسنادِ اعمال
 رسول اللہ تھے خمِ منظم
 دلوں میں بھی بزرگ و نامور تھے
 قمر ہو جس طرح سے چودھویں کو
 میانہ پن سے بھی وہ قد جدا تھا
 غرض گم کیفیت نے کی یہاں راہ
 میانہ سے دراز اطوّل سے کچھ کم
 نہایت حسن و موزونی ہو یدا
 کچھ اک ثولید گی لیکن بہم تھی
 دو فرقہ اُن کو کر دیتے تھے فی الحال
 تکلف سے نہ ہرگز فرق کرتے
 گزرتے نرمہائے گوش سے تھے
 کشادہ تھی جبینِ عالم آراء
 مقدس دونوں ابروئے مقدس
 نہ تھی پیوستگی آپس میں اُن کو
 بخوبی طاق تھا ثانی و اوّل
 بہت ہوتی غضب کے وقت پیدا
 کہ تھے نوروں کے شعلے جس سے تو اُم
 باندازِ بلندی جلوہ گر تھی
 بلندی کا گُماں ہوتا تھا پیدا
 بھلا تشبیہ دوں میں کس سے اس کو
 کشادہ وہ دہن تھا اور زیبا

کہوں دانتوں کا کیا وہ حسن سادہ
 دقیق المہر بہ یعنی خطِ مَو
 بوصفِ گردنِ شایانِ معراج
 مُصَفَّاً یعنی وہ گردن تھی ایسی
 کہوں کیا عضو عضو ان کے بدن کا
 بخوبی تھے تناور فخرِ عالم
 شکمِ سینہ صفائی میں برابر
 فراخی دونوں شانوں میں عیاں تھی
 بدن جو کچھ کھل پوشاک سے تھا
 گلوئے پاک سے تاناف والا
 سوا اس کے شکمِ سینہ سراسر
 کدائی دونوں شانے اور بازو
 وہ اُن کے صدرِ عالی کی بلندی
 طویل الزند دونوں دست وارا
 بزرگی اس کفِ پامیں عیاں تھی
 کشیدہ تھیں وہ انگشتانِ والا
 کفِ پا میں سماتی تھی یہ خوبی
 ہوا وارد بوصفِ پائے اقدس
 جدا رہتی زمیں سے یوں کفِ پا
 زمین پر جب خراماں آپ جاتے
 انھیں ہوتا خیالِ مثلِ پیشیں
 ہوا یہ حال بھی وارد بہ اخبار
 تو اُس دم تھے عیاں یہ صاف معنی
 انھیں جب دیکھنا منظور ہوتا

سپید و صاف آپس میں کشادہ
 کھنچا سینے سے تھا تاناف گلو
 کہا راوی نے شکلِ صورتِ عاج
 بشکلِ نقرہ بانور و ضیاء تھی
 بوضع خود مناسب اور زیبا
 تمامی عضو تن مربوط باہم
 مگر سینہ عریض و پہن خوشتر
 سر ہر استخوان میں تھی بزرگی
 درخشندہ وہ نورِ پاک سے تھا
 خطِ مَو تھا کھنچا باریک و زیبا
 مُعری مَو سے تھا صافی برابر
 مزین تھے بزیب کثرۃ مَو
 خطِ مَو سے رکھے تھی ارجمندی
 کشادہ تھی کفِ دستِ مُصَفَّ
 نمایاں دونوں قدموں میں بزرگی
 لقب سے سائل الاطراف جن کا
 کہ رہتی تھی زمیں پر سے وہ اونچی
 کہ تھے پائے مبارک نرم و ملمس
 کہ پانی اُس کے نیچے سے گذرتا
 قدم کو اپنے برکندہ اٹھاتے
 بہ نرمی راہ جاتے سرور دیں
 کہ جس دم آپ جاتے تندر قرار
 بلندی سے ہے گویا میل پستی
 نظر کرتے تھے حضرت بے محابا

بہت رہتے تھے آنکھوں کو جھکائے
زمین اکثر مشرف تھی نظر سے
تامل سوچ تھا کیا ہی نظر میں
بیان کرتا ہے راوی بعد اس کے
تو یہ ارشاد فرماتے تھے حضرت ﷺ
عجب اخلاق تھے خیر الوریٰ کے
سنو یہ اور عادت مصطفیٰ ﷺ کی
جناب پاک کرتے اُس کو خوش کام

نظر یعنی سوئے باطن لگائے
فلک کم بہرہ ور ہوتا بصر سے
سایا تھا لحاظ اُن کی بصر میں
کہ جب ساتھ آپ کے اصحاب ہوتے
چلو تم مجھ سے آگے کر کے سبقت
کہ ہوں مخدوم پیچھے خادم آگے
کہ ہوتا جو کوئی اُن سے ملاقی
بتقدیم سلام دین اسلام

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اگر وہ ہمارے حبیب محمد ﷺ کو دیکھتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔

اے زلیخا اس کو نسبت اپنے یوسف سے نہ دے ! اس پہ سر کھتے ہیں دائم اور اس پر انگلیاں
غرض یہ کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال دنیا میں مشہور تھا اور حسن و جمال کیساتھ شاہانہ جاہ و جلال بھی آپ کو حاصل تھا، کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔
(۳) اور آپ کا خوش بیان اور شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا سب کو تسلیم ہے آپ کے انفسِ قدسیہ اور کلماتِ طیبات اس وقت باسانید صحیحہ و حیدہ محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت اور شیریں زبانی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا۔

(۴) اور آپ مبارک الی الدہر بھی ہیں جیسا کہ بشارت دوم میں گزرا، مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں کروڑ ہا مسلمان نماز میں اور نماز کے بعد اور مختلف اوقات میں۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ
وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور
محمد کی آل پر جیسے آپ نے ابراہیم اور ان
کی آل پر برکت نازل فرمائی بلاشبہ آپ
ستائش اور بڑی بزرگی والے ہیں۔

پڑھتے ہیں۔ اس سے زائد اور کیا مبارک الی الدہ ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے جس کے لئے دنیا کے ہر گوشے میں برکت کی دعا مانگی جاتی ہو۔

(۵) قوت میں آپ کا یہ حال تھا کہ رکنا نہ پہلوان کو کہ جو قوت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ایک روز آں حضرت ﷺ سے جنگل میں مل گیا اور یہ کہا کہ آپ مجھ کو پچھڑ دیں تو میں آپ کو نبی برحق جانوں۔ آں حضرت ﷺ نے اُس کو پچھاڑ دیا اُس نے دوبارہ لڑنے کے لئے کہا آپ نے اُس کو دوبارہ بھی پچھاڑ دیا۔ اُس کو بہت تعجب ہوا آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اگر تو اللہ سے ڈرے اور میرا اتباع کرے تو اس سے زائد عجیب چیز دکھاؤں۔ اُس نے پوچھا کہ اس سے زائد کیا عجیب ہے، آپ ﷺ نے ایک درخت کو بلایا آپ ﷺ کے بلاتے ہی آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ لوٹ جا سو وہ درخت یہ سن کر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

(۶) اور آپ کا شمشیر بند اور صاحبِ جہاد ہونا بھی مسلم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ شمشیر بند تھے اور نہ صاحبِ جہاد۔ اور بقول نصاریٰ اُن میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو یہود سے بچا سکے۔

(۷) اور آپ ﷺ صاحبِ حق و صداقت بھی تھے۔ کما قال تعالیٰ شانہ:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُشْرِكُونَ ۚ

خدا ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار نہ رہے۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ
الْمُرْسَلِينَ ۚ

(آپ ﷺ شرع و مجنون نہیں) بلکہ حق کو لے کر آئے ہیں اور پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۚ

اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایک مرتبہ نصر بن ان رث نے قریش کو مخاطب بنا کر یہ کہا۔

قَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فَيَكُم غَلَامًا
حَدَّثَنَا اَرْضَاكُم فَيَكُم
وَاصْدَقَكُم حَدِيثًا وَاعْظَمَكُم
اِمْسَانَةً حَتَّى اِذَا رَأَيْتُمْ فِي
صَدْغِيهِ الشَّيْبَ وَجَاءَ كُم
بِمَا جَاءَ كُم قُلْتُمْ اِنَّهٗ سَاحِرٌ لَا
وَاللّٰهٖ مَا هُوَ بِسَاحِرٍ

محمد ﷺ تم میں نو جوان تھے سب سے
زاید پسندیدہ سب سے زاید امین۔ لیکن
جب تم نے اُن کے حنینِ راس میں
بڑھاپا دیکھا، اور وہ تمہارے پاس یہ دین
حق لے کر آئے تو تم اُن کو ساحر اور جادوگر
کہنے لگے۔ برگز نہیں، خدا کی قسم وہ
ساحر نہیں۔

اور ہر قل شاہِ روم نے جب ابوسفیان سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ
دریافت کیا کہ تم نے کبھی اُس کو متہم بالکذب کیا ہے تو اس پر ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ہم
نے ان سے کبھی کوئی کذب نہیں دیکھا۔

(۸) اور اقبال مند ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جیسا آپ کو اقبال
عطا فرمایا۔ ایسا اقبال آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

(۹) اور دائیں ہاتھ سے مہیب کام اور عجیب و غریب کرشمہ ظاہر ہونے سے معجزہ شقِ قمر
کی طرف اشارہ ہے

چودستش برآ ہیخت شمشیر بیم بہ معجز مین قمر زردونیم
اور علی ہذا جنگ بدر اور جنگِ حنین میں ایک مٹھی خاک سے تمام مشرکین کو خیرہ کرنا یہ بھی
آپ ﷺ کے دائیں ہاتھ کا مہیب کام تھا۔

(۱۰) تیر انداز ہونا بنی اسمعیل کا مشہور شعار ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

ارموا بنی اسمعیل فَاَن اَبَاكُم
كَانَ رَامِيَا۔

اسے بنی اسمعیل تیر اندازی کیا کرو اس لئے
کہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔

(اور دوسری حدیث میں ہے)

مَنْ تَعْلَمَ الرَّمِيَّ ثُمَّ تَرَكَهٗ
فَلَيْسَ مِنَّا

جو تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں
سے نہیں۔

(۱۱) اور لوگوں کا آپ ﷺ کے نیچے گرنا۔ یعنی خلق اللہ کا آپ ﷺ کے تابع ہونا۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ چند ہی روز میں ہزاراں ہزار اسد م کے حلقہ بگوش بن گئے۔
 کما قال اللہ تعالیٰ شانہ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
 وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی نصرت اور فتح چکی اور آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور استغفار پڑھیے بیشک خدا بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

(۱۳۱۲) اور آپ کی شریعت ابدار باد تک رہے گی، چنانچہ قرآن کریم حسب وعدہ الہی۔
 إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ
 بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تیرہ صدی سے بالکل محفوظ چلا آتا ہے۔ محمد اللہ اب تک اُس کے ایک نقطہ اور ایک شوشہ میں بھی سرمو تفوت نہیں آیا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت اسی طرح رہے گا اور یہود و نصاریٰ کو اپنی تورات و انجیل کا حال خوب معلوم ہے، لکھنے کی حاجت نہیں۔ اور آپ کی سلطنت کا عصا راستی اور صداقت کا عصا ہے۔ ہمیشہ اُس سے احقاق حق اور ابطال باطل ہوتا رہتا ہے۔

(۱۳۱۳) اور آپ صداقت کے دوست اور شرارت کے دشمن تھے۔ کما قال اللہ جل جلالہ

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آگئے ہیں کہ جن پر تمہاری تکلیف شوق ہے تمہاری بھلائی کے لئے حریص ہیں۔ مومنین پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۝
 اے نبی کریم کفار و منافقین سے جنگ کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔
 اور آپ کی امت کے یہ اوصاف ہیں۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ

کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان۔

أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ط ۖ

مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی بالکل پروا نہ کریں گے۔

اور عجیب نہیں کہ شرارت سے ابو جہل مراد ہو کہ جو سرتاپا شرارت تھا اور صداقت سے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوں جو کہ سرتاپا صدق و صداقت تھے اور بے شک ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اہل تھے کہ ان کو خلیل و صدیق یعنی دوست بنایا جائے۔

(۱۵) اور آپ کے کپڑوں سے خوشبو بھی آیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے آپ کا پسینہ مبارک اس لئے جمع کیا تا کہ دہن کے کپڑوں کو اس سے معطر کرے۔

(۱۶) اور قرنِ اول میں بہت سی شہزادیاں مسلمانوں کی خادم بنی ہیں چنانچہ شہر بانو یزدجرد شاہ کسریٰ کی بیٹی امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی۔

(۱۷) نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساویٰ شاہ بحرین اور شاہ عثمان اور بہت سے امیر و کبیر آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقہ بگوش بنے اور آپ کی خدمت میں سلاطین و امراء نے ہدایا بھیج کر فخر و سرفرازی حاصل کی۔ چنانچہ مقوقس شاہ قبط نے آپ کی خدمت میں تین باندیاں اور ایک حبشی غلام اور ایک سفید خچر اور ایک سفید حمار اور ایک گھوڑا اور کچھ کپڑے بطور ہدیہ ارسال کیے۔

(۱۸) اور آپ کے بعد قریش میں خلافت رہی۔ آپ کی اولاد میں امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں صد ہا خلیفہ اور حکمران ہوئے۔ حجاز و یمن مصر و شام وغیرہ وغیرہ میں حکومت و سلطنت پر فائز رہے اور قیامت کے قریب امام مہدی کا ظہور ہوگا جو امام حسنؑ کی اولاد سے ہوں گے اور تمام روئے زمین کے خلیفہ ہوں گے۔

(۱۹، ۲۰) اور آپ کی ستائش و ذکرِ خیر بھی ابد الابد تک رہے گا۔ ہر اذان میں اَشْهَدُ اَنْ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ بلند آواز سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ روزانہ پانچ مرتبہ کروڑ ہا مسلمان پکارتے ہیں۔ کوئی وعظ اور خطبہ ایسا نہیں کہ جس میں آپ کا نام پاک محمد ﷺ نہ لیا جاتا ہو۔ محمد اور احمد کے معنی ستودہ کے ہیں۔ اس بشارت کے شروع میں اِحمد کا لفظ صراحتاً مذکور تھا مگر حسد کی وجہ سے نکال دیا گیا مگر تاہم یہ اوصاف تو سوائے محمد ﷺ کے کسی پر صادق نہیں آتے۔

نصاری کے زعم و اعتقاد پر تو حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اس بشارت کا مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ نصاری صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے ترمیموں باب کو حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

”ہمارے پیغام پر کون اعتقاد لایا۔ اور خداوند کا ہاتھ کس پر ظاہر ہوا۔ اس کے ڈیل و ڈول کی کچھ خوبی نہ تھی اور نہ کچھ رونق کہ ہم اُس پر نگاہ کریں اور کوئی نمائش بھی نہیں کہ ہم اُس کے مشتاق ہوں وہ آدمیوں میں نہایت ذلیل و حقیر تھا۔“ آھ (اور پھر آیت پنجم میں ہے)

”وہ ہمارے گنہ گاروں کے سبب گھائل کیا گیا۔ اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا۔“ اھ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے تھے تو وہ اوصاف زبور کا جو بالکل اس کی ضد ہیں کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اعتقاد میں مجملہ دیگر تحریفات کے صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کا ترجمہ باب ۵۳ قطعاً یقیناً الحاقی اور اختراعی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاشا ہرگز ایسے نہ تھے۔ وہ تو دنیا اور آخرت میں وجیہ (آبرو اور عزت والے) اور خدا کے مقربین میں سے تھے۔ لیکن بایں ہمہ اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں اس لئے کہ نہ آپ شمشیر بند اور تیر انداز تھے اور نہ مجاہد تھے اور نہ آپ کی شریعت دائمی ہے۔ اور نہ آپ کی بعثت عام تھی، اور نہ آپ کے گھرانے میں کوئی شہزادی آئی کہ جو آپ کی بیوی یا لونڈی ہوتی، اس سے کہ آپ نے کوئی نکاح ہی نہیں فرمایا۔ نیز آپ کے کوئی باپ دادا نہ تھا، آپ تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بشارت ہفتم از زبور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۱۴۹

(۱) خداوند کی ستائش کرو۔ خداوند کا ایک نیا گیت گاؤ۔ اور اس کی مدح پاک لوگوں کی جماعت میں (۲) اسرائیل اپنے بنانے والے سے شکر دمان ہوئے۔ بنی صیہون اپنے بادشاہ کے سبب خوشی کریں (۳) وہ اُس کے نام کی ستائش کرتے ہوئے ناچیں۔ وہ صلبہ اور بربط بجاتے ہوئے اس کی ثنا خوانی کریں۔ (۴) کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے۔ (۵) پاک لوگ اپنی بزرگواری پر فخر کریں، اور اپنے بستروں پر پڑے ہوئے بلند آواز سے گایا کریں۔ (۶) خدا کی ستائش اُن کی زبانوں پر ہوئے اور ایک دودھاری تلوار اُن کے ہاتھوں میں ہو۔ (۷) تاکہ غیر امتوں سے انتقام لیں۔ اور لوگوں کو سزا دیوں (۸) اُن کے بادشاہوں کو زنجیروں سے اور اُن کے امیروں کو لوہے کی بیڑیوں سے جکڑیں (۹) تاکہ اُن پر وہ فتویٰ جو لکھا ہوا ہے جاری کریں اُس کے پاک لوگوں کی یہی شوکت ہے کہ خداوند کی ستائش کرو۔“ آھ

اس بشارت میں نبی مبشر کو بادشاہ کے لفظ سے اور اُس کے مطیعین کو صالحین اور پاک لوگوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ نبی موعود بادشاہ ہوگا۔ اور اُس کی شمشیر زنی موافق خوشنودی حق اور بمتحصائے غضب الہی کافروں کے حق میں ہوگی اور اس کے اصحاب اور احباب اس کے ساتھ ہو کر کافروں سے جہاد و قتال کریں گے۔

بعد ازاں مطیعین کے کچھ اوصاف ذکر کیئے گئے ہیں جو من اولہا ان اخرھا امت محمدیہ پر پورے منطبق ہیں، یہی وہ امت ہے کہ جو اپنے بستروں پر بھی اللہ کو یاد کرتی ہے۔ کما قال تعالیٰ

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا ۖ وَهَلْ يَنْسَوْنَ اللّٰهَ كُفْرًا ۚ
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ۖ

ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اور یہی وہ امت ہے کہ نماز میں اور جہاد میں اور ہر اذان میں اور عید الفطر اور عید النحر اور ایام تشریق اور ایام حج اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں اللہ کو بلند آواز سے پکارتی ہے،

بخلاف یہود و نصاریٰ کے کہ یہود تو بوق اور نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور اللہ کو یاد کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی امت کا شعار ہے۔

اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی دودھاری تمواروں نے روم و شام و دیگر ممالک کو فتح کیا اور بڑے بڑے بادشاہوں اور امیروں کو قید کیا ہے اور اہل کتاب کے نزدیک اس بشارت کا مصداق نہ سلیمان علیہ السلام ہو سکتے ہیں کیونکہ اہل کتاب کا زعم باطل اور اعتقاد فحش یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اخیر عمر میں مرتد اور بت پرست ہو گئے تھے۔

اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے اعتقاد کے مطابق اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی مقتول و مصلوب ہوئے اور علیٰ ہذا آپ کے اکثر حواریین گرفتار کیے گئے وہ دوسرے بادشاہوں اور امیروں کو کہاں قید کرتے۔ اور بشارت میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص موعود بادشاہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بادشاہ نہ تھے اور معنوی بادشاہت ہر نبی کو حاصل رہی اس میں حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت۔

رہا کافروں سے قتال و جہاد کرنا اور ان کو گرفتار کرنا سو یہ عین عبادت ہے نہ کہ قابل اعتراض جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کا جہاد کرنا اور علیٰ ہذا سلیمان علیہ السلام اور ان کے صحابہ کا جہاد فرمانا تمام یہود و نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس جز کا مصداق حضرت مسیح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ زبور مذکور کا مضمون بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ آنے والا نبی بادشاہ ہوگا اور اپنے اصحاب کے ساتھ سلطین کفار سے جہاد و قتال کرے گا اور بڑے بڑے جبارین اور متکبرین مقتول اور اسیر اور گرفتار ہوں گے اور آپ کے اصحاب تکبیر کہتے ہوئے آپ کے ساتھ ہوں گے

تکبیر مردان شمشیر زن کہ مرد دغا را شمارند زن

اور یہ تمام امور آں حضرت ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔

بشارت ہشتم از زبور باب ۲۷۔ درس اول

(۱) اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے۔ (۲)

وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کرے گا اور تیرے مسکینوں میں عدالت سے (۳)

پہاڑ لوگوں کیلئے سلامتی ظاہر کریں گے اور نیلے بھی صداقت سے (۴) وہ قوم کے مسکینوں کا انصاف کرے گا، اور محتاجوں کے فرزندوں کو بچائے گا۔ اور ظالم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔ (۵) جب تک کہ سورج اور چاند باقی رہیں گے ساری پشتوں کے لوگ تجھ سے ڈرا کریں گے (۶) وہ بارش کی مانند جو کائے ہوئے گھاس پر پڑے نازل ہوگا اور پہوئی کے مہینہ کی طرح جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ (۷) اس کے عصر میں جب تک کہ چاند باقی رہے گا صادق چلیں گے و سلامتی فراواں ہوگی۔ (۸) سمندر سے سمندر تک اور دریا سے انتہاء زمین تک اُس کا حکم جاری ہوگا۔ (۹) وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے سامنے جھکیں گے اور اس کے دشمن مانی چائیں گے۔ (۱۰) ترسیں اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سیبا کے بادشاہ ہدیے گزاریں گے (۱۱) سارے بادشاہ اس کے حضور سجدہ کریں گے ساری گروہیں اس کی بندگی کریں گی۔ (۱۲) کیونکہ وہ دہائی دینے والے محتاج کو اور مسکین کو اور اُن کو جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا چھڑائے گا (۱۳) وہ مسکین اور محتاج پر ترس کھائے گا اور محتاجوں کی جان بچائے گا۔ (۱۴) وہ ان کی جانوں کو ظلم اور غضب سے بچالے گا، اُس کے حق میں سدا دعا ہوگی، ہر روز اُس کو مبارک باد کہی جائے گی۔ (۱۶) اتاج کی کثرت سر زمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوگی، اُس کا پھل لبنان کے درخت کی طرح جھڑا جھڑائے گا اور شہر کے لوگ میدان کے گھاس کے مانند سرسبز ہونگے (۱۷) اس کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک آفتاب رہے گا اُس کے نام کا رواج ہوگا لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک کہیں گے ساری قومیں اُسے مبارکباد دیں گی (۱۸) خداوند خدا اسرائیل کا جو اکیلا ہی عجائب کام کرتا ہے مبارک ہے (۱۹) اس کا جلیل نام ابد تک مبارک ہے، سارا جہان اس کے جلال سے معمور ہوا اُمیں آمین (۲۰) داؤد بن یسی کی دُعائیں تمام ہونیں۔ (بہتر واں زبور ختم ہوا)

جاننا چاہیے کہ اس زبور میں ایسے پیغمبر کی ظہور کی خبر دی گئی ہے کہ جس کو نبوت و رسالت کے ساتھ من جانب اللہ بادشاہت (۱) اور حکومت بھی حاصل ہوگی اور اس (۲) کا دائرہ سلطنت اتنا وسیع ہوگا کہ بحر و بر کو شامل ہوگا اور (۳) عدالت اور صداقت کے ساتھ اس کی عدالتیں جاری ہوں گی، یہ اور محتاجوں کو ان کو حق دلانے کا اور ظالموں (۵) کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا اور اس کے دشمن لرزاں و ترساں ہوں گے اور سلاطین عام اس کے لئے ہدیے اور

تختے آئیں گے۔ اور تم مقبل اس کے مطیع اور فرمانبرداروں میں ہوں گے۔ (۹) ہر طرف سے دروز ساری قومیں اس کے حق میں دعا اور مبارکباد کہیں گی۔ اور ابد تک اس کا نام باقی رہے گا۔ جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج رہے گا۔

اہل عقل ایک سرسری نظر سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اوصاف مذکورہ حضرت مسیح علیہ السلام میں نہ تھے بلکہ رسالتِ ختمیت جناب سرور عالم ﷺ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا فرمائی کہ جس میں قوموں کے درمیان ایسی عدالت اور صداقت جاری ہوئی کہ دنیا نے نہ ایسی صداقت اور عدالت دیکھی اور نہ سنی۔

ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا گیا اور زمین کو ظلم اور غضب سے پاک کر دیا۔ بحر اور صحراء و بیابان میں آپ کی حکومت پھیلی اور دشمن آپ سے تھرا گئے اور بڑے بڑے سلاطین آپ کے حضور سجدہ میں گرے اور بدیہ اور تختے آپ کی بارگاہ میں بھیجے اور آپ نے صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کے لئے جہادات اور غزوات کیے اور آپ کی جاری کردہ صداقت اور عدالت کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم جیسے صداقت اور عدالت کے عمبرداروں نے حد کماں کو پہنچایا۔

اور ابد تک جب تک کہ چاند اور سورج قائم ہیں آپ کا نام مبارک ہر اذان اور نماز اور ہر دعا، اور ہر منبر و محراب میں لیا جائے گا۔ بلکہ خطبوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کے خدفا، راشدین کا نام بھی لیا جائے گا۔ جنہوں نے دنیا میں صداقت و عدالت کا علم بلند کیا۔

اے علماء یہود و نصاریٰ یہ ناپزیر تم کو صداقت اور عدالت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ جس صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کا ذکر اس زبور میں ہے خدا را یہ بتلاؤ کہ سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے اور کہاں اس کا ظہور ہوا اوصاف مذکورہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریین پر انطباق کی صورت سے ممکن نظر نہیں آتا۔

گزارش

حضرات اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ زبور کا باب ۱۲ اور باب ۱۳ اسی بہترین باب کا تتمہ ہے جس میں صحبہ کرام کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں اور تشریح اور تطبیق کے لئے زالت ۱، وہام بزبان فارسی ص ۴۷۰ تا ص ۴۷۵ مصنفہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ ملاحظہ فرمالیں۔

بشارت نہم از صحیفہ ملاکی علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب سوم آیت اوّل

دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی بیگل میں ناگہاں آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنیکے دن کون ٹھیر سکے گا۔ اور جب وہ نمود ہوگا کون بے جو کھڑا رہے گا۔ آھ

اس بشارت میں ایسے رسول کی آمد و ظہور کا ذکر ہے کہ جو صاحب ختان ہوگا اور اسی وجہ سے آپ کی بعثت سے قبل یہود و نصاریٰ کو رسول الختان کا انتظار تھا۔ اور قیصر روم بھی اسی پیشین گوئی کے مطابق رسول ختان کے ظہور کا منتظر تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہرقل میں مذکور ہے مگر آجکل نسخوں میں بجائے ختنہ کے رسول کے، عہد کا رسول مذکور ہے۔

لیکن اس صورت میں بھی عہد سے ختنہ ہی کا عہد مراد ہے جیسا کہ سفر پیدائش کے باب ہفتم ہم کی آیت دہم سے معلوم ہوتا ہے۔

اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند زینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔

بشارت دہم از صحیفہ حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام باب سوم آیت ۳

خدا تیمان سے۔ اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اُس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی، اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔ انتہی

یہ بشارت سرور عالم محمد ﷺ کے حق میں نہایت ہی ظاہر ہے سوائے آنحضرت ﷺ

کے اور کون پیغمبر فاران سے مبعوث ہوا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی چنانچہ ہر دوست اور دشمن کی زبان پر آپ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہے۔ اور ایک قدیم عربی نسخہ میں لفظ ہیں۔

وامتلات الارض من تحمید : یعنی تمام زمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی احمد سے بھر گئی۔

مگر حاسدین نے اس جملہ کا رہنما گوارا نہ کیا۔ اور بعد کی اشاعت میں اس جملہ کو صحیفہ مذکورہ سے علیحدہ کر دیا اور علیٰ ہذا سارا عالم آپ کے نور ہدایت سے جگمگا اٹھا۔

بشارت یازدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۱ آیت ۶، ۷

خداوند نے مجھے یوں فرمایا جا نگہبان بٹھلا جو کچھ دیکھے سو بتلائے۔ اُس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے اور گدھوں اور اونٹوں پر بھی سوار۔ آھ

اس بشارت میں حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو نبیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

اول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف، گدھے کی سواری سے ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام گدھے پر سوار ہو کر یروشلم (بیت المقدس) داخل ہوتے تھے۔

دوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اونٹ کی سواری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص اور مشہور سواری ہے۔

چنانچہ آپ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس وقت اونٹ پر سوار تھے اور پھر آیت نہم میں بابل کے سقوط یعنی اس کے گرنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بابل کا سقوط خلفاء راشدین کے زمانے میں ہوا۔ حضرت مسیح اور حواریین کے زمانے میں بابل کا سقوط نہیں ہوا۔

بشارت دوازدهم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۱، آیت ۱۶، ۱۷

اس باب میں عرب کی بابت لہامی کلام ذکر ہے، چنانچہ آیت ۱۶ میں ہے۔ (۱۶) خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ (۱۷)، اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے، کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ آھ

چنانچہ ٹھیک ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر میں بنی قیدار یعنی قریش کی ساری حشمت جاتی رہی۔ ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور بنی قیدار کا بنی اسمعیل سے ہونا توریت وغیرہ اور تواریخ سے ثابت ہے اور علمائے نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے۔

بشارت سیزدهم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۲، آیت ۲۳

اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ کہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون پر اور یروشلم میں اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ آھ

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نہایت حشمت کے ساتھ سلطنت فرمائی اور چاند مضطرب یعنی اپنی اصلی حالت سے متغیر ہوا اور اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ شانہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ! قیمت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

اور سورج بھی شرمندہ ہوا۔ چنانچہ غزوہ خیبر میں اس کو حرکت معکوس کرنا پڑی۔

بشارت چہارم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۸ آیت ۱۳

سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا حکم پر حکم۔ حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔

چنانچہ قرآن عزیز اسی طرح نجماً نجماً نازل ہوا۔ ربی انجیل سو وہ علماء مسیحین کے نزدیک منزل من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے اور صحیفہ مذکور کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب موصوف کا منزل من اللہ ہونا ضروری ہے۔

اور ہمارے نزدیک جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی وہ تمام کتاب ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی۔ قرآن کریم کی طرح نجماً نجماً نازل نہیں ہوئی۔ قل تعالیٰ شأنہ
وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ
عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا طے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل کیا گیا۔ کہہ دو کہ ہم نے اسی طرح نازل کیا تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اس لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر پڑھ سنایا۔
وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ
عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً
كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ
وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۲

بشارت پانزدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۴۲ آیت اول

دیکھو میرا بندہ ہے جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔

یہ بشارت بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صریح ہے اس لئے کہ میرا بندہ یہ ترجمہ عبد اللہ کا ہے اور عبد اللہ بھی آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے۔

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ جب عبد اللہ کھڑا ہوا۔

اور قرآن عزیز میں بکثرت عبد اللہ کے لقب سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مکہ قال تعالیٰ

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ ۚ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا۔
مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا ۚ ۱ اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا۔

نصاری کہتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نصاریٰ کے اعتقاد میں خدا کے بندے نہیں بلکہ خدا اور معبود ہیں۔ لہذا وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے اور برگزیدہ بعینہ ترجمہ مصطفیٰ کا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کا مشہور و معروف نام ہے۔ اور جس سے میراجی راضی ہے۔ یہ ترجمہ مرتضیٰ کا ہے کہ جو آں حضرت ﷺ کا ایک نام پاک ہے۔

اور بزعم نصاریٰ اس جملہ کا مصداق یعنی جس سے میراجی راضی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ وہ ان کے زعم میں مصوب و مقتول ہوئے اور جو مقتول و مصلوب ہو جائے وہ نصاریٰ کے نزدیک ملعون ہے جیسا کہ گلیتوں کے تیسرے خط کے تیرھویں درس سے معلوم ہوتا ہے

مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی نکڑی پر لٹکا یا گیا وہ لعنتی ہے۔ آھ۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصاریٰ کے اس زعم باطل کی بناء پر معاذ اللہ خدا ان سے راضی نہیں۔

الحاصل

محمد مصطفیٰ ﷺ شبِ خدا کے برترزیدہ بندہ اور رسول ہیں جن سے خدا راضی ہے۔
 اور کتب سیر میں آپ کے اسماء مبارکہ میں آپ کا نام نامی مرتضیٰ اور رضی بھی لکھا ہے۔
 اور اسی وجہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ کے صحابہ کرام کا خاص شعار ہے، مکاقل تعالیٰ شانہ
 لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
 اذِيبَا يَعُونُكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
 جبکہ وہ اس درخت کے نیچے آپ سے
 بیعت کر رہے تھے۔

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے
 ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں
 مہربان ہیں۔ آپ ان کو رکوع و سجود کرتے
 اللہ کا فضل اور اللہ کی رضا طلب کرتے
 دیکھیں گے۔ صلاح اور تقویٰ کی نشانی ان
 کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے، یہ
 ہے ان کی شان کہ جو توراۃ میں مذکور ہے۔

۴۔ اور روح سے مراد وحی الہی ہے کہ جس پر ارواح و قلوب کی حیات کا دار و مدار ہے کہ
 قال تعالیٰ شانہ۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا
 مِّنْ أَمْرِنَا
 اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی
 اپنے حکم سے۔

سوال محمد اللہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ پر مُردہ قلوب کی حیات اور زندگی کے لئے ایک
 روح یعنی قرآن عظیم کو اتارا جس نے نازل ہو کر مُردہ قلوب کو حیات اور بے شمار مریض دلوں
 کو شفا بخشی مکاقل تعالیٰ شانہ۔

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ
 رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝
 اور اتارتے ہیں ہم ایسا قرآن کہ جو
 مؤمنین کیسے سراسر شفا اور رحمت ہے۔

۵۔ اور مبعوث ہو کر آپ نے باذن الہی عدالت کو بھی جاری فرمایا۔ کما قال اللہ جل

جلالہ و غم نوالہ

فَإِذَا لَكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ ۖ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ
وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ
كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ
پس اسی طرف بدیئے اور اسی پر قائم رہئے
جیسا کہ آپ کو حکم کیا گیا ہے اور انکی
خواہشوں کی پیروی نہ فرمائیے اور یہ کہئے
کہ میں ایمان لایا اللہ کی اتاری ہوئی
کتاب پر اور حکم کیا گیا ہوں کہ تمہارے
درمیان عدل و انصاف کروں۔

اور چونکہ عدالت کا جاری کرنا شوکت کو مقتضی ہے اس لئے یہ وصف بھی علی زعم النصاری
حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہیں اس لئے کہ نصاریٰ کے نزدیک تو حضرت
عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو اتنی قوت بھی نہ تھی کہ جو اپنے کو قتل و صلب سے بچ سکتے شوکت
تو درکنار۔

۶۔ پھر باب مذکور کی دوسری آیت میں ہے۔

کہ وہ نہ چلائے گا، اور اپنی صدا بندنہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔
یہ جملہ بھی نبی کریم ﷺ پر پوری طرح صادق آتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کے باب
کرہتہ السخب فی الاسواق میں عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن
العاص رضی اللہ عنہ سے مل کر یہ دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو
تو ریت میں مذکور میں بیان فرمائیے۔ جواب میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے بہت سے
اوصاف ذکر فرمائے۔ منجملہ اُن کے یہ فرمایا:

لَيْسَ بَفِظٍ وَلَا غَلِيظٍ ۖ وَهُوَ نَبِيٌّ لَا يَشْعُرُ بِشَوَارِئِهِ وَلَا يَشْعُرُ
بِأَسْخَابِهَا وَلَا سَوَاقِهَا ۖ
وہ نبی نہ بد خواور نہ سنگدل ہوگا اور نہ
بازاروں میں شور کرنے والا۔

۷۔ اور باب مذکور کی تیسری آیت میں ہے۔

وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے یعنی وہ نبی صاحب حکومت اور صاحب

عدالت ہوگا اور حضرت عیسیٰ کے یہاں حکومت کا نام بھی نہ تھا نہ کافروں سے جہاد کیا ورنہ مجرموں پر کوئی عدالت جاری نہ کی اس کا مصداق تو آنحضرت ﷺ ہی ہو سکتے ہیں اور دائم رہنے سے آنحضرت ﷺ کی شریعت غراء کا الی یوم القیامۃ باقی رہنا مراد ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی شریعت اب تک برابر محفوظ ہے اور انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہمیشہ رہے گی کوئی امت اس بارہ میں امت محمدیہ کی ہمسری نہیں کر سکتی کسی امت نے بھی اپنے نبی کی شریعت اور اس نبی کے قوال و افعال کی حفاظت امت محمدیہ کے مقابلہ میں عشر عشر بھی نہیں کی۔ اور شریعت کے دائم ہونے سے خاتم الانبیاء ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسلئے کہ شریعت کا دوام اور بقاء ان یوم القیامہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس نبی کے بعد اور کوئی نبی نہ بنایا جائے۔ ورنہ اگر اس کے بعد کوئی اور نبی بنایا جائے تو شریعت سابقہ شریعت لاحقہ سے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے دائمی نہ رہے گی۔ ۸۔ اور باب مذکور کی چوتھی آیت میں ہے۔

اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا وصال جب ہوا کہ جب رستی زمین پر قائم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
وَأَتَمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا
آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو
میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا
انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو
تمہارے دین بننے کیسے پسند کر لیا۔

کی بشارت نازل ہو گئی۔ اور

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
۱۔ بے شک میں نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح
دی۔ جب خدا کی مدد اور فتح آپ پہنچی۔

کا وعدہ پورا ہو گیا اور عجب نہیں کہ راستی قائم کرنے سے خلافت صدیقیہ کی جانب اشارہ ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے اس لئے کہ راستی ترجمہ صدق کا ہے اور صدق کا اطلاق صدیق پر ایسا ہی ہے جیسا کہ عدل کا اطلاق زید پر چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مرض الوفا

میں صدیق اکبر کو امام بنا کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ میرے بعد صدیق اکبر خلیفہ ہونے چاہئیں تاکہ صدق اور راستی قائم ہو۔

۹۔ اور چھٹی آیت میں ہے۔

تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

یہ جملہ بھی سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ اللہ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

چنانچہ یہ وعدہ اللہ کا پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری کی اور حفاظت فرمائی ہاں بزعیم نصاریٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت نہیں ہوئی۔

۱۰۔ اور پھر چھٹی آیت میں جو نور کا ذکر ہے کہ لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا اُس سے نور ہدایت اور نور شریعت کا دینا مراد ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۚ اے لوگو بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک برہان آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک نور (قرآن کریم) نازل کیا۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ پس جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کی اور اسی نور کا اتباع کیا کہ جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا یہی لوگ فلاح والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّبِينًا ۚ اے نبی ہم نے تمہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف خدا کے حکم سے بلانے والا اور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

یُرِيدُونَ لِیُصْفُوا نُورَ اللَّهِ
بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝
کافر اپنی مونہوں کی پھونک سے اللہ کے
نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور
کو ضرور پورا فرمائیں گے، اگرچہ کافروں کو
ناگوار ہو۔

۱۱۔ اور آیت ہشتم میں ہے۔

اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا۔

یہ جملہ بھی حرف بحرف آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے۔

اعطیت ما لم یعط احد من
الانبياء قبلی
مجھ کو منجانب اللہ وہ چیزیں عطا کی گئیں کہ جو
انبیاء سابقین میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔

مثلاً ختم نبوت، رسالت، عموم بعثت و دعوت، مقام محمود، شفاعت کبریٰ، معراج سبع
سموات ان فضائل و مزایا سے سوائے نبی اکرم ﷺ کے اور کسی نبی کو سرفراز نہیں کیا گیا۔ یہ
حشمت و شوکت آپ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ آیات و بینات محاسن اخلاق فضائل و ثنائیل،
علوم و معارف عطا فرمائے کہ جو کسی نبی اور رسول کو نہیں عطا فرمائے۔ خصوصاً قرآن حکیم کا
معجزہ تو ایسا روشن معجزہ ہے کہ جس کے سامنے موافق و مخالف سب ہی کی گردنیں خم ہیں۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط
یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ فضل جس کو چاہتا
ہے دیدیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۱۲۔ اور گیارھویں آیت میں ہے۔

بیابان عرب اور اس کی بستیوں قیدار کے آباد دیہات میں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے
بنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا
جلال ظاہر کریں گے۔ آھ

قیدار حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو آنحضرت
ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اور اس بیابان سے فاران کا بیابان مراد ہے جہاں حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ آئے تھے، جیسا کہ کتاب پیدائش کے اکیسویں باب کی اکیسویں آیت سے ظاہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اس وقت مکہ معظمہ آباد ہے اور قیدار کے آبادیہات سے یہی مکہ مراد ہے۔ اسی جگہ حضرت اسمعیل کی اولاد آباد ہوئی الحاصل اس جملہ میں آپ کے مولد یعنی جائے ولادت کی طرف اشارہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور آپ کی اُمت اس بیابان میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اللَّهُ أَكْبَرُ اور لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کے نعروں سے اللہ کے جلال کو ظاہر کرے گی۔ سفر اور حضر میں اللہ کی تکبیر کہنا یہ خاص اُمت محمدیہ ﷺ کا شعار ہے مسلمان اذان اور تکبیر کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور نصاریٰ میں گھنٹہ اور ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہے اور بجائے تکبیر و توحید کے تکیلیت اور تجسیم کا نعرہ لگاتے ہیں کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور بندوں کی نجات کے لئے صلیب پر لٹکا۔

اور اس بشارت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ نبی مہشر قیدار بن اسمعیل کی اولاد سے ہوگا، لہذا اس بشارت کا مصداق انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ سب حضرت اسرائیل کی اولاد سے ہیں، نہ کہ قیدار بن اسمعیل کی اولاد سے اور سلع مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، اس سے آنحضرت ﷺ کے مقام ہجرت کی طرف اشارہ ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

خلاصہ کلام

یہ کہ یہ کلام معرفت التیام از اول تا آخر باواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ وہ شخص موعود خدا تعالیٰ کا خاص۔ برتریدہ اور پسندیدہ بندہ ہوگا اور عامہ خلاق کی پیشوائی اور سارے جہان کی بادشاہی اور رہنمائی کا منصب اس کو عنایت ہوگا اور شخص موعود بنی قیدار یعنی بنی اسمعیل میں سے ہوگا۔ نہ کہ بنی اسرائیل میں سے کیونکہ قیدار بالاتفاق حضرت اسمعیل کے بیٹے کا نام ہے۔

پس اس خبر کا مصداق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں ہیں۔ بنی قیدار یعنی بنی اسمعیل میں سے نہیں۔

اور سارے جہان کی پیشوائی اور رہنمائی کا منصب بھی اُن کو حاصل نہیں ہوا، اس لئے

کہ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کی گمراہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے یعنی ان کی بعثت عام نہ تھی اور نہ حضرت عیسیٰ نے کوئی حکومت کی اور نہ قوموں میں کوئی عدالت جاری کی، پس اس خبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے مراد ہو سکتے ہیں۔ اس خبر میں جس قدر اوصاف مذکور ہیں وہ سب سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر صادق اور منطبق ہیں لہذا وہی مراد ہو سکتے ہیں۔

بشارت شانزدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۵۲ درس ۱۳

۱۳۔ دیکھو میرا بندہ اقبال مند ہوگا وہ بالا اور ستودہ ہوگا اور نہایت بلند ہوگا۔ ۱۴۔ جس طرح بہتیرے تجھے دیکھ کے دنگ ہو گئے کہ اس کا چہرہ ہر ایک بشر سے زائد اور اس کی پیکر بنی آدم سے زیادہ بگڑ گئی۔ ۱۵۔ اُسی طرح وہ بہت سی قوموں پر چھڑ کے گا۔ اور بادشاہ اس کے آگے اپنا منہ بند کریں گے، کیونکہ وہ کچھ دیکھیں گے جو ان سے کہا نہ گیا تھا اور جو کچھ انہوں نے نہ سنا تھا وہ دریافت کریں گے۔ (ختم ہوا)

اس بشارت میں میرے بندہ سے آں حضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفت مراد ہے جس کے اقبال مند اور بال اور ستودہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں اور غلط ستودہ ٹھیک لفظ محمد کا ترجمہ ہے۔ محمد ستودہ میں استوار

و حق تعالیٰ نے حضور پر نور کو وہ بلندی اور رفعت عطا کی کہ جو نہ کسی نے کبھی سنی اور نہ دیکھی حضرات نصاریٰ غور کریں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بلندی اور اقبال مندی بھی حاصل ہوئی نصاریٰ کے زعم فاسد کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اقبال مندی اور نہایت بلندی تو کہاں حاصل ہوتی نصاریٰ کے عقیدہ صیب کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ ذلت اور اہانت حاصل ہوئی کہ جو دنیا میں کبھی بھی کسی برگزیدہ حق کو نہیں ہوئی اہل اسد متو اس تو بین و تذلیل سے بری اور بیزار ہیں جو نصاریٰ اپنے مزعوم خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں اسد م کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور ان کے دشمنوں کو ناکام کیا۔

بشارت ہفدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام

باب ۶۰ درس (۱) در بارہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

(۱) اٹھ روشن ہو (اے سرزمین مکہ) تیری روشنی کی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۔ ۲۔ کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ ۳۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی بجلی میں چلیں گے اب یہاں سے زمین مدینہ کو خطاب ہے۔ ۴۔ اپنی نکمیں اٹھ کر چاروں طرف نگاہ کر وہ سب (لوگ) اکٹھے ہوتے ہیں وہ تجھ پاس آتے ہیں تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جائیں گی۔ ۵۔ تب تو دیکھے گی اور روشن ہوگی ہاں تیرا دل اچھے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ ۶۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیضہ کی سائندیاں آ کے تیرے گرد بے شمار ہوں گی وہ سب جو سبھا کے ہیں آئیں گے وہ سونا اور لبان لائیں گے اور خدا کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے۔ ۷۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی غنیمت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مدح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔ ۸۔ یہ کون ہیں جو بدلی کی طرح اڑتے آتے ہیں اور کبوتروں کی مانند اپنی کابک کی طرف۔ ۹۔ یقیناً بحری ممالک میری راہ نکلیں گے اور تریس کے جہاز پہلے آئیں گے تیرے بیٹوں کو ان کے روپے اور سونے سمیت دور سے خداوند تیرا خدا و اسرائیل کے قدوس کے نام کے لئے لائیں گے کیونکہ اس نے تجھے بزرگی دی ہے۔ ۱۰۔ اور اجنبیوں کے بیٹے تیری دیوار اٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت نزاری کریں گے، اگرچہ میں نے اپنے قہر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانی سے تجھ پر رحم کروں گا۔ ۱۱۔ اور تیری پھنکیں نت کھلی رہیں گی وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گی تاکہ قوموں کی دولت تو تیرے پاس لائیں اور ان کے بادشاہوں کو دھوم دھام کے ساتھ۔ ۱۲۔ کہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت نزاری نہ کرے گی برباد ہو جائے گی ہاں وہ قومیں یک لخت ہلاک ہو جائے گی۔ ۱۳۔ لبنان کا جلال تجھ پاس آئے گا سرو اور صنوبر اور دیودار ایک ساتھ تاکہ میں اپنی مقدس مکان کو

آراستہ سروں اور اپنے پاؤں کی رسی کو رونق بخشوں۔ ۱۴۔ اور تیرے غارتگروں کے بیٹے بھی تیرے آگے ٹھیکرے ہو۔ انہیں گے یا وہ سب جنہوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پر پڑیں گے اور خداوند کا شہر سر نیل کے قدوس کا صیہون تیرا نام رکھیں گے۔ ۱۵۔ اس کے بعد کہ تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزربھی نہ کیا میں تجھے شرافت دانی اور پشت در پشت وٹوں کا سردار بناؤں گا۔ ۱۶۔ تو قوموں کا دودھ بھی چوس لے گی ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسگی اور تو جانے گی کہ میں خداوند تیرا بچا نے والا اور میں یعقوب کا قادر تیرا چھڑانے والا ہوں۔ ۱۷۔ میں بیتل کے بدلے سونالاؤں گا اور لوہے کے بدلے رُوپا اور لکڑی کے بدلے بیتل اور پتھروں کے بدلے لوہا اور میں تیرے حاکموں کو سلامتی اور تیرے حاکموں کو صداقت بناؤں گا۔ ۱۸۔ آگے کو کبھی تیری سرزمین میں ظلم کی آواز نہیں سنی جائے گی اور نہ کہ تیری سرحدوں میں خرابی یا بربادی کی تو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے دروازوں کا نام ستودگی رکھے گی۔ ۱۹۔ آگے تیری روشنی دن کو سورج سے اور رات کو تیری چاندنی چاند سے نہ ہوگی بلکہ خداوند تیرا ابدی نور اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا۔ ۲۰۔ تیرا سورج پھر کبھی نہیں ڈھلے گا اور تیرے چاند کا زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا اور تیرے ماتم کے دن آخر ہو جائیں گے۔ ۲۱۔ اور تیرے لوگ سب راست باز ہوں گے وہ بدستک سرزمین کے وارث اور میری لگائی ہوئی ٹہنی اور میرے ہاتھ کی کاری گری ٹھہریں گے تاکہ میری بزرگی ظاہر ہو۔ ۲۲۔ ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہوں گے اور ایک حقیر سے ایک قویٰ سروہ ہوں میں خداوند اُس کے وقت میں یہ سب کچھ جلد کروں گا۔ (باب ۶۰ ختم ہوا)

اس باب کی پہلی آیت میں مکہ معظمہ کو خطاب ہے اور اس کو روشن اور منور ہونے کی بشارت ہے اور نور اور روشنی سے آں حضرت ﷺ کی نبوت کا نور یا قرآن کا نور مراد ہے قرآن کریم کو نور مبین کہا گیا ہے۔

۲۔ صد با سال سے جو زمین پر کفر اور شرک اور گمراہی کی ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور نور قرآن سے زائل ہو گئی۔

۳۔ اور امیر و فقیر اور با شاہ اُس نور کے طلوع کی تجلّی میں چلنے لگے۔

۴۔ اور رفتہ رفتہ وہ نور زمین کے چاروں طرف پھیلنے لگا اور مختلف قبائل اُس نور کے سرد

۱۔ کھٹے ہونے لگے اور تیس برس کے اندر وہ نور دیار روم اور دیار مغرب اور دیار مشرق فارس اور کاشغر اور ختن اور ہند سندھ وغیرہ میں پہنچ گیا۔

۵۔ اور لاکھوں مسلمان پیادہ اور سوار امیر و غریب حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ میں جمع ہونے لگے اور بے شمار اونٹوں اور سانڈنیوں کی قطاریں مکہ معظمہ پہنچنے لگیں اور اونٹوں کی افراط جس قدر عرب اور مکہ مکرمہ کے اطراف اور نواحی میں ہے وہ زمین کے کسی خطہ میں نہیں۔

۶۔ اور خداوند ذوالجلال کی حمد و ثناء اور تعریف کرنے والوں کے غول کے غول خانہ کعبہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

۷۔ اور روئے زمین کے سلاطین اہل اسلام خانہ کعبہ اور اہل مکہ کے لئے لاکھوں درہم و دینار کے ہدایا بھیجے لگے۔

۸۔ اور مدینہ حضرت ابراہیم کے بیٹے کا نام ہے جو طعن قطور سے ہے اور شہر مدینہ انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور قیدار حضرت اسمعیل کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ تورات کے کتاب پیدائش کے پچیسویں باب میں صراحۃً مذکور ہے اور اہل مدینہ اور نواحی سباسب حضرت اسمعیل کی اولاد میں سے ہیں جو مشرف باسلام ہوئے اور ہر سال اونٹوں اور سانڈنیوں پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور جن کی حمد و ثناء اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ کی آوازوں سے دشت و بیابان گونجنے لگتے ہیں اور قیدار کی ساری بھیڑیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں اور نبیٹ سے عرب شرقی و شمالی کے قبائل مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سب یعنی یمن کے قبائل اور قیدار کی بھیڑیں یعنی قریش کے وحشی لوگ اور نبیٹ کے مینڈھے یعنی موٹے اور فربہ آدمی۔ ہر طرف سے خدا کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

۹۔ اور کبوتروں کی مانند لوگ خانہ کعبہ کی طرف اڑ کر پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔
۱۰۔ اور اس وقت جو فخر اور جلال لبنان کو حاصل ہے وہ اُس وقت مکہ معظمہ کو حاصل ہوگا اور اس وقت مکہ مکرمہ کی طرف منتقل ہو جائے گا جو خاتم الانبیاء اور سیدہ اصفیاء کا مولد اور مسکن ہوگا اور اس کے اصحاب انبیاء بنی اسرائیل کا نمونہ ہوں گے۔

۱۱۔ اور جو غارتِ رخسارِ عجبہ کا رخ کرے گا وہ ایک لختِ ہدایت ہوگا جیسا کہ اصحابِ فیل کا قصہ مشہور ہے۔

۱۲۔ اور خدا کا مقدس مکان یعنی خانہ کعبہ آراستہ اور پیراستہ ہوگا۔ ہر سال اس پر زینِ غلاف چڑھائے جائیں گے۔

۱۳۔ اور اس بندہ یہ مقدس کا نام صیہون ہوگا۔ اس لئے کہ صیہون جس طرح یروشلم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اسی طرح صیہون ملکہ مکرمہ کا بھی نام ہے جیسے شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوة باب چہارم قسم اول میں لکھا ہے۔

۱۴۔ اور آپ کے بعد جو خلیفہ اور حاکم ہوئے وہ عینِ سعادت ہوں گے اور آپ کی شریعت کے عالم عین صداقت بنے۔

۱۵۔ اور سرزمینِ عام و صداقت اور عداوت اور سعادت سے ایسی معمور ہوئی کہ کسی جگہ بھی ظلم کی آواز نہ سنی گئی۔

۱۶۔ اور امت کو ایسی شریعت کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ جس کا نور اور روشنی ابد تک چمکتا رہے گا۔

۱۷۔ اور اس کا نور اور جلال ابدی ہوگا۔

۱۸۔ جو نہ کبھی ڈھلے گا اور نہ زوال پذیر ہوگا۔

۱۹۔ اور اس نبی کے تمام صحابہ راستباز ہوں گے۔

۲۰۔ اور ایک چھوٹے سے ہزار اور ایک حقیر سے قوی گروہ ہو جائیں گے۔ و اللہ

الحمد والمناجی۔

گزارش

حضراتِ اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ کتابِ یسعیاہ کا باب ۶۵ بھی ضرور مدِ حفظ فرمائیں اس میں بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔

بشارت ہشت دہم از کتاب دانیال علیہ السلام باب دوم

کتاب دانیال کے باب دوم میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

بخت نصر شاہ بابل نے ایک پریشان کن خواب دیکھا اور خواب دیکھ کر بھول گیا۔ اس سے اور بھی زیادہ پریشان ہوا۔ بادشاہ نے یہ، جہاں دانیال علیہ السلام سے ذکر کیا، دانیال علیہ السلام نے وحی کے ذریعہ وہ خواب بھی بتلایا اور پھر اس کی تعبیر بھی بتائی۔

۳۱۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک مورت ہے جو نہایت خوبصورت بھی ہے اور ہیبت ناک بھی ہے اور بادشاہ کے سامنے کھڑی ہے۔

۳۲۔ جس کا سر خالص سونے کا ہے اور اس کا سینہ اور بازو چاندی کے ہیں اور اس کا شکم اور رانیں تانبے کی ہیں اور اس کی پنڈلیاں لوہے کی ہیں اور اس کے پاؤں کچھ لوہے اور مٹی کے ہیں۔ بادشاہ اس عجیب و غریب مورت کو دیکھ رہا ہے۔

۳۳۔ کہ یکا یک ایک تھر نکلا بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کر نکالے خود بخود نکلا اور اس مورت کے پاؤں پر لگا کہ جو لوہے اور مٹی کے تھے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

۳۴۔ اور وہاں اور مٹی اور تانبا چاندی اور سونا (جس سے وہ مورت بنی ہوئی تھی) ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور بستانی کھدائی کے بھوسے کے، نند ہو گئے اور ہوا انھیں اڑا کر لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ تھر جس نے اس مورت کو، ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ (خواب ختم ہوا)

بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا مگر بھول گیا تھا۔ دانیال علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے حسب وحی خداوندی خواب بیان کر کے بادشاہ کو اس کی تعبیر بتلائی کہ اس خواب میں یکے بعد دیگرے پانچ سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے۔ سونے کے سر سے بابل کا بادشاہ مراد ہے اور تیری سلطنت سونے کی، نند ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت آئے گی جو چاندی کے، نند ہوگی اور تیری سلطنت سے کمتر ہوگی، اس کے بعد ایک تیسری سلطنت آئے گی جو تانبے کی، نند ہوگی پھر ایک چوتھی سلطنت آئے گی

گی جو وہ ہے کی مانند مضبوط ہوگی، پھر ایک پانچویں سلطنت آئے گی جس کے پاؤں پچھلو ہے اور کچھ مٹی کے ہوں گے یعنی اس سلطنت میں کچھ ضعف اور اضطراب ہوگا، لوہا اور مٹی ملا جلا ہوگا یعنی وہ سلطنت قوت اور ضعف کا مجموعہ ہوگی، کبھی اس میں قوت ہوگی اور کبھی ضعف، اس پانچویں سلطنت کے زمانے میں یکا یک عالم غیب سے ایک تھر نمودار ہوگا جو کسی کے ہاتھ سے کاٹ کر نکالا ہوگا بلکہ منجانب اللہ خود بخود بلا سبب ظاہر کے آسمان سے اترے گا۔ اور اس آخری سلطنت کے پاؤں پر گرے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تا آنکہ اس کو بستانی کھلین کے بھوسے کے مانند بنادے گا اور ہوا اس کو اڑا کر لے جائے گی، یہاں تک کہ اس کا نام و نشان نہ رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ تھر پہاڑ بن کر تمام زمین کو بھر دے گا،

جاننا چاہئے کہ اس تعبیر میں آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی آسمانی بادشاہت و ایک تھر سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ تھر بہت جلد پہاڑ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا یعنی اول اول وہ چھوٹی سی سلطنت ہوگی اور بعد میں تمام دنیا پر چھ جائے گی، چنانچہ مہد ف روقی میں قیصر و کسری کی شوکت کا خاتمہ ہو گیا اور اس طرح ھُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا وعدہ پورا اور ھَلْكَ كَسْرَىٰ فَلَا كَسْرَىٰ بَعْدَهُ و ھَلْكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ کی تصدیق ہو گئی آسمانی بادشاہت کا تھر زمین پر ایسا ہی گرا کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو پیس کر رکھ دیا اور جو شریعت آپ پر آسمان سے نازل ہوئی وہ قیامت تک باقی رہے گی!

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک خواب ذکر کریں جو سیرت کی تمام صحیح اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے تاکہ ناظرین کو اس بشارت دانیالیہ کے سمجھنے میں مدد دے وہ خواب حسب ذیل ہے۔

ابو جہل کی سرکردگی میں قریش کا ایک ہزار کا قافلہ سواونٹ اور سوسواروں اور دیگر سامان حرب کے ساتھ جنگ بدر کے لئے روانہ ہونے لگا تو قبل از روانگی عاتکہ بنت

عبدالطلب نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار مکہ میں آیا اور مقام اہل طح میں اونٹ بٹھا کر باواز بلند یہ کہہ رہا ہے

الا انفر وایا آل غدر ۱ اے اہل غدر یعنی خدا کے غدارو تم بہت جلد
لمصارعکم فی ثلاث ۲ اپنے مقتل اور پچھڑنے کی جگہ کی طرف تین
دن میں نکل جاؤ۔

اور پھر وہ شتر سوار مسجد الحرام میں گیا اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر بھی اسی طرح اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ سوار جبل ابوقیس پر چڑھا اور وہی آواز دی اور پھر اوپر سے ایک پتھر اٹھا کر نیچے پھینکا، وہ پتھر نیچے پہنچ کر چور چور ہو گیا اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔ عاتکہ نے یہ خواب حضرت عباس سے بیان کیا جو اس وقت تک مسمان نہ ہوئے تھے انہوں نے یہ خواب اپنے مخصوص دوستوں سے بیان کر دیا اور سمجھ گئے کہ قوم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے شدہ شدہ اس خواب کی اطلاع ابو جہل کو بھی ہو گئی۔ ابو جہل نے جب حضرت عباس کو مسجد حرام میں آتے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) تمہارے مرد تو مدعی نبوت تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں۔ حضرت عباس نے کہا کیا بات ہے۔ ابو جہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا۔ خواب بیان ہی کیا جا رہا تھا کہ یکایک صمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کہ پیرا من چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے اے گروہ قریش اپنے کاروان تجارت کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر کے میدان میں پہنچ کر اس خواب کی تعبیر بحالت بیداری اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اور اس واقعہ پر بھی غور کرو کہ جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ غزوہ خندق میں، خندق کھودتے وقت جب ایک سخت پتھر نکل آیا تو اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ کدال ماری جس سے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اس سے روشنی نمودار ہوئی اور اس میں شام اور فارس اور یمن کے شہر نظر آئے۔ اشارہ اس طرف تھا کہ یہ تمام ممالک اسلام کے مفتوح ہوں گے۔

بشارت نوزدہم از انجیل متی باب سوم آیت اول

اُن دنوں میں یوحنا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور یہ کہنے لگا کہ
توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ اتنی

اور اسی انجیل کے باب چہارم کی سترھویں آیت میں ہے۔ اسی وقت سے یسوع نے
منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انجی
آسمانی بادشاہت سے یہ مراد ہے کہ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو اور اس میں ہر طرح
کے احکام مذکور ہوں گے اور نہایت شوکت اور حاکمانہ طور سے اس کی نشر و اشاعت کی جائے
گی خدا کے سرکشوں اور نافرمانوں پر تہدید کی احکام نافذ ہوں گے۔ غرض یہ کہ نہ تو فقط دنیوی
بادشاہت ہو جیسا کہ سدطین دنیا کو حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ ہو کہ فقط احکام خداوندی کی
اشاعت نہایت مسکنت سے مقبور اور مغلوب ہو کر بل کسی شوکت اور حکومت کے کی جائے،
بلکہ احکام آسمانی بھی ہوں اور اس کے ساتھ شوکت اور حکومت زمینی بھی ہو۔ احکام خداوندی
سے سرتابی کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہو۔ حکومت الہی کے باغیوں سے جہاد بھی کیا جاتا
ہو اور یہ دونوں باتیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء کے عہد میں کما حقہ ظہور میں آئیں۔

احکام خداوندی اور شریعت آسمانی بھی نازل ہوئی اور نہایت شوکت اور قوت سے اس کو
نافذ کیا گیا۔ قیصر و کسری کے تحت کو اُلٹ کر رکھ دیا، خدا کے دشمنوں سے جہاد بھی کیا۔ چور اور
رہ زنوں پر حد بھی قائم کی زنا کاروں کو رجم اور سنگسار کیا۔ شراب خواروں کے کوڑے لگوائے۔
آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آسمانی بادشاہت اس کو کہتے ہیں اور خدا را یہ بھی آسمانی بادشاہت نہیں تو
وہ بادشاہت تم بتاؤ کہ جس کو آسمانی کہا جاسکے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ
قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ۔

بشارت بستم از انجیل متی باب ۲۱، آیت ۴۲

یسوع نے انھیں کہا یہاں تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس ۴ تھر کو راج گیروں
نے ناپسند کیا وہی کوئے کا سرا ہوا۔

یہ خدا کی طرف سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب اس سے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے میوہ لائے دی جائے گی جو اس تھڑ پر گرے گا پور ہو جائیگا۔ جس پر وہ گرے اُسے پس ڈالے گا۔ اتنی۔ راج گیر اور معماروں سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور کونے کے تھڑ سے ہمارے نبی اکرم خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں۔ کیونکہ آپ بنی اسرائیل کی نظر میں ایک ناپسند تھڑ کے مشابہ تھے۔ بنی اسرائیل نے ہر چند آپ ﷺ کو رو کرنا چاہا مگر آپ ﷺ تائید الہی سے کونے کا سرا یعنی خاتم النبیین ہو کر رہے۔ اور تھڑ کے سر زاویہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو کونا عمارت کی بلندی کی طرف خالی تھا وہ اس سے بھر جائے گا اسی طرح قصر نبوت میں جو زاویہ خالی تھا وہ آں حضرت ﷺ سے پُر ہو گیا اس طرح قصر نبوت کی عمارت پوری ہو گئی۔

کماروی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الاموضع لبنة من زاویته فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلا وضعت اللبنة وانا خاتم النبیین رواه البخاری فی کتاب الانبیاء وفی روایتہ انا سددت موضع اللبنة وختم بی البیان وختم بی الرسل

پھر آپ ﷺ پر جو گرا وہ بھی پور پور ہوا اور جس پر آپ ﷺ گرے وہ بھی پور پور ہوا۔ چنانچہ جب بدر میں قریش آپ پر گرے اور وہ خدا کے فضل سے پور پور ہوئے

اور فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ ان پر گھرے تب بھی وہی چور چور ہوئے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام ایران، شام و روم وغیرہ وغیرہ پر گھرے اور سب کو چور کیا اور پھل اور میوہ لانے والی قوم بنی اسماعیل میں کہ جو اس حضرت ﷺ کی تربیت سے پھل پائی اور حکومت اور سلطنت کے مالک ہوئے اور یہ آسمانی بادشاہت ان کے حصہ میں آئی۔

لہذا اس بشارت کا مصداق بجز خاتم النبیین سید الاولین و آخرین محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سو وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے، بنی اسرائیل میں بہت محترم تھے وہ ناپسندہ تھڑ کے کیسے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ خاتم النبیین نہیں جیسا کہ ماسبق میں معصوم ہو چکا ہے کہ اہل کتاب عداوہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اور نبی کے منتظر تھے۔ نیز ماسبق میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان سے دریافت کیا۔ الخ

سوم یہ کہ حضرت مسیح خود تو کبھی کسی پر نہ گھرے اور یہود جب ان پر گھرے تو بقول نصاریٰ حضرت مسیح چور چور ہوئے۔ واللہ اعلم

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے آسمان پر چلے جانے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔

بشارت بست وکیم از انجیل یوحنا باب چہار و ہم آیت ۱۵

۱۵۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ ۱۶۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ ۲۶۔ وہ تسلی دینے والا جوڑوں تقدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہی ہیں تمہیں یاد دلانے کے۔ ۲۹۔ اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تا کہ جب وہ وقوع میں آئے تو تم ایمان لاؤ۔ ۳۰۔ بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔ اور باب ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے

جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کی رُوح تو وہ میری گواہی دے گا۔ اُنھی اور باب ۱۶۔ آیت ۷، میں ہے۔

(۷)۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۱۸) اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصور وار ٹھہراے گا (۹) گناہ کے بارہ میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راستبازی کے بارہ میں اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے (۱۱) عدالت کے بارہ میں اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے (۱۲) میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں اب ہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے (۱۳) لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (۱۴) وہ میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔ اُنھی

اور انجیل متی باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے۔ میں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کے جوتے اٹھانے کے لائق نہیں۔ اُنھی

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے کہ جو آپ نے رفع الی السماء سے پہلے حواریین کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم یہود بے بہبود کی سازشوں اور قتل کی تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو میں غمگین اس دنیا سے نکل سرائیسی جگہ چلا جاؤں گا کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں ہوگی یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا۔ خدا کے یہاں بہت مکان ہیں اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے نازل ہوں گا۔ اور بعد ازاں ایک آنے والے فارقلیط کی بشارت دی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ میرے علاوہ ایک دوسرا فارقلیط (رسول) ظہور ہوگا اور وہ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور میرے نہ ماننے والوں یعنی یہود بے بہبود کو خوب سزا دے گا اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں حق جل شانہ نے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے ماقول تعالے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۚ

اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں ایک عظیم اعلان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

اصل بشارت میں غلط احمد موجود تھا اور جیسا کہ انجیل برناباس میں ب بھی موجود ہے لیکن جب انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کی بنا پر کہ وہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے تھے، آں حضرت ﷺ کے نام مبارک (احمد) کا ترجمہ بھی پیرکلوٹوس سے کر دیا۔ اور پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو پیرکلوٹوس کا معرب فارقلیط کر دیا گیا، ایک عرصہ تک اردو اور فارسی اور عربی نسخوں میں فارقلیط کا غلط رہا اس کے بعد اس کا ترجمہ روح القدس سے کیا گیا اور مسیحین روح القدس کے لفظ کو بطور تفسیر خطوط وحدانی میں لکھتے رہے۔ رفتہ رفتہ فارقلیط کے لفظ کو بالکل حذف کر دیا پھر کسی نے فارقلیط کی جگہ روح القدس کا لفظ اور کسی نے روح حق کا لفظ اور کسی نے مددگار اور تسنی دینے والے کا غلط رکھ دیا اور فارقلیط کے لفظ کو انجیل کے نسخوں سے بالکل حذف کر دیا۔

لفظ فارقلیط کی تحقیق

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنی میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔ علماء نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کیے ہیں۔

- (۱) کسی نے کہا کہ فارقلیط کے معنی تسنی دینے والے کے ہیں جس کا عربی ترجمہ معزی ہے
- (۲) کسی نے کہا اس کے معنی معین اور مددگار کے ہیں (۳) کسی نے کہا اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں (۴) کسی نے کہا اس کے معنی وکیل یعنی وکالت کرنے

والے کے ہیں۔ (۵) کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ ستائندہ اور عربی ترجمہ حماد اور احمد بصیغہ اسم تفضیل بمعنی فاعل ہے (۶) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہا گیا یعنی بڑا ستودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمد ہے اور احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے۔ کیونکہ لفظ احمد صیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی بمعنی فاعل آتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد و ثناء کرتا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا ستودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے (۷) اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ امید گاہ عوام سے کیا ہے (۸) اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے۔ (۹) اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روح حق کے ہیں (۱۰) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

پس اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پارا کلیطوس قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور مددگار اور وکیل کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیرکلو طوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حماد کے قریب قریب ہیں۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا۔ مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کے بجائے زیادہ تر مددگار اور روح حق کا لفظ پایا جاتا ہے۔ مگر باوجود ان تحریفات اور تغیرات و تبدلات کے پھر بھی مدعا حاصل ہے اس سے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفیٰ ﷺ پر علی وجہ الکمل والتمام صادق ہیں اور فارقلیط کے جو معنی بھی لئے جائیں وہ سب آپ ﷺ پر صادق ہیں، آپ خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روح حق اور روح صدق اور روح راستی بھی ہیں یعنی روح خبیث نہیں جو جھوٹ بولے اور اُمت کے شافع بھی ہیں اور بشیر و نذیر بھی ہیں۔ اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بندے بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد و ثناء کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ کے اسماء ہیں یعنی آپ کے نام ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین و مددگار اور روح حق اور کوئی اسم علم ہے جیسے احمد اور محمد اور محمود اور حماد اور آپ کے ناموں میں ایک نام آپ کا حمد بھی ہے، حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن۔ مگر مبالغہ آپ پر اطلاق کر دیا گیا گویا کہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کی مجسم حمد و ثناء ہیں۔

فارقلید کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ لفظ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے مَا قُلْتُ قَدْ مَبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ یہ آیت قرآن مجید کی ہے اور قرآن مجید جس مک میں نازل ہوا اس وقت اُس ملک میں بیشمار علماء یہود اور علماء نصاریٰ موجود تھے۔ اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزار باعلاء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود اور نصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس خط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور و غل مچائے خاموش نہ بیٹھتے، اس حضرت ﷺ کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا۔ ورنہ، نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف و تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اُس وقت کے تمام علماء یہود و نصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کرینے کے بعد پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے بلکہ اُن کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حضرت مسیح کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے، اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا۔ حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم نے بشارت دی ہے جیسے ہر قل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سبطیت کی خاطر اسلام میں داخل ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے۔ جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور ضغاطر رومی اور ابن الن طور وغیرہم یہ وہ ایمان لائے اور بہت سے علماء نصاریٰ نے دپدہ و دانستہ علماء یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی توریت و انجیل میں کوئی بشارت نہیں۔ علماء نصاریٰ نے یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماء یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح

کی بشارتوں کے منکر اور مکذب ہیں۔ علماء نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حواریین پر نازل ہونا مراد ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد جب حواریین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزوں سے حواریین تھوڑی دیر کے لئے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال۔ سراسر خیالِ خام ہے یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے۔ جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی کہے گا۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرئیل امین کے نزوں سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتہ سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں۔ فارقلیط کی آمد سے ایک رسولِ عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحبِ حقانی صاحبِ تفسیر حقانی لکھتے ہیں۔

”ایک پوری صاحب اپنے ایک رسالہ میں جو لفظ فارقلیط کی تحقیق میں انھوں نے لکھا ہے اور ۱۲۶۸ ہجری میں کلکتہ میں چھپا تھا، لکھتے ہیں کہ یہ لفظ فارقلیط یونانی سے معرب کیا گیا ہے پس اگر اس کی یونانی میں پاراکلیطوس اصل قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور وکیل کے ہیں اور اگر کہیں اصل پیرکلوٹوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں پس جس عالم میں اہل اسلام نے اس بشارت سے استدلال کیا تو وہ اصل پیرکلوٹوس سمجھا کیونکہ اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں، پس اس نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد یا احمد کی خبر دی لیکن اصل پاراکلیطوس ہے فقط ہم کہتے ہیں۔ کہ اصل پیرکلوٹوس ہے، یونانی خط میں بہت تشابہ ہے اس کو پاراکلیطوس غلطی سے پڑھ لیا۔“

(نیز دیکھو اظہار الحق ص ۱۵۵ ج ۲)

اور یونانی زبان میں پیرکلوٹوس ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوٹوس کی جگہ پاراکلوٹوس لکھ دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوٹوس تھا۔

اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کریں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس

بشارت میں اُس آنے والے فرقہ پرست کے بہت سے اوصاف بیان کیے ہیں جو تمام لوگوں
سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں۔

اول یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں گا وہ نہ آئے گا دوم یہ کہ وہ میری گواہی دے گا۔ سوم یہ
کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیر وار ٹھیرائے گا۔ چہارم یہ کہ مجھ پر نہ ایمان لانے والوں
کو سزا دے گا۔ پنجم وہ سچائی کی راہ بتلا دے گا۔ ششم یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ ہفتم یہ کہ
وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سُنے گا وہی کہے گا۔ ہشتم یہ کہ وہ جہان کا سردار
ہوگا۔ نہم یہ کہ وہ میری تمام باتیں تم کو یاد دلانے گا۔ دہم یہ کہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں
کر سکتے وہ نبی اس وقت آ رہا ہے کہ تم کو بتلا دے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا اور یہ
تمام باتیں آنحضرت پر صادق آتی ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے پر اس لئے
موقوف تھا کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی
موقوف ہو سکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے
سے پہلے نبی کا جانا شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے
نبی کی موجودگی میں بھی وہ مبعوث ہو سکتا ہے۔

پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لئے جب ہی شرط ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا نبی
خاتم الانبیاء ہو۔ الحاصل حضرت مسیحؑ نے اس جملہ سے یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ فرقلیط اور رُوح
حق خاتم الانبیاء ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ
وَأَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی
کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور
آخر انبیین ہیں۔

اور حضرت مسیحؑ خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ ویہود حضرت مسیح کے بعد ایک نبی
کے کس لئے منتظر تھے اور رُوح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا۔
رُوح کا نزول تو حضرت عیسیٰ کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

(۲)۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی دی۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ
شُبَّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ
بَيْنَ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا
قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

اور انھوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سولی دی لیکن اشتباہ میں ڈال دیئے گئے اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے۔ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ وہی غالب اور حکیم ہے۔

(۳) اور راستی اور عدالت سے مزم بھی کیا (۴)۔ اور حضرت مسیح کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا۔ اور کسی کو جلا وطن کیا۔ جیسا کہ یہود خیر اور یہود بنو نضیر اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو مزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہو کر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا یہ منصب تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے تھے جس میں حکومت کا زور نہ تھا۔ غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اور آیت دہم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرماتا اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مدگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہوگا۔ بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین اور عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے (۵) اور آنحضرت نے صدق اور راستی کی وہ راہیں بتائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی آپ کی شریعت غراء اور ملت بیضاء اس کی شاہد ہے۔ (۶) اور آئندہ

واقعات کے متعلق آپ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شہ نہیں اور ایسی صحیح خبریں دی جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تاقیہ مت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی (۷)۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (۸) اور بائیں ہمد جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت تمام عالم کے لئے ہوگی۔ کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔ (۹) اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کی صحیح تعییمات کو محو کر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے اس کو خوب یاد دلایا۔ اور حضرت مسیح کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ ط ۚ

آپ فرمادیتے کہ اے اہل کتاب ایک ایسے امر کی طرف آؤ کہ ہم میں اور تم میں مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ جانیں۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰبَنِي إِسْرَآءِ ۖ يَلِّ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ط ۚ

اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو صرف میرا اور تمہارا پروردگار ہے، تحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۱۰۔ آپ ﷺ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں کہ جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات و صفات، شریعت و طریقت، حشر و نشر، جنت و جہنم کے متعلق ان علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے

تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام و نشان نہیں اور جو امور غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی کما قال تعالیٰ ۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۖ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل
وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ۖ کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا طے ۖ تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر ۔

اور قیامت تک کے لئے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق و دقائق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے۔ قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علمائے امت اور فقہاء ملت کی طرح فتویٰ دے سکیں اس وقت کے نصاریٰ کے پاس شریعت کا کوئی علم نہیں کہ جس کی رو سے وہ فتویٰ دے سکیں، ہاں نصاریٰ کے پاس صنعت و حرفت اور کارگیری کے علوم و فنون ہیں حکمرانی اور جہاں بانی اور عدل عمرانی کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں کہ جس کی رو سے وہ دنیا میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں۔ مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہل فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے، شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔

علماء مسیحیین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع السماء کے ۴۷ یوم بعد حواریین پر ہوا۔ لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) اس نئے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیح کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح کے ساتھ رہتی تھی۔

(۲) اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیح پر نہ ایمان لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی اب تک حضرت ﷺ نے مشرکین اور کافرین سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی۔ اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لئے کہ اہل دنیا کو

الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مدگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے یہی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توثیح اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۳)۔ نیز حضرت مسیحؑ کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے، اس لئے کہ حواریین پیشتر ہی سے روح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ ”جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ۔“ حضرت مسیحؑ کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتل رہا ہے کہ وہ آنے والی شے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لئے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا۔ اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین آجاتا ہے۔ پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

(۴)۔ نیز اس بشارت کا سیاق اس بات کو بتل رہا ہے کہ وہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ سے مغایر ہے۔ جیسا کہ سولہویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مدگار بخشے گا۔ صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰ کے کسی طرح مغایر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حواریین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

(۵)۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ”جو کچھ میں نے تمہیں کہا، یا دلائے گا۔“ حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰ کے ارشادات فراموش کر چکے تھے روح القدس ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یہ دلاتے ہوں۔

(۶) نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ”میرے لئے گواہی دے گا۔“ سو یہ وصف صرف نبی اکرم ﷺ پر ہی صادق آ سکتا ہے کہ آپ ہی نے آ کر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیح کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیح سے منکر یا بے خبر تھے، آپ ہی نے حضرت مسیح کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیح کو رسول جانتے تھے۔ اُن کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مؤمنین کے سامنے بخلاف اُس حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔ آپ ﷺ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل و صلب کی تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔

(۷) نیز حضرت مسیح اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں“ سو یہ جملہ آنحضرت ہی پر صادق آ سکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

(۸) نیز یہ بھی قابل غور ہے اس روح نے کونسی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

(۹) نیز اس بشارت کا تمام سیاق و سباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مدگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح لباس بشری میں دعوت حق اور لوگوں کو تسلی کے لئے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اُس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہوا اور حصول کرے بالکل غلط ہے۔

(۱۰)۔ نیز حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۃ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔ چنانچہ مٹیس میسائی نے دوسری

صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے۔ بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ علماء یہود اور نصاریٰ سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور اب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد ﷺ کے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاتی حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلا شک یہی وہ نبی ہیں کہ جن کی حضرت مسیح نے انجیل میں خبر دی ہے حالانکہ نجاتی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بدشاہ بھی تھا۔ کسی قسم کا اس کو خوف و خطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت ﷺ کے والا نامہ کے جواب میں یہ لکھا:

سَلَامٌ عَلَیْكَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ	سدم ہو آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کے
قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَفَهَمْتُ	والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں
مَا ذَكَرْتَ فِيهِ وَمَا تَدْعُوا اِلَيْهِ	ذکر فرمایا ہے اور جس کی طرف دعوت دی
وَقَدْ عَلِمْتُ اَنْ نَّبِیًّا قَدْ بَقِیَ وَقَدْ	ہے اس کو سمجھ مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم
كُنْتُ اَظُنُّ اَنْهُ یَخْرُجُ بِالشَّمَامِ	ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے
وَقَدْ اَكْرَمْتَ رَسُوْلَكَ	میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا
	اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسدم نہ آیا مگر اتنا اقرار ضرور کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

اور جارد بن عد، جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہنا۔

وَاللّٰهُ لَقَدْ جِئْتَ بِالْحَقِّ	خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور
وَنَطَقْتَ بِالصِّدْقِ فَقَدْ وَجَدْتُ	آپ نے سچ فرمایا لبتہ تحقیق میں نے
وَصَفَكَ فِی الْاَنْجِیْلِ	آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح
وَبَشَّرَكَ ابْنَ الْبَتُولِ نَطُولِ	بن مریم نے آپ کی بشارت دی ہے۔

التحیة لك والشكر لمن
اکرمک لا اثر بعد عین
ولا شک بعد یقین ہات یدک
اشہدان لا الہ الا اللہ وانک
مُحَمَّدٌ ورسول اللہ

آپ کے لئے طویل و عریض تحیہ و تکریم
پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لئے جو
آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی
اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اپنا
دست مبارک بڑھائیے میں شہادت دیتا
ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً
آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علیٰ ہذا ہر قل شاہ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء توراۃ و انجیل نے آپ ﷺ کی
نبوت و رسالت کا اقرار کیا پس ثابت ہوا کہ اس حضرت ﷺ کی بشارت اور آپ کا نام
انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی آمد
سے پہلے وہ آپ ﷺ کے منتظر تھے جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور کسی دنیوی طمع نے ان
کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ ط
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ ۝

(۱۱) اور سو لھویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں

کہ وہ فارقلیط خود بذاتہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا اس لئے کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے
نصاری قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ اُن کے ساتھ نہ رہا۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ
آئے گا جو اس کے لئے ناسخ ہو۔

(۱۲)۔ اور باب چہارم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل

نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔ آھ

اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی۔ وہ تمام کائنات میں سب سے

بہتر اور برتر ہوگا۔

نصاری کے چند شبہات و اوہام اور ان کا ازالہ

شبہ اول

روح الحق اور روح القدس سے اقنوم ثالث مراد ہے۔ لہذا روح القدس اور روح الحق سے آں حضرت ﷺ مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: عہد قدیم اور عہد جدید میں روح کا لفظ اقنوم ثالث کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صالح اور طالح، ہادی اور مضل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے:-

(۱)۔ اے عزیز! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روح کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے

ہیں یا نہیں۔

(۲) خدا کی روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح

مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے (۱۳)۔ اور جو کوئی روح یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

اور آیت ششم میں ہے ”اسی سے ہم حق کی روح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے

ہیں۔“ آھ

اس مقام پر روح سے واعظ صادق اور واعظ مضل مراد ہے۔ اقنوم ثالث کسی کے

نزدیک مراد نہیں۔

شبہ ثانیہ

اس بشارت میں خطاب حواریین کو ہے لہذا روح کا نزول و ظہور حواریین کی موجودگی اور

حیات میں ہونا چاہیے اور آں حضرت ﷺ کا ظہور حواریین کے صد ہا سال کے بعد ہوا ہے۔

جواب: حواریین کو خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت وہی حاضر تھے باقی وہ مقصود

بالخطاب نہیں، چنانچہ انجیل متی کے چھبیسویں باب آیت ۶۴ میں ہے:- میں تم سے یہ کہتا

ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ آھ

اب ان مخاطبین کو مرے ہوئے ۹ سو سال ہو گئے اور مخاطبین میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان سے آتے نہیں دیکھا۔
پس جس طرح اس مقام پر مقصود بالخطاب وہ لوگ ہیں کہ جو نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے۔

اسی طرح اس بشارت میں وہ لوگ مقصود بالخطاب ہیں کہ جو روح حق اور فارقلیط کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے۔

شبہ ثالثہ

انجیل یوحنا کے باب چہارم آیت تیسویں میں جو سردار کا لفظ آیا ہے اس پر بعض شدید التعصب نصاریٰ مضحکہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سردار سے اس جگہ شیطان مراد ہے۔

جواب: سردار سے شیطان مراد لینا سراسر جہالت ہے اور محض تعصب اور حسد پر مبنی ہے اس لئے کہ سردار عالم بول کر شیطان مراد لینا نہ کسی لغت سے ثابت ہے اور نہ کسی عرف سے اور سراسر سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ از اول تا آخر روح حق یعنی فارقلیط کا اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ جس وقت اس فارقلیط کا ظہور ہو اس وقت اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید ہے اور پھر اس کی علت بایں الفاظ ذکر فرماتا۔

”کیوں کے دنیا کا سردار آتا ہے۔“

یہ جب صحیح ہو سکتا ہے کہ سردار جہاں سے سید العالمین اور سردار انبیاء والمرسلین مراد ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ اگر اس مقام پر سردار سے شیطان مراد ہو تو شیطان کا آنا امور متذکرہ بالا کی علت کیسے ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ دنیا کے سردار سے وہی فارقلیط اور روح حق مراد ہے کہ جس کے ہاتھوں سے گناہ اور جرم پر دنیا میں شاہانہ اور حاکمانہ سزا میں دی جائیں گی۔ اور انجیل یوحنا کے سولھویں باب درس ۱۱ میں جو یہ آیا ہے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا یہ قطعاً غلط ہے اور بد شبہ تحریف ہے جو سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے ایک طرف تو فارقلیط کی صفات فاضلہ کا بیان ہو اور ایک طرف اس سے شیطان مراد ہو، کیا یہ صریح نادانی اور وسوسہ شیطانی نہیں دوم یہ کہ حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ وہ سردار جہنم آنے والا ہے اس امر کی صریح

دلیل ہے کہ وہ شخص ابھی تک دنیا میں نہیں آیا اور شیطان باتفاق یہود و نصاریٰ و اہل اسلام ابتداء آفرینش افراد بشری سے دنیا میں موجود ہے اور لوگوں میں مغلط ہے شیطان مردود لوگوں کے ساتھ ہے۔

وہ شیطان کہاں چد گیا تھا کہ جس کی نسبت یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اب آتا ہے کیا وہ پہلے سے موجود نہ تھا؟

سوم یہ کہ سردار کا اطلاق انجیل متی کے باب دوم کی آیت ششم میں حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا گیا۔ عبارت انجیل حسب ذیل ہے:-

”اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔“ آہ

اس عبارت میں سردار سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں جیسا کہ آیت ہفتم سے آیت دوازدهم تک پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے بلکہ کتب سماویہ میں سردار اور حاکم کا اطلاق حق تعالیٰ پر بھی آیا ہے معلوم ہوا کہ سردار سے شیطان مراد لینا بالکل غلط ہے۔

بشارت بست و دوم از انجیل متی باب ۱۳۔ آیت ۳۱

اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بودیا۔ ۳۲۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوائے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بیس کر رہتے ہیں۔“ انتہی

آسمانی بادشاہت سے شریعتِ اسلام مراد ہے کہ جو ابتداء میں رائی کے دانے کے برابر تھی لیکن چند ہی روز میں اس قدر بڑھی کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی۔ اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں اسی بشارت کی طرف اشارہ ہے:-

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ طه

اور انکی صفت انجیل میں ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا زمین سے نکالا پس اس کو قوی کیا تو وہ موٹا ہو گیا اور اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی روز افزوں ترقی سے کسانوں کو خوش کرنے لگا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ترقی اس لئے دی کہ کافروں کو اس وجہ سے غصہ میں لائے۔

اور عجب نہیں کہ اس مناسبت سے کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ کما قول

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اے نبی کریم آپ نے کیا دیکھا نہیں کہ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمہ طیبہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں ہر وقت اپنے میوے اللہ کے حکم سے دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ شانہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتے رہتے ہیں کیا عجیب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔

بشارت بست وسوم از انجیل متی، باب ہستم، آیت اول

آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلتا کہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے۔ ۲۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انھیں باغ میں بھیج دیا۔ پھر وہ دن چڑھنے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمہیں دوں گا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر

اس نے دو پہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر دیہاتی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے۔ انھوں نے اس سے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اُسے اُن سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارند سے کہا کہ مزدوروں کو بلانا اور پچھلوں سے کر پہلوں تک انھیں مزدوری دے دے اور جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انھیں ایک دینا ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انھیں ہمارے برابر کر دیا جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینا نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا بے اٹھالے چلا جا۔ میری مرضی رہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اُس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر۔ اچھی۔

گھر کے مالک سے ربُّ العزت مراد ہیں اور انگور کے باغ سے دین الہی مراد ہے اور مزدوروں سے اُمّیں مراد ہیں۔ اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اول ہو گئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

عَنْ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا بَقَاءُ كَمِ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَالْغُرُوبِ الشَّمْسُ أَوْتَى أَهْلَ	ابن شہاب نے سالم سے اور سالم نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارا دنیا میں رہنا بمقابلہ اُمم گزشتہ ایسا ہے جیسا نماز عصر سے غروب شمس تک تورات والوں کو تورات دی گئی کام کرنا شروع کیا۔ جب
---	---

دوپہر سوئی تو تھک گئے کام پورا نہ کر سکے۔
ایک ایک قیراط اُن کو دیا گیا۔ پھر انجیل
والوں کو انجیل دی گئی۔ نماز عصر تک کام
کیا۔ پھر تھک گئے۔ ان کو بھی ایک ایک
قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم دیا
گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا۔
ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو توریت اور
انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار
آپ نے اُن کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو
ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے۔ اللہ
عز وجل نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے
تمہاری اُجرت میں کچھ کمی ہے؟ کہا
نہیں۔ پس فرمایا رب العزت نے یہ میرا
فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

التوراة التوراة فعملوا حتی اذا
انتصف النهار عجزوا فاعطوا
قیراطاً قیراطاً ثم اوتی اهل
الانجیل الانجیل فعملوا الی
صلوة العصر ثم عجزوا
فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتینا
القرآن فعملنا الی غروب
الشمس فاعطينا قیراطین
قیراطین فقال اهل الکتابین
ای ربنا اعطیت هؤلاء
قیراطین واعطیتنا قیراطاً
قیراطاً ونحن اکثر عملاً قال
اللہ عز وجل هل ظلمتکم
من اجرکم من شیء قالوا لا
قال فهو فضلی اوتیه من اشاء
(صحیح بخاری باب المواقیث ص ۷۹ ج ۲)

اور انجیل متی کی سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ ”اسی طرح آخر اؤل ہو جائیں اور اؤل آخر“
بعینہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق ہے:-

حدثنا ابو هريرة رضي الله
تعالیٰ عنه عن رسول الله
صلی الله علیه وسلم قال
نحن الاخرون السابقون
السابقون
(بخاری شریف ص ۱۰۴ ج ۲)

یعنی زمانہ کے لحاظ سے ہم سب سے اخیر میں ہیں۔ مگر دخولِ جنت میں حق تعالیٰ شانہ
کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔

بشارت بست و چہارم و بست و پنجم از انجیل برناباس

پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن عظیم کے مقدمہ میں انجیل برناباس سے نقل کیا اور یہ انجیل ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو حذف کر دیا اور وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے اے برنابا گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی جزاء دیتے ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ گناہ سے راضی نہیں میری امت اور میرے شاگردوں نے جب دنیا کے لئے گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور باقتضاء عدل و انصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بنا پر سزا دے تاکہ عذاب جہنم سے نجات پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور میں اگرچہ اس عقیدہ فاسدہ سے بالکل بری ہوں لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور ابن اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اور اس کی مشیت اس کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں پس اللہ نے اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ

نقل القسیس سیل فی مقدمہ ترجمہ للقرآن العظیم من انجیل برناباس و طبعت ۱۸۵۴ء وانتشرت ثم طبعوا الكتاب مرة ثانية فاخرجوها وحذفوها وهي مانصها اعلم يا برنابا ان الذنب وان كان صغيراً يجزى الله عليه ان الله تعالى غير راضى عن الذنب ولما اجتنى امتي وتلاميذي لاجل الدنيا سخط الله لاجل هذا الامر واراد باقتضاء عدله ان يجزيهم في هذا العالم على هذه العقيدة الغير اللائقة ليحصل لهم النجاة من عذاب جهنم ولا يكون لهم اذية هناك واني وان كنت بريئاً لكن بعض الناس لما قالوا في حقى انه الله وابن الله كره الله هذا القول واقتضت مشيته بان لا تضحك الشياطين يوم القيمة على

یہود کی وجہ سے یہ ہنسی دنیا ہی میں ہو اور ہر شخص یہ گمان کرتا رہا ہے کہ میں سولی دے دیا گیا۔ لیکن یہ اہانت واستہزاء فقط محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے آنے تک رہے گا۔ پس جب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے اور یہ فہم لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو جائے گا ترجمہ بلفظ ختم ہوا۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر یہ لوگ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے۔ اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے۔ پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم ﷺ کے ظہور سے دو سو سال قبل لکھی گئی ہے۔ اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے دوسری بشارت فاضل حیدر علی قرشی اپنی کتاب خلاصہ سیف المسلمین جو اردو زبان

ولا يستهزؤن بى فاستحسن
بمقتضى لطفه ورحمة ان
يكون الضحك والاستهزاء
فى الدنيا بسبب يهودا
ويظن كل شخص انى
صلبت لكن هذه الاهانة
والاستهزاء يبقيان الى ان
يجبى محمد رسول الله فاذا
جاء فى الدنيا ينبه كل مؤمن
على هذا الغلط وترفع هذه
الشبهة من قلوب الناس
انتهت ترجمة بحروفها
قال فى اظهار الحق فان
اعترضوا ان هذا الانجيل رده
مجالس علماء هم فنقول
لا اعتبار لردهم وهذا من
الاناجيل القديمة
ويوجد ذكره فى كتب القرن
الثانى والثالث فعلى هذا
قبل ظهور نبينا صلى الله
عليه وسلم بمائتى سنة
ولا يقدر احد ان يخبر بمثل هذا
الامر من غير الهمام كما لا
يخفى على ذوالافهام قال
والبشارة الثانية قال الفاضل

الحیدر علی القرشی فی کتابہ
المسمی خلاصۃ سیف
المسلمین الذی ہو فی لسان
الاردوای الہندی فی صحیفۃ
الثالثۃ والستین ان القسیس
اوسکان الارمنی ترجم کتاب
اشعیاء علیہ السلام باللسان
الارمنی فی ۱۶۶۶ء وفیہ فی
الباب الثانی والاربعین ہذا
الفقرۃ ونصہا۔ وسبحواللہ
تسبیحاً جدیداً واثر سلطنتہ علی
اظہرہ واسمہ احمد انتہت
وہذہ الترجمة موجودة
عند الارامن فانظر وافیہا۔
انتہی کلامہ کذا فی
الجواب الفسیح لما لفقہ عبد
المسیح ص ۹۷ ج ۱

میں ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفۃ
یسعیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارمنی زبان میں
۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع
ہوا۔ اس میں صحیفۃ یسعیاء علیہ السلام کے
پہلے سو باب میں یہ فقرہ موجود ہے ”اللہ
کی تسبیح پڑھو۔“ اور اس آنے والے پیغمبر کی
سلطنت کا نشان اُس کی پشت پر ہوگا (یعنی
مہربوت) اور اس کا نام احمد ہوگا۔ انتہی۔
اور یہ ترجمہ ارمنیوں کے پاس موجود ہے۔
اس میں دیکھ لیا جائے۔ انتہی کلامہ از
جواب مسیح ص ۹۷

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

انباء الغیب یعنی آئندہ واقعات کے متعلق قرآن اور

حدیث کی پیشین گوئیاں

قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا
أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (سورہ صود)

(ترجمہ) یہ نوح علیہ السلام کا قصہ آپ کے حق میں منجملہ اخبار غیب کے ہے بذریعہ وحی کے ہم نے آپ کو اس سے آگاہ کیا۔ اور نزول وحی سے پہلے نہ آپ کو اس قصہ کا علم تھا اور نہ آپ کی قوم کو اس کا علم تھا صرف وحی کے ذریعہ آپ کو اس کا علم ہوا سو آپ نوح علیہ السلام کی طرح کافروں کے مقابلہ میں صبر کیجئے۔ یقیناً اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

جیسا کہ نوح علیہ السلام کے کافروں نے کچھ عرصہ تک شور و غوغا برپا رکھا بالآخر غرق ہوئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کامیاب ہوئے۔ منجملہ دلائل نبوت و براہین رسالت کے قرآن اور حدیث کا بہت سی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہونا ہے کہ قبل از وقوع بہت سے آئندہ امور کی خبریں دی گئیں کہ جن میں عقل اور قیاس اور تخمینہ اور وہم و گمان کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں اور پھر وہ امور اسی خبر کے مطابق واقع اور ظاہر ہوئے مثلاً آپ نے جنگ بدر میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی یہ خبر دی کہ کل آئندہ کو فلاں شخص فلاں مقام پر اور فلاں شخص فلاں جگہ پر مارا جائے گا اور متعدد اشخاص کے متعلق ایسا ہی ارشاد فرمایا اور ہر ایک کی جائے قتل پر چھڑی سے نشان بھی لگا دیا اور پھر اگلے دن ایسا ہی ہوا اور سب نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ہر شخص اپنی نشان زدہ جگہ پر مقتول پڑا ہوا ہے۔

اور آپ نے یمن اور شام اور عراق کی فتح کی خبر دی جس ترتیب سے آپ نے خبر دی تھی اسی ترتیب سے مقامات مذکورہ فتح ہوئے۔ اس سے لوگوں کو آپ کی راستبازی کا یقین ہوا اور راست بازی کی علامت اور نشانی ہی راست بازی ہے اور جب بار بار کے تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے جو غیب کی خبریں دی تھیں وہ آپ کے بیان کے مطابق نکلیں تو آپ کو صادق اور راستباز ماننے پر مجبور ہو گئے اور سمجھ گئے کہ دوسری خبریں بھی اسی طرح صحیح اور درست ہوں گی اس لئے کہ کسی برگزیدہ بندہ کی زبان سے ایسی خبروں اور پیشین گوئیوں کا صدور اور ظہور جس سے علم بشری اور ادراک انسانی عاجز اور قاصر ہو یہ اس امر کی تین دلیل ہے کہ اس شخص کا خداوند علام الغیوب سے کوئی خاص تعلق ہے۔ اس لئے کہ بدون خداوند علام الغیوب کے اطلاع دیے کوئی بشر ایسی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کسی شخص کا بلا کسی قرینہ اور بلا کسی تخمینہ کے یہ خبر دینا کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا اور پھر وہی ہی ہوا بدون وحی ربانی اور اطلاع غیبی ناممکن اور محال ہے، لہذا ایسے صادق اور راستباز پر ایمان لانا ضروری ہے، جس

طرح بادشاہ کبھی کبھی اپنے وزیر اور سفیر کو اپنے خاص خاص رازوں پر مطلع کرتا ہے اور جب وہ وزیر اور سفیر کسی وقت عند الضرورت اور حسب مصلحت لوگوں کو ان رازوں پر بطور تنبیہ اور تہدید آگاہ کرتا ہے تو اہل فہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کا مخصوص اور مقرب ہے۔

اسی طرح خداوند علام الغیوب کبھی کبھی اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی کے بعض غیبی امور کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس شخص کا علم غیب سے خاص تعلق ہے اور یہ شخص خداوند علام الغیوب کا مقبول خاص اور برگزیدہ بااختصاص ہے جس کو حق تعالیٰ نے رموز سے آگاہ فرمایا ہے اسلئے کہ حضرات انبیاء و مرسلین جن باتوں کی خبر دیتے ہیں وہ عقل اور تجربہ اور قیاس اور تخمینہ سے کہیں بالاتر ہوتی ہیں ان کو سن کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف علام الغیوب ہی کے بتلنے سے معلوم ہو سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ منافقین ڈرتے رہتے تھے کہ ہمارے ولی عزائم ظاہر نہ کر دیئے جائیں اور ہم برملا رسوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ۔ یَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ۔

عوام انسان کی فطرت اس بات کی مقتضی ہے کہ کوئی ان کا ہادی اور رہنما ہو اور ہدایت اور حقانیت کی باتیں ان کو بتلائے اور عام لوگ ہدایت اور حقانیت کی باتوں کو اسی وقت مان سکتے ہیں کہ جب ہدی اور داعی الی الحق کی راستبازی ان پر منکشف ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی صداقت اور راستبازی ظاہر کرنے کے لئے بذریعہ وحی والہم ان کو غیب کی خبروں سے مطلع کرتا ہے کہ تاکہ اس خبر کی تصدیق سے ان پر انبیاء کی صداقت ظاہر ہو اس لئے کہ ایسے سواخ اور واقعات کہ جو وہم و گمان اور تجربہ سے کہیں بالا اور برتر ہوں۔ وقوع اور ظہور سے پہلے ان کی خبر اور اطلاع دے دینا یہ بغیر تائید صدی اور مدد غیبی ناممکن ہے۔

محمدی پیشین گوئیوں کا امتیاز

نبیاء سابقین نے بھی پیشین گوئیاں کی ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں بہت مجمل اور مبہم تھیں جو محض اشارات اور کنایات کے درجہ میں تھیں اور محتاج تاویل تھیں اور آنحضرت ﷺ کی

پیشین گوئیاں واضح اور ظاہر ہیں اور تاویل اور شک سے بہت دور ہیں۔ مثلاً غلبہ روم اور خدائے راشدہ اور فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر قبضہ کی تمام پیشین گوئیاں صریح اور واضح ہیں جن میں تاویل کی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایسی عظیم الشان ہیں جن کو دیکھ کر اور سن کر علم دنگ اور حیران ہے اور زبان زد خلق ہے۔

آں حضرت ﷺ نے جو آنے والے واقعات یا پیش آنے والے فتنوں کے متعلق خبریں دیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اول ہم قرآن کریم کی پیشین گوئیوں کا اور اس کے بعد ان پیشین گوئیوں کا ذکر کریں گے جو احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

(۱) حفاظت قرآن کی پیشین گوئی

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (الحجر، ۹)

تحقیق ہم نے اس نصیحت (یعنی قرآن) کو اتارا ہے اور البتہ تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

کسی کی کیا مجال ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی یا تحریف اور تبدیل کر سکے۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا چودھویں صدی آگئی مگر بحمدہ تعالیٰ قرآن بلا کی بیشی ایک حرف کے اسی طرح چلا آ رہا ہے جس طرح آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا اور سر ولیم میور ہی نہیں بلکہ ساری دنیا اس معجزہ کی قائل ہے۔ بہت سے دشمنان اسلام نے اس کی کوشش کی کہ قرآن کو مشکوک بنادیں مگر بحمدہ تعالیٰ ایک کلمہ کی تغیر اور تبدیل پر بھی قدرت نہ ہوئی، خدا تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا وہ بلاشبہ سچا ہے، بخلاف توریت اور انجیل کے کہ خود یہود و نصاریٰ اس میں ہر قسم کی تحریف کے مقرر اور معترف ہیں۔

(۲) اعجاز قرآن کی پیشین گوئی

قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (نہ اسرائل، ۸۸)

اے نبی کریم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو قرآن کا مثل نہ چاہیں تو قرآن کا مثل نہیں لائیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے معین اور مددگار ہو جائیں۔

(۳) حفاظت نبوی کی پیشین گوئی

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ! اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ابتداء بعثت میں آپ تنہا بے یار و مددگار تھے اور سارا عرب بلکہ سارا عالم آپ کا دشمن تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا کہ آپ گھبرائیے نہیں اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے۔ دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سو الحمد للہ۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور مختلف اوقات میں اللہ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت جب کفار آپ کے قتل کا پورا قصد کر چکے تھے تو آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹایا اور سورہ یسین کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر کافروں پر ایک مُشت خاک ڈالی اور ان کے سامنے سے نکل کر ابو بکر کے گھر گئے۔ اور ان کو ساتھ لے کر غار ثور شریف لے گئے جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَادْخُلْ مَكْرِبَكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُشْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ

(۴) غلبہ اسلام کی پیشین گوئی

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الحج، ۷۸)

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے رہا کہ غالب کرے اس دین حق کو یعنی دین اسلام کو تمام دینوں پر اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے۔

بحمدہ تعالیٰ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور اسلام، یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور بت پرستی اور دہریت سب مذاہب باطلہ پر غالب آگیا اور کسی مذہب میں یہ طاقت نہ ہوئی کہ دلائل اور براہین سے اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۵) غلبہ روم کی پیشین گوئی

الْمَغْلُوبَةُ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ
فِي بَضْعِ سِنِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدِ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ
الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ وَعَدَ اللَّهُ
لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ (الروم: ۶-۱۰)

مغلوب ہو گئے روم کے لوگ یعنی نصارا ئے روم عرب کے قریبی زمین میں اور وہ اس
مغلوبی کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہوں گے اللہ ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور بعد
میں بھی یعنی جس طرح یہ مغلوبیت اس کے ارادہ سے ظہور میں آئی ہے اسی طرح اس کے
ارادہ سے غلبہ بھی ظہور میں آ جائے گا اور اُس دن (یعنی جس دن رومیوں پر غالب
ہوں گے) تو اس وقت مسلمان خوش ہوں گے کہ اللہ کی مدد سے اہل کتاب اہل شرک پر
غالب آئے اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا یہ اللہ نے وعدہ کیا
ہے کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کیسے چند روز بعد روم کو فارس پر غلبہ عطا کرے گا اللہ اپنے وعدہ
میں خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیتوں میں ایک زبردست پیشین گوئی کا ذکر ہے۔ یہ آیتیں ہجرت مدینہ سے پہلے
مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، واقعہ یہ ہوا کہ رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوئی۔ ایرانی
رومیوں پر غالب آ گئے۔ مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے اور ازراہ طعن مسلمانوں سے یہ کہا کہ
ایرانی جو ہماری طرح مشرک ہیں وہ اہل کتاب پر غالب آ گئے یہ ہمارے لئے شگون نیک
ہے ایک دن ہم بھی مسلمانوں پر جو اہل کتاب ہیں اسی طرح غالب ہوں گے۔ مسلمان
رنجیدہ ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں جن میں یہ پیشین گوئی کر دی گئی کہ رومی
اگرچہ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر دس برس کے اندر اندر پھر رومی فارس پر غلبہ پائیں
گے، یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

چنانچہ سات برس پورے نہیں گزرے کہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور
رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور صلح حدیبیہ کے زمانے میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

(۶) خلافت راشدہ کی پیشین گوئی

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس زمانے کے مؤمنین صالحین یعنی صحابہ سے تین وعدے فرمائے اول یہ کہ تم کو ایسی خلافت اور سلطنت عظمیٰ عطا کرے گا جیسے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بے مثال خدفت اور بادشاہت عطا کی۔

دوم یہ کہ ان کے دور حکومت میں دین اسلام کو ایسی تمکین اور استحکام عطا کرے گا کہ دین اسلام، تمام مذاہب عالم پر غلبہ آجائے گا۔ سوم یہ کہ اُن کے دل سے کفار کا خوف بالکل جاتا رہے گا اور بے خوف و خطر اور نہایت امن و امان کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں گے اور اسی قسم کا مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سوال محمدؐ یہ وعدہ خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا کہ صحابہ قیصر و کسری کے خزانے پر قابض ہوئے اور جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی اس وقت صحابہ بے سروسامان تھے تنگ دستی اور بے سروسامانی کی وجہ سے کافروں سے خوف زدہ تھے رات کو سوتے تھے اور یہ ڈر رہتا تھا کہ معلوم کون ہم پر چڑھے اور نہ قواعد جنگ سے کٹینگی آگاہ تھے اور نہ قواعد جہانگیری اور ضوابط ملکی سے آشنا تھے۔ تمام قبائل اہل اسلام کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے ایران میں مجوسیوں کی سلطنت زور و شور سے قائم تھی اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت محکم تھی اور دونوں سلطنتیں فوجی طاقت اور مال و دولت اور اسلحہ اور خزانہ کے لحاظ سے حد کمال کو پہنچی ہوئی تھیں جیسے مسلمان بے سروسامانی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور روئے زمین پر قیصر و کسری کے مقابلہ کا کوئی حکمران نہ تھا۔

مگر باوجود اس کے تیس برس کی مدت میں خلافت اور سلطنت کے متعلق جس قدر پیشین

گوئیاں کی گئی تھیں وہ بلا سبب ظاہری محض تائیدِ نبی سے عجب طرح ظہور میں آئیں وہ اس طرح کہ حضور پر نور کی زندگی ہی میں حجاز اور نجد اور یمن اور خیبر اور بحرین اور اکثر ملک عرب اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا۔ اور نجاشی شاہِ حبشہ مسلمان ہو گیا اور سارا ملک حبش دار الحرب سے دارالاسلام بن گیا اور ہجر کے مجوسی اور نواحِ شام کے بعض عیسائی جزیرہ گزار ہو گئے۔

اور صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے بعض علاقے اور بصری اور ملک شام کے بعض علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے۔

اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں پورے ملک شام اور پورے ملک مصر اور فارس کے اکثر ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور کسریٰ نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت کے کچھ حاصل نہ کیا اور قیصر نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ولایاتِ فرنگستان جو اکثر قیصر کے ماتحت تھیں۔ وہ قیصر کی مغلوبی کے بعد فاروق اعظم کے زیرِ انتداب آ گئیں اور خزانے اور اسباب بے حساب مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور ان تمام اقالیم میں توحید اور اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بعض ملاقوں سے تو کفر و شرک کا نام و نشان مٹ گیا اور بعض جگہوں میں کفر مغلوب اور سرنگوں ہو گیا اور بے خوف و خطر نہایت امن کے ساتھ مسلمان اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

اور عثمان ذی النورین کے زمانہ خلافت میں مغرب کی جانب منہائے اندلس اور قیروان اور بحرِ محیط کے متصل تک اور مشرق کی جانب میں بلادِ چین تک سب ملک مفتوح ہوئے اور عثمان غنی کے عہد خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور اس کا نام و نشان بھی نہ رہا اور ۳۵ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مشرق اور مغارب کا خراجِ مدینہ کے خزانے میں آنے لگا، تمام دنیا اس وقت مسلمانوں کے تابع تھی اور خدا کے فضل و رحمت سے روئے زمین پر اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل تھا جیسے جب نادر شاہ نے شہنشاہِ ہندوستان محمد شاہ پر غلبہ پالیا تو گویا کہ سارے ہندوستان پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت صوبہ دکن نے اسکی اطاعت نہ کی تھی، اسی طرح سمجھو کہ جب سلطنتِ روم مغلوب ہو گئی تو سب ولایاتِ فرنگ جو سلطنتِ روم کے ماتحت تھیں وہ سب مغلوب ہو گئیں اور گویا کہ اسلام ہی کا سب پر

تسلط اور اقتدار قائم ہو گیا اور اسلام کی ایسی محکم اور مضبوط اور عظیم و وسیع سلطنت قائم ہوئی گویا کہ تمام دنیا کی سلطنتیں اسلامی حکومت کے ماتحت اور زیرِ انتداب تھیں۔

حاصل کلام یہ کہ خدا اور اس کے رسول کے وعدہ کے مطابق اتنے قلیل عرصہ میں صد ہا سال کی پائدار سلطنتیں مٹ گئیں اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین نے اسدم کے مقابلہ کی سر توڑ کوششیں کیں لیکن فحوائے

چراغے را کہ نیرو بر فروزد ہر آنکہ تف ز ندریش بسوزد
ان کی کوشش سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اسکے برعکس اسلام کو عروج ہوتا رہا اسلام کی علمداری عرض میں کہیں پینتالیس اور چوالیس درجہ تک پہنچی جیسے باب المندب سے بلادِ یونان تک اور کہیں پچاس درجہ تک جیسے ترکستان کی شمالی حدود تک اور کسی جگہ ستر درجہ تک اور کسی جگہ بیاسی درجہ تک پہنچی اور ان تمام اقالیم میں اسلام کے قدم جم گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا مگر اسلام کی ترقی میں شک نہیں اسلئے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کا اختلاف برادرانہ اختلاف تھا کفر کے مقابلہ میں دونوں بھائی ایک تھے۔ خلفائے راشدین کی فتوحات کے متعلق بڑی بڑی مبسوط کتابیں لکھی گئیں جن سے روز روشن طرح واضح ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسلام کو جو ترقی نصیب ہوئی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ ڈالیں اور آدھا کرہ زمین فتح کر ڈالا اور توحید اور دین حق کو سر بلند کیا اور کفر اور شرک کو سرنگوں کیا اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

(۷) فتح خیبر کی پیشین گوئی

(۸) فتح فارس و روم کی پیشین گوئی

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَايَعُواكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَا نِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا وَعَدَ اللَّهُ لَكُمْ مَغَانِمَ

كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلْ لَكُمْ هَذِهِ وَ كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ
لِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَ أُخْرَى لَمْ
تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَ كَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

(فتح ۱۸-۲۱)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان مسلمانوں سے جو بیعت رضوان میں شریک تھے اُن
سے دو وعدے فرمائے قریب میں فتح خیبر کا وعدہ فرمایا کہا قال تعالیٰ وَ اُنَابَهُمْ فَتَحَا قَرِيبًا
اور دوسرا وعدہ فتح روم اور فارس کا فرمایا اس لئے کہ وَ أُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا میں فتح
پارس اور فتح روم کی طرف اشارہ ہے۔

بجہدہ تعالیٰ اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے خیبر آپ کی زندگی میں فتح ہوا اور فارس و
روم عمر فاروق کے زمانے میں فتح ہوئے۔

(۹) قبائل عرب کی مغلوبی اور شکست کی پیشین گوئی ۱۔

قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ۔ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ
سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔

حق تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور قبائل
عرب اتنے مغلوب ہوئے کہ اسلام کے مقابلے میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ اور ہجرت
کے چوتھے سال یہود بنو نضیر مغلوب ہوئے اور جلائے وطن ہوئے اور ہجرت کے پانچویں
سال بنی قریظہ مقتول ہوئے اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا اور یہود مسلمانوں کے
کاشتکار اور جزیہ گزار بنے۔

(۱۰) فتح مکہ کی پیشین گوئی ۲۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَ رَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ
اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

(النصر ۱-۴)

ہجرت کے آنھویں سال مکہ فتح ہوا اور نویں اور دسویں سال ہر طرف سے قبائل عرب اور اہل شام اور اہل عراق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور فوج فوج دین اسلام میں داخل ہوئے۔

(۱۱) غزوہ احزاب میں کامیابی کی پیشین گوئی

قال تعالى وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا
(الاحزاب ۳۳)

اور حدیث میں ہے سیشستد الامر اجتماع الاحزاب علیکم والعاقبة لکم علیہم قریب ہے کہ عرب کے مختلف قبائل اور نو جیس جمع ہو کر تم پر چڑھائی کریں گی لیکن آخر تم ہی کو ان پر غلبہ ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ غزوہ احزاب میں قبائل عرب چڑھ کر مسلمانوں پر آئے اور مجدہ تعالیٰ خدا اور رسول کا وعدہ چنانکا ادا کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ اور فتح عطاء کی اور کافران کا کام واپس ہو گئے۔

(۱۲) یہود کے متعلق پیشین گوئی کہ

وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ
(البقرہ ۹۲-۹۵)

آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کی تمنا کرو اور ساتھ ہی ساتھ پیشین گوئی کر دی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ موت کی تمنا نہ کر سکے۔

اور یہی مضمون سورہ جمعہ کی آیت میں ہے۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظَّالِمِيْنَ۔

(۱۳) القاءِ رعب کی پیشین گوئی

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطٰنًا وَمَا وَاٰهُمُ النَّارُ۔ (آل عمران ۱۵۱)

جیسا کہ غزوہ حراء الاسد میں پیش آیا کہ اللہ نے کافروں کے دل میں ایسا رعب ڈالا کہ باوجودیکہ اُحد میں فتح پا چکے تھے۔ مگر پھر بھی ہمت نہ ہوئی۔

اور ایسا ہی غزوہ احزاب میں ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں خبر دی ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمۡ اِذْ جَاۤءَ تَكُوْمُ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمۡ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اور حدیث میں ہے۔ نصرت بالصبا و اہلکت عاد بالدبور من جانب اللہ میری باد صبا سے مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک ہوئے۔

(۱۴) فتنہ ارتداد اور اس کے انسداد کی پیشین گوئی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يُّرْتَدۡ مِنْكُمۡ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَہٗ اَذٰلَہٗ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٌ عَلٰی الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاٲِيْمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْہٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (المائدہ ۵۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں پیشین گوئی فرمائی کہ آگے چل کر مسلمانوں میں سے بعض لوگ مرتد ہو جائیں گے یعنی اسلام سے پھر جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے کے لئے ایسے لوگ کھڑے کرے گا جو ان مرتدوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کریں گے اور وہ مرتدین سے قتل کرنے والے خدا تعالیٰ کے محب اور

محبوب ہوں گے، چنانچہ صدیق اکبر کے زمانے میں فتنہ ارتداد پیش آیا اور حکم صدیق اکبر صحابہ کرام نے مرتدین سے جہاد و قتل کیا اور مرتدین کو شکست دی۔

(۱۵) وفات نبوی ﷺ کی پیشین گوئی

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سورت میں آں حضرت ﷺ کے سفر آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور لوگ فوج فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ بعثت کا مقصود پورا ہو گیا۔ اب تسبیح و تہمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے اور سفر آخرت کی تیاری کیجئے۔

یہاں تک ان پیشین گوئیوں کا ذکر تھا جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اب ہم ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جو احادیث نبویہ ﷺ میں مذکور ہیں۔

ان پیشین گوئیوں کا بیان جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے

صحیحین میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار آں حضرت ﷺ نے اپنے وعظ میں قیامت تک پیش آنے والے امور کا ذکر فرمایا اور کھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا اور میرے اصحاب کو بھی اس کی خبر ہے ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو میں بھول گیا مگر جب ان کو دیکھتا ہوں تو یاد آ جاتی ہیں۔ یعنی بعد وقوع کے پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے کہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت یاد ہو اور وہ غائب ہو جائے۔ پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی فلاں شخص ہے۔ دیکھو زرقانی شرح مواہب ص ۲۰۵ ج ۷ اور دیلمی ص ۲۰۸ ج ۶ باب بدء الخلق اور کتاب القدر۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو آں حضرت ﷺ نے قبل از وقوع بیان فرمائیں اور بجائے تخریج حدیث کے حوالہ کتاب پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ جس کو تفصیل اور تحقیق درکار ہو وہ اصل کتاب کی مراجعت کر لے۔

- (۱) خلافت راشدہ کی خبر دی جو بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔
- (۲) خلافت راشدہ کی مدت کی خبر دی کہ وہ تیس سال ہوگی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۲)
- (۳) شیخین کی خلافت کی خبر دی کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کا اقتداء کرنا۔
- (۴) خلافت راشدہ کی بابت بار بار ایسے ارشادات ظاہر ہوئے جس سے خلافت راشدہ کی ترتیب کا پتہ چل جاتا ہے۔
- (۵) اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات عظیمہ کی خبر دی اور فرمایا کہ میری امت کی سلطنت اتنی وسیع ہوگی جتنی زمین مجھ کو سمیٹ کر دکھلائی گئی۔ (زرقانی ص ۲۱۰ ج ۷)
- (۶) قیصر و کسریٰ کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۰۷)
- (۷) خلافت راشدہ اور اس کے بعد ملک عضو کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)
- (۸) فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور فتح مصر اور فتح بیت المقدس اور فتح قسطنطنیہ کی پیشین گوئی فرمائی۔
- (۹) جنگ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے ایک روز پیشتر نام بنام مقتولین بدر کی خبر دی اور یہ فرمایا کہ فلاں شخص فلاں جگہ قتل ہو کر گرے گا، چنانچہ جو جگہ جس کے لئے فرمائی تھی وہ وہیں گرا۔
- (۱۰) ابی بن خلف کے قتل کی خبر دی کہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔
- (۱۱) غزوہ خندق کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کریں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔
- (۱۲) نجاشی کی وفات کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۰۶ ج ۷)
- (۱۳) غزوہ موتہ میں جو امیر لشکر شہید ہوئے حضور پر نور نے عین وقت شہادت پر تفصیل و ترتیب کے ساتھ ان کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۰۹ ج ۷)
- (۱۴) مکہ مکرمہ میں قریش کو یہ خبر دی کہ صحیفہ ظالمہ کو جو خانہ کعبہ میں آویزاں ہے سوائے خدا کے نام کے کیتروں نے کھا لیا ہے۔ (زرقانی ص ۲۱۰ ج ۷)
- (۱۵) مرض الوفات میں آپ نے حضرت فاطمہ کو یہ خبر دی کہ میری وفات کے بعد میرے اہل و عیال میں سے سب پہلے تو آکر مجھ سے ملے گی۔ (زرقانی ص ۲۱۲ ج ۷)
- (۱۶) حضور پر نور نے اپنے مرض الوفات میں اپنی ازواج مطہرات سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم

میں سے جو سب سے زیادہ خیرات کرنے والی ہوگی وہ جلد تر مجھ سے آکر ملے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ازواج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش جو سب سے زیادہ خیرات کیا کرتی تھیں سب بیویوں سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

(۱۷) حضرت عمر کے حق میں فرمایا کہ یہ شخص فتنہ کا قفل ہے یعنی جب تک عمر زندہ رہے گا فتنہ بھی مقفل اور مقید رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر کے وقت تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور فساد رونما نہیں ہوا جب وہ گزر گئے تو فتنہ و فساد شروع ہوا۔

(۱۸-۱۹) حضرت عثمان اور حضرت علی کی شہادت کی خبر (زرقانی ص ۲۱۳ ج ۷)

آں حضرت رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی کے متعلق خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو گے اور تمہارے سے جنت ہوگی چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ (بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ) اور حضرت علی کے متعلق فرمایا کہ ایک بدترین امت تمہارے سر پر ایسی تلوار مارے گا جس سے تمہاری ڈاڑھی رنگین ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (زرقانی ص ۲۱۳ ج ۷)

(۲۰) جنگ جمل کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۱) جنگ صفین کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۲) خروج عائشہ صدیقہ کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۶ ج ۷)

(۲۳) حضرت عمار کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ نے پیش گوئی فرمائی کہ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ چنانچہ عمار باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے، (زرقانی ص ۲۲۰ ج ۷)

(۲۴) امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق آں حضرت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ (زرقانی ص ۲۱۷ ج ۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲۵) امام حسین کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۱۸ ج ۷) اور امام حسین شہید ہوئے۔ میری امت کے لوگ تم کو قتل کریں گے (وقصہ فتنہ مذکورہ فی ص ۲۱۹ ج ۷ زرقانی۔)

(۲۶) ثابت بن قیس بن شماس کی شہادت کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۲۷) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ابتلاء کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۲۸) عبداللہ بن عباس کے ابو الخلفاء ہونے کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۲ ج ۷ و ص ۲۲۳ ج ۷ و ازالہ

- (۲۹) عالم مدینہ کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۳ ج ۷ ص ۲۲۵ ج ۷) یعنی امام مالک کے ظہور کی خبر۔
- (۳۰) عالم قریش کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۵ ج ۱) یعنی امام شافعی کے ظہور کی خبر۔
- (۳۱) عالم فارس یعنی ابو حنیفہ کے ظہور کی خبر۔ (دیکھو تمیض الضعیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ للسیوطی)
- (۳۲) ہر صدی پر ظہور مجدد کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۷ ج ۷)
- (۳۳) خروج خوارج کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۷ ج ۷)
- (۳۴) ظہور روافض کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۰ ج ۷)
- (۳۵) قدریہ اور مرجہ کے ظہور کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۰ ج ۷)
- (۳۶) خروج دجالین یعنی مدعیان نبوت کے خروج کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۱ ج ۷)
- (۳۷) منکرین حدیث کے خروج کی خبر۔
- (۳۸) اسود غنسی کے متعلق خبر اسود غنسی نے صنعاء میں نبوت کا دعویٰ کیا آپ نے اس کے قتل کی پیشین گوئی فرمائی اور جس شب میں مارا گیا اسی وقت آپ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ کو خبر دی۔
- (۳۹) مختار اور حجاج کے خروج کی خبر۔
- (۴۰) شیرویہ کے ہاتھ سے پرویز کے مارے جانے کی خبر۔
- (۴۱) حضرت عباس جو مال ام فضل کے پاس چھوڑ آئے تھے اس کی خبر۔
- حضرت عباس اسلام لانے سے پہلے جب جنگ بدر میں اسیر ہو کے آئے اور ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو یہ کہا کہ مجھ میں فدیہ دینے کی طاقت نہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مال اور سونا کہاں ہے جو تم مکے سے چلتے وقت رات میں ام فضل کے پاس رکھ آئے ہو اسے دے کر آزاد ہو جاؤ حالانکہ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ (زرقانی ص ۲۰۸ ج ۷)
- (۴۲) فتن اور زلازل اور اثر اطلساعت اور (۴۳) خروج دجال اور (۴۴) طلوع شمس از مغرب اور (۴۵) خروج دلیۃ الارض اور (۴۶) خروج ناری کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۲ ج ۷ تا ص ۲۳۶ ج ۷)
- غرض یہ کہ بہت سے ایسے امور ہیں کہ جن کی نبی کریم ﷺ نے قبل از وقوع خبر دی جن کا بغیر وحی خداوندی معلوم ہونا ناممکن ہے یہاں چند امور بطور نمونہ مختصراً لکھ دیئے گئے۔
- اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

معجزات یمن و برکت

ہر نبی و رسول کی ذات و اوصاف یمن اور برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے مگر نبی اکرم ﷺ جس طرح اور کمالات میں انبیاء کرام سے افضل ہیں اسی طرح آپ سے جس قدر یمن و برکات کے معجزات صادر ہوئے وہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئے۔ مختصر یہ کہ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا اور ایک تھوڑے سے پانی کا ایک لشکر عظیم کے سیری اور سیرابی کے لئے کافی ہو جانا جس کا متعدد مواضع میں مشاہدہ کیا گیا۔

چنانچہ (۱) جنگ خندق کے روز حضرت جابر کے مکان میں صرف ایک سیر جو کے آٹے سے بہت سے آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری مسلم بروایت جابر)
(۲) حضرت ابوطحہ کے مکان پر بھی جنہوں نے صرف آپ کی دعوت کی تھی اور دو تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا، اس تھوڑے سے کھانے سے اپنے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم بروایت انس)

(۳) ایک دفعہ ایک صاع جو (یعنی ساڑھے تین سیر) اور ایک بکری کے بچہ کے گوشت سے آپ نے اسی آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ (بیہقی درردائل النبوة)
(۴) حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا، آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس میں پانی چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا، پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ (بخاری بروایت براء بن عازب و مسلم بروایت سلمہ بن اکوع)

(۵) تبوک کے چشمہ میں پانی سوکھ گیا تھا، حضور پر نور نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزار ہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پیا۔ (مسلم بروایت معاذ)

(۶) ایک دفعہ تمام لشکر محمدی ﷺ پیاس سے بے تاب ہو گیا تو حضور پر نور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ ﷺ کا ہاتھ اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا جس سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔ (بخاری و مسلم بروایت انس)

(۷) ایک دفعہ آپ کے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا آپ نے ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ سب

اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ جو ستر اسی آدمی تھے سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ کا پیالہ اسی طرح باقی رہا۔ (بخاری شریف)

(۸) آں حضرت ﷺ نے جب حضرت زہنب سے نکاح کیا تو حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے تھوڑا سا کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے بہت سے صحابہ کو مدعو کر لیا۔ اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں، تقریباً تین سو آدمی سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم)

استجابِ دُعاء

من جملہ معجزات کے ایک قسم معجزہ کی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس کے حق میں جو دعا فرمائی وہ قبول ہوئی۔ اس قسم کے معجزات کو معجزات سیف اللسانی بھی کہتے ہیں۔ سیف زبان اصطلاحی طور پر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کی زبان سے جو کچھ نکل جائے ویسا ہی ہو جائے اور کسی طرح بھی ٹالے نہ منے یہ خدا کے برگزیدہ اور مؤید من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی زبان سے جو کہلوادیتا ہے وہ جوں کا توں ہو کر رہتا ہے اور آں حضرت ﷺ کی زبان درفشوں کا کیہ کہنا جو فرمایا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا اور جس شخص کی نسبت جو کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا وہ بالکل ویسے کا دیا ہو کر رہا۔

(۱) حضرت انس کے لئے دُعا فرمائی جو بہت مفلس تھے آپ کی دُعا سے بڑے دولت مند ہو گئے۔

(۲) عبدالرحمن بن عوف آپ کی دُعا سے اس قدر مالدار ہو گئے کہ لاکھوں کے مالک ہو گئے۔

(۳) حضرت سعد کے لئے حضور پر نور نے دُعاء کی کہ اے اللہ سعد کو مستجاب الدعوات بنا دے چنانچہ سعد جو دعاء کرتے وہ قبول ہوتی۔

(۴) سراقہ نے بوقت ہجرت آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ ﷺ کے نزدیک پہنچ گیا آپ ﷺ نے دُعاء کی کہ اے اللہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جائے اسی وقت فی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا پھر جب اُس نے ایمان قبول کیا تو آپ ﷺ نے دُعاء کی اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل آیا۔

(۵) عبداللہ بن عباس کے لئے بچپن میں آپ نے علم و حکمت کی دُعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ علم و حکمت کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے۔

(۶) ابو ہریرہؓ کے لئے حافظہ کی دُعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے جو سنا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے۔

(۷) ابو ہریرہؓ کی والدہ کے لئے ہدایت کی دُعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت نصیب کی۔ (بخاری)

(۸) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی کے گھر تشریف لے گئے اور سب پر ایک چادر ڈال کر دُعا کی اس دُعا پر دروازہ کی دہلیز نے اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور تین مرتبہ کہی۔

(۹) قریش نے جب آپ کی سخت مخالفت کی تو آپ نے ان کے حق میں بدُعا کی کہ اے اللہ ان پر قحط نازل فرما چنانچہ آپ کی دُعا سے قریش پر قحط نازل ہوا۔ (بخاری شریف)

(۱۰) مدینہ منورہ میں قحط پڑا جموعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر درخواست کی یا رسول اللہ بارش کے لئے دُعا فرمائیے، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی اسی وقت پانی برسن شروع ہو گیا۔

معجزات شفاء امراض

(۱) خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دُکھنے آگئیں آپ ﷺ نے اپنا لب مبارک ان پر لگایا فوراً اسی وقت صحیح سلامت ہو گئیں اور پھر کبھی دُکھنے نہیں آئیں۔ (بخاری شریف بروایت ابن مسعود) اس قسم کے معجزات کی تفصیل شرح شفاء قاضی عیاض اور شرح مواہب میں دیکھیں۔

(۲) قنادة بن النعمان کی آنکھ نکل کر گر پڑی، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اُس آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ آنکھ ایسی صحیح و سلامت اور خوشنما ہو گئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

(۳) عبداللہ بن عتیک جب ابورافع کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو زینہ سے اترتے ہوئے گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا فوراً ایسی اچھی ہو گئی گویا کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ (بخاری شریف باب قتل ابی رافع)

(۴) غار ثور میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تو آپ ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا، اسی وقت شفاء ہو گئی۔

(۵) ایک نابینا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے اس کو ایک خاص دُعا بتلائی اور فرمایا کہ وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور میرے وسیلہ سے یہ دعاء مانگو اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت پوری کرے گا، اس نابینا نے اسی طرح دعاء مانگی۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس سے اٹھے نہ تھے کہ وہ نابینا بینا ہو گیا۔ (ترمذی کتاب الدعوات و مستدرک حاکم ص ۵۱۹ ج ۱)

(۶) حبیب بن ابی فدیک کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور نابینا ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں پر پڑھ کر دم کیا اسی وقت آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ (طبرانی معجمی و ابن ابی شیبہ)

(۷) حجة الوداع میں ایک عورت اپنے ایک بچہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو گونگا تھا اور عرض کیا کہ یہ بچہ بولتا نہیں آپ نے پانی منگایا اور ہاتھ دھویا اور کلی کی اور یہ فرمایا کہ یہ پانی اس بچہ کو پلاؤ اور کچھ اس پر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو وہ بچہ بالکل اچھا ہو گیا تھا اور بولنے لگا تھا۔ (سنن ابن ماجہ باب النشرۃ و دلائل ابی نعیم ص ۱۶۷)

(۸) محمد بن حاطب صحابی یحپن میں میں ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دھن لگا دیا فوراً اچھے ہو گئے۔ (رواہ ابوداؤد و تلمیسی و احمد بن حنبل و البخاری نے تاریخ۔)

(۹) ابو ہریرہ نے اپنے حافظ کی شکایت کی کہ آپ سے جو سنتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر آپ نے اس میں اپنی دوپٹوں سے کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے سے لگا لو ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری شریف)

(۱۰) ایک شخص نے "کرآں حضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا بھائی بیمار ہے اور اس پر جنون کا اثر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو لے کر آؤ جب وہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے قرآن کریم کی متعدد سورتیں پڑھ کر اس پر دم کیں اسی وقت وہ اچھا ہو گیا اور جنون کا کوئی اثر اس پر نہ رہا۔ (سنن ابن ماجہ باب الفزع والاراق)

فَتِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

غرض کہ شفاءِ امراض کے متعلق اور بھی حضور پر نور کے بہت سے معجزات ہیں جن پر آپ نے پڑھ کر دم کیا یا لعابِ دہن لگایا یا ہاتھ پھیر دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

إِحْيَاءِ مَوْتَى ۱

حضراتِ انبیاء کرم دراصل روحانی طبیب ہیں دل اور روح کی بیماریوں کے علاج کے لئے مبعوث ہوئے لیکن بطور خرقِ عادت کبھی کبھی حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرام کے ہاتھ سے ایسے امراضِ جسمانی کو شفاء بخشتا ہے جس سے اطباء عاجز ہوتے ہیں اور گاہ بگاہ اپنی قدرتِ کاملہ سے انبیاء کے ہاتھ پر مُردے بھی زندہ کر دیتا ہے کہ لوگوں پر اس نبی برحق کا برگزیدہ خداوندی ہونا واضح ہو جائے۔

اس قسم کے معجزات زیادہ تر عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔

حق جل شانہ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو باوجود یہ کہ گوناگوں اور قسم قسم کے معجزات عطا فرمائے مگر شفاءِ امراض اور احیاءِ موتی کے قسم سے بھی آپ کو حظِ وافر عطا فرمایا اور مردوں کی ایک جماعت آپ کے ہاتھ پر زندہ فرمائی۔ (زرقانی ص ۷۰ ج ۱)

حسن یوسف دم عیسے ید بیضا داری

آنچه خواباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام قرطبی اپنی کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا جس کا قاضی عیاض نے اپنی شفاء میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھو شرح شفاء للعلامة القاری ص ۶۴۳ ج ۱)

(۱) حضرت انس راوی ہیں کہ ایک اندھی بڑھیا کا ایک جوان بیٹا مر گیا سب نے اس پر ایک پتھر اڑال دیا اور اس کو ڈھک دیا بوزھی ماں کو سجدہ صدمہ ہوا اور چلانے لگی اور یہ بہا کہ اسے پروردگار تجھے خوب خوب معلوم ہے کہ میں خالص تیرے لئے اسامیٰ لائی اور بتوں کو چھوڑا اور

بہد شوق و رغبت تیرے رسول کی طرف ہجرت کی اے اللہ مجھ پر بت پرستوں کو شامت کا موقع نہ دے اور مجھ پر یہ ناقابل برداشت صدمہ نہ ڈال، حضرت انس فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ اور ہم اصحاب صفہ اس وقت وہاں موجود تھے، خدا کی قسم ہم ابھی وہیں موجود تھے کہ یکایک وہ نوجوان زندہ ہو گیا اور اپنے منہ سے اپنی چادر اتاری اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ نوجوان آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اسکی بڑھیا ماں اس نوجوان کی زندگی میں وفات پا گئی رواہ ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیہقی وابونعیم (تفصیل کے لئے زرقانی ص ۱۸۳ ج ۵ دیکھئے) ف۔ اس کے استغاثہ اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا بیٹا زندہ ہو گیا۔

(۲) دلائل بیہقی میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اسنے یہ کہا کہ میں جب اسلام قبول کروں گا جب آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں جو قریب میں مرچکی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ، وہ شخص آپ کو اس کی قبر پر لے گیا، آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس لڑکی کا نام لے کر اس کو پکارا وہ لڑکی زندہ ہو گئی اور لبیک وسعدیک جی حاضر ہوں کہتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی، آپ نے اسے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اپنے ماں باپ کے پاس رہنا چاہتی ہے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ کا قرب ماں باپ سے بہتر ہے اور میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔

(زرقانی ص ۱۸۲ ج ۵ شفاء قاضی عیاض ص ۱۶۰)

(۳) عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حجۃ الوداع میں مقام حجون میں اترے اور ایک روز میرے پاس سے رنجیدہ اور غمگین اور روتے ہوئے باہر گئے پھر جب واپس آئے تو مسرور تھے اور مسکرا رہے تھے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔

اس روایت کو سہیلی نے روض الانف میں ذکر کیا اور یہ کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں اور حافظ ابن کثیر یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے مگر موضوع نہیں اور فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔ (زرقانی ص ۱۸۳ ج ۵)

شیخ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ احیاء ابویں کی حدیث کے بارے

میں حضرات محدثین کے تین قول ہیں ابن جوزی اور ابن دجیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سیبلی اور ابن کثیر وغیرہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر موضوع نہیں حضرات اہل علم تفصیل کے لئے زرقانی از ص ۱۶۶ ج ۱ تا ص ۱۸۷ جلد اول کی مراجعت کریں جس میں احیاء ابویں کی حدیث پر مفصل کلام کیا ہے اور اس زمانے کے کسی علامہ کی درایت حضرات محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابل التفات نہیں حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔

حبا لله النبی مزید فضل علی فضل وکان بہ رؤفا
فاحیاءہ وکذا اباء لایمان بہ فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بذاقدير وان کان الحدیث بہ ضعیفا
(زرقانی ص ۱۸۵ ج ۱)

اور اسی کو شیخ جلال الدین سیوطی نے اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں چنانچہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وجماعة ذهبوا الی احیاءہ ابویہ حتی امنوا لا تخرفوا
وروی ابن شاہین حدیثا مسندا فی ذاک لکن الحدیث مضعف
(زرقانی ص ۱۸۷ ج ۱)

(۴)۔ کتب حدیث میں متعدد طریق سے مروی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی جس میں اُس نے زہر بھی ملا دیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور صحابہ کرام جو حاضر مجلس تھے انھوں نے بھی اس میں سے کچھ کھایا مگر فوراً ہی صحابہ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ لو اور فرمایا کہ اس بکری نے مجھے خبر دی ہے کہ میں زہر آلود ہوں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث شذوۃ مسمومہ مشہور ہے جس کو ائمہ حدیث نے اپنی صحاح اور سنن میں روایت کیا ہے ائمہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے، امام ابو الحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مردہ بکری میں اپنی قدرت کاملہ سے کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا کر دیا۔ جیسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر ہاشجر اور حجر میں کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا فرمایا پس اسی طرح بکری کا گوشت اپنی ہی حالت اور شکل پر ہا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرت گویائی کی پیدا کر دی۔

اور بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس گوشت میں حیات اور زندگی پیدا فرمائی اور حیات کے بعد اُس گوشت نے کلام کیا اور یہی امام ابو الحسن اشعری سے منقول ہے،
(دیکھو شفاء قاضی عیاض ص ۵۹ او منہا بل اصفاس ۴۳)

(۵)۔ آں حضرت ﷺ مسجد نبوی میں کھجور کے ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ دینا کرتے تھے، اس کے بعد جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے منبر پر خطبہ دینا شروع کر دیا تو یکبارگی صدمہ مفارقت میں وہ ستون چل کر رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اس کو اپنے بدن سے چمٹایا سو وہ ہچکیاں لینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستون ہمیشہ ذکر (خطبہ) سنا کرتا تھا اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔ (بخاری شریف)

قاضی عیاض اور دیگر حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ گریہ ستون کی حدیث متواتر ہے۔ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حسین جذع (یعنی گریہ ستون) کا معجزہ حضرت عیسیٰ کے احیاء موتی کے معجزہ سے زیادہ بلند ہے اس لئے کہ میت اگر زندہ ہو جائے تو اپنی حالت سابقہ یعنی گزشتہ حیات کی طرف لوٹ آیا بخلاف لکڑی کے کہ وہ تو جماد محض ہے، اس میں پہلے سے حیات کا کہیں نام و نشان نہ تھا اس کا مفارقت نبوی کے صدمہ و الم سے رونا غایت درجہ عجیب ہے، امام بیہقی نے امام شافعی سے اسی طرح نقل فرمایا اور علی ہذا درختوں اور پہاڑوں میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آنا اور آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا اور آپ کی مجلس میں کھانوں سے تسبیح کی آواز سنائی دینا یہ معجزات بھی احیاء موتی سے کم نہیں اور علی ہذا درختوں کا آپ ﷺ کے بلانے سے آجانا اور آپ ﷺ کے اشارہ سے اپنی جگہ واپس آجانا یہ بھی احیاء موتی کے معجزہ سے کم نہیں۔

غرض یہ کہ احیاء موتی کے متعلق متعدد احادیث سے متعدد واقعات مختلف سندوں کے ساتھ ملتے ہیں فرداً فرداً اگرچہ وہ روایتیں پایہ صحت کو نہیں پہنچیں لیکن قدر مشترک کے طور پر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ احیاء موتی آں حضرت ﷺ سے ضرور ثابت ہے لہذا اس کو بالکل بے اصل اور موضوع قرار دینا صحیح نہیں۔

معجزات عیسوی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے وانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔ یعنی آپ گیلی مٹی لیتے اور اس سے چڑیا کا پتلا بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ بحکم خدا چڑیا بن جاتا تھا روایت کیا جاتا ہے کہ یہ مٹی کی چڑیا کچھ دور تک اڑتی، پھر مر کر گر پڑتی تاکہ اصلی چڑیا اور اس اعجازی چڑیا میں فرق ہو جائے۔ مگر یہ معجزہ چاروں انجیوں میں مذکور نہیں۔

اس کے بعد احیاء موتی کا معجزہ ہے جو چڑیا کے معجزہ سے ذرا کم ہے کیونکہ جو مردہ حال ہی میں مرا ہے اس میں حسب سابق زندگی کا لوٹ آنا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ مٹی کے پتلے کا چڑیا بن جانا عجیب ہے اور احیاء موتی کے بعد شفاء مرضی یعنی بیماریوں کے لہجہ کر دینے کا معجزہ ہے۔

اور شفاء مرضی سے اتر کر مکاشفات ہیں جن کو حق تعالیٰ نے وانبتکم بماتاکلون وماتدخرون سے بیان کیا ہے۔ یعنی تم کو خبر دے دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ جمع کرتے ہو۔

یہ معجزہ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں دیگر انبیاء بنی اسرائیل نے بھی بہت سے اہم آئندہ امور کی قبل از وقوع خبر دی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رومیوں کے غلبہ کی خبر سات آٹھ سال پہلے دی اور فتح خیبر اور فتح شام و عراق کی خبر دی گئی نصاریٰ نے حضرت مسیح کے کل ۲۷ معجزے بیان کیے ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنے کا ہے اور یہ معجزہ بھی انجیلی روایات کی بناء پر صرف تین بار پیش آیا ہے۔ پہلا مردہ شہرنا مین کا رہنے والا تھا اس کا جنازہ اٹھ چکا تھا اور اس کی ماں رورہی تھی۔ حضرت مسیح نے اس کے جنازہ کو روک کر کہا اے جوان اٹھ جا وہ مردہ اٹھ بیٹھ اور بولنے لگا اور اس نے اس کو اس کی ماں کو سوئپ دیا۔ سب پر دہشت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ یہ بڑا نبی ہے جو ہم میں اٹھا ہے (دیکھو۔ انجیل لوقا باب ۷ درس ۱۱ تا ۱۷)

دوسرا واقعہ۔ ایک مردہ لڑکی کے زندہ کرنے کا ہے جو انجیل متی باب ۹ درس ۱۸ تا ۲۳ میں مذکور ہے۔

تیسرا واقعہ آپ کے محبوب لعز کو زندہ کرنے کا ہے جو آپ ﷺ کی چہیتی مریم کا بھائی تھا جسے مرے ہوئے اور دفن ہوئے چار دن ہو چکے تھے۔ حضرت مسیح تشریف لائے اور آواز بلند پکارا اے لعز نکل آ۔ جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے باہر نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا یسوع نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔ یہ واقعہ انجیل یوحنا کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

یہود ان معجزات کی بابت یہ کہتے ہیں کہ یہ تین شخص حقیقت میں مرے نہیں تھے بلکہ سکتہ کی حالت میں تھے، بسا اوقات ایسی حالت میں شدید بیہوش کو مردہ سمجھ لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متمدن حکومتوں میں اس وقت تک دفن کی اجازت نہیں ہوتی جب تک مستند ڈاکٹر موت کی شہادت نہ لکھ دے۔

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح کے احیاء موتے کے معجزہ کو قرآن وحدیث کی شہادت کی بناء پر مانتے ہیں ورنہ علماء نصاریٰ کے پاس کوئی سلسلہ اسناد نہیں کہ جس کے ذریعہ کوئی متصل اسناد پیش کر سکیں۔ بخلاف معجزات محمدیہ کے کہ وہ تمام اسانید صحیحہ اور متصلہ اور مسلسلہ کے ساتھ منقول اور مروی ہیں اور جو روایتیں مرسل طریقہ پر یا ضعیف طریقے سے مروی ہیں وہ متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک شی کا متعدد طریقوں اور مختلف راویوں سے منقول ہونا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روایت بے اصل نہیں تعدد طریق سے روایت میں ایک گونہ قوت آ جاتی ہے جو بسا اوقات اس کو صحیح اور حسن کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہود اور نصاریٰ کے یہاں نہ سلسلہ اسناد ہے اور نہ علم رجال ہے اس لئے بائبل میں جن واقعات کی روایت کی گئی ہے وہ کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مقصد نبوت

تمام علماء اہل کتاب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں

کو دنیا میں نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان پر وحی نازل کی تاکہ وہ انسانوں کی حق کی طرف رہنمائی کریں اور ان کو ان کی نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتلائیں۔

پس جس بناء پر یہ اہل کتاب نبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کے قائل ہیں وہی محمد رسول اللہ ﷺ میں بھی موجود ہے بلکہ آپ میں خاصہ نبوت اور دلائل رسالت، تمام انبیاء سے زیادہ صاف اور روشن ہیں اور روایت کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحیح اور شہادت سے غایت درجہ بعید بلکہ پاک اور منزہ ہیں۔

نبوت و رسالت کا سب سے اہم اور اعظم پہلو دینی عقائد اور عبادات اور آداب و اخلاق اور احکام و معاملات کا معاملہ ہے۔

دوسرا پہلو دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات کا ہے۔

تیسرا پہلو پیشین گوئیوں کا ہے۔

چوتھا پہلو اصلاح عام کا ہے۔

پانچواں پہلو اثر ہدایت کا ہے۔

ور آنحضرت ان پانچوں باتوں میں تمام انبیاء و مرسلین سے بڑھ کر ہیں۔

نصاری کی گمراہی کا سبب

حق جل شانہ نے جس طرح دیگر انبیاء کرام کو آیات و معجزات عطا کیے تاکہ ان کی نبوت و رسالت کی سند اور دیں بنیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سے خوارق عادات سے سرفراز فرمایا۔

نصاری حضرت عیسیٰ کی ان نشانیوں کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ یہ نشانیاں خود حضرت عیسیٰ کی قدرت سے پیش آئی ہیں اور ان کی یہ قدرت عین قدرت الہی ہے، اس لئے ان نادانوں نے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ حضرت مسیح میں حلول کر رہا ہے اور ان کے ساتھ متحد ہو گیا ہے اور وہ اور خدا ایک ہیں۔

جیسے مسلمانوں میں جو لوگ اولیاء اللہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں، وہ اپنی ضرورتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان عباد صالحین کو اس قسم کے

تصرف کا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں نفع یا ضرر پہنچائیں، اس قسم کے لوگ اگرچہ ان عباد صالحین کو معبود اور خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان حضرات کو خدا کا بندہ ہی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ لوگ دائرۃ اسلام سے خارج نہیں۔

مگر بایں ہمہ نصرانیت اور شرک سے مشابہت ضرور ہے اور ان لوگوں کا یہ فعل اگرچہ شرک اعتقادی اور مخرج عن المملۃ نہ ہو مگر شرک عملی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ شہدائے کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اُن کی بعثت کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو معرفت اور عبادت الہی کی راہیں دکھائیں اور اُن کے اخلاق و اعمال کی اصلاح و تزکیہ کریں اور وہ آیات و معجزات اور خوارق عادات جو اُن کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کی نبوت و رسالت کے دلائل و براہین ہوتے ہیں۔ نصاریٰ حیارینی نے ان معجزات کو دلائل الوہیت سمجھ لیا اور یہ نہ سمجھا کہ یہ معجزات حضرات انبیاء کے اختیاری افعال نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کے کرشمے ہیں جو من جانب اللہ۔ انبیاء کرام کی فضیلت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے محض خدا تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ سے انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ انبیاء کی قدرت اور ارادہ کو ان کے صدور و ظہور میں کوئی دخل نہیں۔

حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو کائنات میں تصرف کرنے کی کوئی ذاتی قوت اور قدرت نہیں بخشی کہ جو چاہیں کر ڈالیں، حتیٰ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور باپ اور بیٹے کو بھی ہدایت بخشنے کی قدرت ان کو نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت کی راہ پر لے آئیں، نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی ہدایت پر اور ابراہیم علیہ السلام آذر کی ہدایت پر قادر نہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ اپنے چچا ابوطالب اور ابولہب کو ہدایت پر لے آئیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُشَاءُ
تحقیق ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت بخشتا ہے۔

حتیٰ کہ انبیاء کرام اپنے نفع و ضرر کے بھی مالک نہیں، بسا اوقات انبیاء کرام کو اپنے

دشمنوں سے طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچیں مگر وہ اپنی ذات سے ان مصیبتوں کو دور نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ قتل بھی ہو گئے اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا
 آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ کسی ہدایت کا مالک ہوں۔

اور اسی قسم کی بشارتیں قرآن کریم میں موجود ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں لہذا جو ذات نفع و ضرر کی مالک نہ ہو وہ قابلِ عبادت اور لائقِ پرستش نہیں۔

آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کا دور حکومت آیا جنہوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ ڈالیں اور آہا کرہ زمین فتح کر ڈالا۔ فتح کے بعد شرک اور ظلم کا قلع قمع کر دیا اور بد اخلاقیوں اور بے حیائیوں سے زمین کو پاک کر ڈالا اور توحید حق اور دین الہی اور عدل و انصاف کو پھیلادیا یہاں تک کہ یہ حضرات رحم اور عدل میں اور تدبیر اور عقل میں ضرب المثل ہو گئے۔

اور اس کے برعکس نصاریٰ کی حکومتوں کو دیکھئے جنہوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا علم بلند کیا اور شراب نوشی اور شہوت پرستی اور قسم قسم کی بد اخلاقیوں اور بیخیاہیوں کا دروازہ کھول دیا جیسا کہ دنیا کے سامنے ہے۔ عیاں راجحہا۔

دین کے تین بنیادی اصول

دین کے بنیادی اصول تین ہیں۔ جن کو لے کر تمام پیغمبر آئے اور جن پر انسان کی سعادت اور دار و مدار ہے توحید و رسالت و قیامت آں حضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے تمام عالم گمراہی میں مبتلا تھا قرآن کریم آپ پر نازل ہوا اور من جانب اللہ ہدایات اور اصلاحات کو لے کر آیا۔ اصول اور فروع کی تمام گمراہیوں کی اصلاح کی اور سب سے پہلے دین کے ان تین بنیادی اصولوں میں جو گمراہیاں پھیل گئی تھیں ان کی اصلاح کی۔

پہلی اصل۔ توحید

دین کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی اصل توحید ہے جس کے بارے میں تمام قومیں گمراہ ہوئیں۔ مجوس تو دو خدا کے قائل ہوئے اور مشرکین بت پرستی میں مبتلا ہوئے۔

یہود

یہود باوجود یکہ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات سے واقف تھے مگر وہ بھی توحید کے بارے میں گمراہ ہوئے، اپنی گمراہی سے خدا تعالیٰ کو انسان جیسا بنادیا کہ جو تھک بھی جاتا ہے اور انسان کے پیدا کرنے پر نادم اور پشیمان بھی ہوتا ہے اور خدا کی اسرائیل سے کشتی بھی ہوئی خدا اسرائیل کی گرفت سے اس وقت تک باہر نہ نکل سکا جب تک اسے برکت نہ دے دی۔

نصاری

نصاری کھلم کھلا شرک کا شکار ہوئے اور تثلیث کا مشرکانہ عقیدہ ایجاد کیا، قرآن کریم توحید کی تعلیم اور شرک اور تثلیث کے ابطال سے بھرپڑا ہے۔

دوسری اصل۔ اعتقاد نبوت ہے

مشرکین تو نبوت کے سرے سے منکر تھے اور بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے اور یہود اگرچہ نبوت کے قائل تھے مگر باوجود اس کے انبیاء کرام کو خدا کے مقابلہ میں جھوٹ اور دھوکہ اور فریب سے بھی آلودہ بتلاتے تھے اور پیغمبروں سے کبیرہ گناہ کے صدور کے بھی قائل تھے نیز یہود نبوت کو بنی اسرائیل کی حد تک محدود رکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ منصب نبوت بنی اسرائیل کے لئے خاص کر دیا گیا ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور کو منتخب نہیں کر سکتا، یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں محدود ہے، اور حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے سوا کسی اور نبی کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور عیسائی لوگ یہودیوں کے برعکس حضرت مسیح کی الوہیت اور

انبیت کے قائل تھے قرآن کریم نے جب بھی مشرکین اور یہود اور نصاریٰ کے عقیدہ نبوت کے بارہ میں کامل اصلاح کی۔

تیسری اصل۔ عقیدہ قیامت ہے

یعنی اعتقاد جزا و سزا

دین کی تیسری اصل یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال پر جزاء و سزا اور حساب ہونے کا یقین کرنا۔

مشرکین اور بت پرست قیامت کے سختی سے منکر تھے اور جزاء و سزا کے قائل نہ تھے جزاء و سزا کے مسئلہ میں عیسائیوں کو یہ غلطی پیش آئی کہ انھوں نے فد یہ ہو جانے والے نجات دہندہ کا عقیدہ قائم کر لیا وہ یہ کہتے ہیں کہ نجات دینے والا خود فد یہ بن کر انسانوں کو ان کے گناہوں کی سزا سے بچالے گا۔

یہودیوں کا زعم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں صرف بنی اسرائیل کا طرف دار ہے اور جنت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسلام کی تعلیم

جزاء و سزا کے بارہ میں اسلام یہ کہتا ہے کہ نجات ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے، ایمان اور کفر پر جو جزاء اور سزا ملے گی اس میں کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دی جائے گی بلکہ غایت درجہ عدل و انصاف کے ساتھ ایمان اور نیکیوں پر ثواب اور کفر اور بُرائیوں پر عقاب ہوگا۔ سزا میں عدل پورا ہوگا کہ ایک بدی اور ایک گناہ کے بدلہ ایک ہی ملے گا اور جزاء و انعام میں عدل کے ساتھ احسان اور لطف و کرم غالب ہوگا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گن ملے گا اور خدا چاہے گا تو اور بھی اضافہ کر دے گا۔

قرآن کریم نے اس مسئلہ کو عجیب انداز سے بیان کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے اور ہر جگہ

دل کش اور دل آویز دلائل اور براہین سے اس کو خوب ہی دل نشین کر دیا ہے کہ اور بے شمار دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا
وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ

کیا تم یہ خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار اور بے فائدہ بنایا ہے۔ اور کیا یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہماری طرف واپس نہیں کئے جاؤ گے۔

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل اور بے قید چھوڑ دیا جائے گا، کیا انسان منی کی ایک بوند نہ تھا پھر خون بستہ ہوا، پھر اس کو اللہ نے صحیح سالم بنایا، پھر انسان کی دو قسمیں بنائیں ایک نر اور ایک مادہ پس کیا وہ خدا جس نے اپنی قدرت سے یہ سب کچھ بنایا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر لے اور زندہ کر کے ان سے حساب و کتاب لے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى أَلَمْ يَكْ نُطْفَعُ مِنْ مَنًى يُمْنًى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُخْزِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ

فلاسفہ قیامت کے تو قائل ہیں مگر صرف روحانی قیامت کے قائل ہیں جسمانی قیامت کے قائل نہیں اور اسلام روح و جسم کے ساتھ دوسری زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ فلسفی نظریہ رکھنے والے صرف روحانی قیامت اور روحانی حشر پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ جسمانی لذتوں کو حقیر بتاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ محض حیوانیت ہے حالانکہ خود جسمانی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور یہ مجموعہ مرکب احکام خداوندی کا مکلف ہے، لہذا اجزاء و سزا و روح و جسم دونوں ہی پر جاری ہونی چاہیے۔

پس جو دین ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہو اور اصول و فروع کے اعتبار سے معقول اور مدلل ہو وہی دین کامل ہے جس کے اتباع سے خدا تعالیٰ تک رسائی ہو سکتی ہے کما قال تعالیٰ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا وَقَالَ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَنْ يُبْتَغِ
غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خصائص نبوی سے وہ فضائل و کمالات مراد ہیں جو حق جل شلتہ نے خالص
آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائے اور انبیاء کرام میں سے کسی اور نبی کو اس میں شریک نہیں
فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چند چیزیں ایسی دی گئی
ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

(۱)۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف
مبعوث ہوتے تھے ورمیں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ قُلْ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

(۲)۔ میں خاتم النبیین ہوں میری ذات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کما قال تعالیٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ وقال تعالیٰ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

(۳)۔ مجھکو جوامع الکلم عطا کیے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں
اور معانی بے شمار ہوں جیسا کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے کہ وہ تمام عقائدِ حقہ اور
اعمالِ صحیحہ اور مکارمِ اخلاق اور دین و دنیا کے تمام احکام اور دستور اور آئین اور قواعد اور قوانین
کا مجموعہ ہے۔

(۴)۔ مجھے رُعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح و نصرت عطاء کی گئی بڑا اسباب ظاہری کے ایک

مہینہ کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں، یہ تائید غیبی تھی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رعب ڈال دیا گیا۔

کما قال تعالیٰ: سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ
وقال تعالیٰ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

(۵)۔ تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گا اور مظہر بنادی گئی یعنی میری امت کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح مظہر پاک کرنے والی چیز بنادیا گیا۔

(۶)۔ اور مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا
(۷)۔ میرے پیرو تمام انبیاء و مرسلین کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تمام امتوں کی صفیں ایک سو بیس ہوں گی جن میں سے اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔

(۸)۔ مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے اور میں ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔
(۹)۔ سب انبیاء و مرسلین سے پہلے میں اپنی امت کو پلصراط سے لے کر گزروں گا۔
(۱۰)۔ اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور ابو بکر و عمر میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور ہر رونق ہوگی۔

فِتْلِكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

اس ناچیز نے اپنی ضعف اور ناتوانی کی بنا پر معجزات اور ان خصائص کے بیان میں نہایت اجمال اور اختصار سے کام لیا اس لئے کہ ان خصائص کے بارہ میں احادیث معروف و مشہور ہیں اور زبان زدِ خلایق ہیں اب میں اپنی تالیف ”سیرۃ المصطفیٰ“ حصہ چہارم کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ناچیز کا اور اس کی اوراد کا خاتمہ بالخیر فرمائے اور آل حضرت ﷺ کی شفاعت اور آپ کی حوض کوثر پر حاضری اور اس کا پانی پینا نصیب فرمائے

أَمِينَ وَأُخِرْدَ عَوَانَا انْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى حَبِيبِهِ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ
وَعُلَمَاءِ أُمَّتِهِ وَأَوْلِيَاءِ زَمَرَتِهِ أَجْمَعِينَ وَعَلَيْنَا مِنْهُمْ يَا رَحِمَ
الرَّاحِمِينَ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِينَ وَاجُودَ الْاجُودِينَ وَ
خَيْرَ الْمُسْتَوَلِينَ وَيَا خَيْرَ الْمَعْطِينَ - أَمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ -

بفضلہ تعالیٰ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ کو اس آخری حصہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ فلّٰہ
الحمد اولا وَاخرا

محمد ادریس

كَانَ اللَّهُ لَهُ وَكَانَ هُوَ اللَّهُ
(آمین)

جلد ۱۶ کے بارے میں مزید جاننے کے لیے
www.KitaboSunnat.com

خوشخبری

اشرف المہدایہ

مکمل ۱۶ جلدوں میں

شرح اردو

ہدایۃ

اضافہ عنوانات

مولانا مفتی محمد عظیم شاہ
سابق مدرس و رفیقہ دار الافتاء
جامعہ فاروقیہ کراچی

تالیف

مولانا جمیل احمد کڑوہوی
مدرس دارالعلوم دیوبند

کتابخانہ مطہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان
فون: ۳۹۹۳۷۶

جلید کا پتہ اور آراء و تصورات
میں ہرگز اختلاف نہیں

خوشخبری

گمشدہ سیاریں
(مکمل)

(دورانگہ)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتابخانہ مطہری
گشتہ اقبال کراچی پاکستان
فون: ۳۹۹۲۱۷۶

ارباب فتاویٰ اور اہل علم کے لئے

عظیم خوشخبری

فقہ الامت مفتی اعظم ہند، حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے ہزاروں فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ محمودیہ

فتاویٰ محمودیہ کی تمام جلدیں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔

عمدہ کتابت پائندہ جلد اعلیٰ کاغذ عام قیمت = 3,600/

ایک اور عظیم خوشخبری

کتب خانہ مظہری فتاویٰ محمودیہ کو کمپیوٹر کمپیوزنگ کے ساتھ شائع کر رہا ہے جس پر کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے جس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہوں گی۔

تجوید: مختلف جلدوں پر پھیلے ہوئے بے شمار مسائل کو عنوانات قائم کر کے الگ الگ ابواب میں جمع کیا جا رہا ہے۔

تخریج: تمام مسائل کی اہمات الکتاب سے تخریج کی گئی ہے۔ پہلے سے درج شدہ حوالوں کی تخریج جدید مطبوعہ نسخوں سے کی گئی ہے۔

تحقیق و تطبیق: سوال و جواب میں موجود ابہام یا اجمال یا غیر منطقی یہ قول پر دیئے گئے فتاویٰ کی نشان دہی حاشیہ میں کر دی گئی ہے اور معتبر کتابوں

کی روشنی میں مسئلہ کی تحقیق کر کے اس پر تطبیق تحریر کر دی گئی ہے۔ بے شمار مختلف فیہ مسائل میں ارباب فقہ و فتاویٰ کی آراء کو ذکر کر کے رائج

قول کا تعین کر دیا گیا ہے۔

دیگر خصوصیات

ہندی، فارسی اور اردو کے مشکل الفاظ کے معنی

تدوین فقہ و فتویٰ سے متعلق تفصیلی مقدمہ

اشعار و یوں، انیسویں، بیسویں اور بقیہ تمام جلدوں کے ساتھ

مجموع عنوانات کی وضاحت اور تسہیل

کتب خانہ مظہری

کشن اقبال، بلاک نمبر 2 کراچی 47، فون: 4992176

یارداشت

This image shows a single page of white paper with horizontal ruling lines. The lines are evenly spaced and run across the width of the page. There is no handwriting or other markings on the paper.